سیرۃ

خلیفۃ الرسول ﷺ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتبہ

طالب ہاشمی

فہرست عناوین



صفحہ	عنوان
۵۷	کفّار کی مزید اذیت رسانیاں
۶۰	رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تبلیغی دورے
۶۴	حضرتِ صدّیق رضؓ کی شانِ تصدیق
۶۵	رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رشتۂ مصاہرت
۶۶	ہجرتِ مدینہ
۷۱	غارِ ثور میں ورود
۷۳	غارِ ثور میں نازک ترین لمحہ
۷۵	صدّیقِ اکبر رضؓ کے اہلِ خانہ پر کیا بیتی
۷۶	غارِ ثور سے روانگی
۷۸	سُراقہ کا واقعہ
۸۱	اُمّ معبد رضؓ کے خیمے پر
۸۲	حضرت زبیر رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ سے ملاقات
۸۲	قبا میں ورود
۸۳	مدینہ میں داخلہ
۸۶	حضرت عائشہ صدّیقہ رضؓ کی رخصتی
۸۶	مواخاۃ
۸۶	مسجدِ نبوی کے لیے حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کا انفاق
۸۸	۵ غزوات
۸۸	غزوۂ بدر
۹۱	غزوۂ اُحد
۹۲	غزوۂ احزاب

صفحہ	عنوان
۲۰۴	حضرت عکرمہؓ اور مسیلمہ کی جنگ
۲۰۵	مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالدؓ کی نامزدگی
۲۰۷	جنگِ یمامہ
۲۱۶	مرتدینِ عمان و مہرہ کی سرکوبی
۲۱۹	مرتدینِ بحرین کی سرکوبی
۲۲۳	مرتدین بنو قضاعہ کی تادیب
۲۲۴	حضرت خالدؓ بن سعید کی مہم
۲۲۴	مرتدینِ یمن کی سرکوبی
۲۲۷	مرتدینِ کندہ وحضر موت کی سرکوبی
	فتوحات
۲۳۱	ایران اور روم سے معرکہ آرائیاں
۲۳۲	دو خوفناک دشمن
۲۳۸	بنو شیبان کی ترکتازیاں
۲۴۱	حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقِ عرب جانے کا حکم
۲۴۵	جنگِ ذات السلاسل
۲۴۷	جنگِ مذار
۲۴۷	جنگِ دَلجہ
۲۴۸	معرکۂ الیس
۲۴۹	امغیشیا کی تسخیر
۲۵۰	حیرہ کی فتح

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان



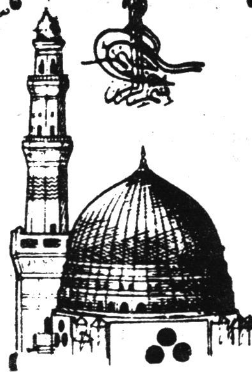


اُن نفوسِ قدسی کے نام

جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ (سورۂ توبہ آیات ۲۰-۲۱-۲۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ کی راہ میں) گھر بار چھوڑے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑے —— اللہ کے نزدیک ان کا بڑا درجہ ہے اور وہی اپنی مراد کو پہنچے ان کا پروردگار ان کو اپنی طرف سے خوشخبری دیتا ہے مہربانی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو ہمیشہ کا آرام ہوگا اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۔ بے شک اللہ کے پاس ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔



آں امَنّ النّاس بر مولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمّتِ او کشتِ ملّت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

(اقبالؒ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

(از جناب سیّد نظر زیدی صاحب)

اس کتاب کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے مجھے یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ محترمی طالب ہاشمی صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کروں کہ انہوں نے یہ کتاب تصنیف فرما کر ایک بہت اہم ضرورت پوری کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ رسولؐ حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی پر اردو اور دیگر بڑی زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں اکثر قابلِ قدر ہیں، لیکن پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اس عظیم فرزندِ اسلام کی سیرت اور سوانح حیات پر کوئی بہت اہلِ مصنّف ویسی ہی محنت، قابلیت اور روشن ضمیری سے کام کرے جس کی جھلک علّامہ شبلی نعمانیؒ کی تصنیف "الفاروق" میں نظر آتی ہے۔ بحمداللہ طالب صاحب نے "سیرۃ خلیفۃُ الرّسُولؐ" لکھ کر یہ ضرورت پوری کر دی ہے۔

سیرت نگاری طالب ہاشمی صاحب کا خاص تصنیفی ذوق ہے۔ صحابہؓ، صحابیاتؓ اور مشاہیرِ اسلام کے بارے اُن کی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور متعدد ایڈیشن شائع ہونے کی صورت میں انہیں قبولیّتِ عام کی سند حاصل ہوئی ہے لیکن اس کتاب کے بارے میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ان کی سالقہ تصانیف میں سرِفہرست سمجھی جائے گی۔ اسے اپنے موضوع کی ایک مکمل کتاب بنانے کے لیے

انہوں نے اپنی وہ تمام صلاحیتیں صرف کر دی ہیں جو اللہ نے اپنے خاص فضل سے انہیں عطا فرمائی ہیں۔

سیرت نگاری ان معنی میں مصنفین کے لیے ایک بہت ہی نازک اور اہم فریضہ ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں کو بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز جادۂ صداقت پر چلنا پڑتا ہے۔ ان کی ذرا سی بے پروائی اور ادنیٰ سی جانبداری بھی تاریخ کے چہرے کو داغدار بنا دیتی ہے اور وہ محسنین کے بجائے ظالمین کی صف میں شامل ہو کر نہ صرف خود کو تباہ کر لیتے ہیں، بلکہ اپنے قارئین اور اپنے معاشرے کی تباہی کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔

جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں طالب ہاشمی صاحب اس لغزش سے پوری طرح محفوظ رہے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کو ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب بنانے کی کوششوں کے ساتھ دیانت کے تقاضوں کو بھی نگاہ میں رکھا ہے اور جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا اسے مفید و مستند بنایا ہے۔ تمام واقعات حدیث اور سیر کی مسلمہ کتب سے لیے ہیں اور ان کی تشریح و توضیح میں ادنیٰ سی جانبداری بھی نہیں برتی۔

اس کتاب کی اس خوبی کا میں نے بطورِ خاص اس لیے ذکر کیا کہ مشاہیرِ اسلام کی سیرت نگاری کے سلسلے میں ہمارے اہلِ قلم سے بالعموم لغزشیں ہوئی ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک خدا ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان رکھنے والی ملت بہتّر فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ نہ صرف فرقوں میں بٹ گئی ہے بلکہ ان فرقوں میں ایسا عناد پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر وقت تصادم اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر آمادہ رہتے ہیں۔

شاید ایک ذی شعور شخص بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کا

مزاج اتحاد کا ہے افتراق کا نہیں۔ بعثتِ نبویؐ سے پہلے عرب قبائل کائی کی طرح پھٹے ہوئے اور باہمی جنگ و جدل میں مصروف تھے۔ اُن میں جاہلی غرور کے ساتھ، خاندانی تفاخر اس حد تک تھا کہ اس پر ذرا بھی آنچ آتی دیکھتے تھے تو تلواریں بے نیام ہو جاتی تھیں اور قتل و غارت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اسلام نے ان سب جہالتوں کو مٹا کر اُنہیں اس طرح بھائی بھائی بنا دیا کہ ایک حبشی اور نجیب الطرفین قریشی میں کچھ فرق نہ رہا۔ اُن میں وجہِ افتخار اگر کوئی چیز رہ گئی تو وہ تقویٰ تھا۔

قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلی ہوئی یہ مُتقی اور متحد ملت جب مطلعِ ہستی پر نمودار ہوئی تو اللہ نے اسے معزز و ممتاز کر دینے کا اپنا وعدہ پورا کیا اور گنتی کے چند برسوں میں عرب کے وہی اجڈ بدّو جو تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی برکتوں سے کچھ بھی حصہ نہ پاتے تھے پوری دنیا کے امام بن گئے۔ روم اور ایران جیسی منظم اور طاقتور سلطنتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئیں اور انہی بدّوؤں کی معرفت امن و انصاف، علوم و فنون اور حُسنِ اخلاق کی برکتیں پوری معلوم دنیا تک پہنچ گئیں۔ کرۂ ارض خدا پرستی کے نور سے جگمگا اُٹھا۔

یہ افسانہ طرازی نہیں تاریخ کی شہادت ہے، لیکن جب انہی عظیم انسانوں کی اولاد صراطِ مستقیم سے بھٹک گئی اور جب اس نے اُخوّت و مروّت اور ایثار و محبت کی جگہ نفرت و حقارت اور جاہ طلبی جیسی برائیاں اپنا لیں تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی نہ بدلنے والی سُنّت کے مطابق انہیں ذلت کی پستیوں میں پھینک دیا۔ وہ اُن قوموں کے غلام بن گئے جن پر اُن کے اجداد نے حکومت کی تھی، بلکہ بعض علاقوں سے تو انہیں اس طرح کھدیڑ کر باہر دھکیل دیا گیا کہ اُن کی عظمت کا کوئی ایک نشان بھی اُن کے جلو میں نہ رہا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسپین اور سسلی سے مسلمانوں کا

انخلا محض افسانہ ہے یا ہندوستان سے اُن کی سلطنت کا مٹ جانا کسی کہانی کا حصّہ ہے !!

اس زوال اور زبوں حالی کے یقیناً اور بھی اسباب ہوں گے لیکن کم از کم میری نظروں میں اس کی بڑی وجہ غلط روایت سازی ہے۔ کچھ غیروں نے سچ میں جھوٹ ملایا اور کچھ خود ہم نے مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر اپنی صورتوں کو مسخ کیا اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ اب ہمارے درمیان مستقل طور پر ایسے متحارب فرقے بن گئے ہیں کہ ان میں صلح ہو جانے کا امکان بھی نظر نہیں آتا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑا ستم یہ ہوا کہ ہماری تاریخ کی جو محترم شخصیتیں ہمارے دلوں کو جوڑنے کا سبب بنی تھیں، جن کی تربیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کی تھی اور جنہوں نے اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا انہی کو ہم نے نفاق کا باعث بنا لیا۔ حضرات شیخین کا بالکل یہی معاملہ ہے۔ ضرورت ہے کہ غلط فہمیوں کی ان تاریکیوں کو دُور کیا جائے اور میرے نزدیک جناب طالب ہاشمی نے یہی فرض انجام دیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کے خلیفۂ رسول منتخب ہونے کا ذکر ناگزیر تھا اور چودہ سو برس سے یہ ذکر کچھ اس انداز سے ہو رہا ہے کہ اگر ایک فریق نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کو غاصبانہ قبضہ (نعوذ باللہ) قرار دیا تو دوسرے نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے خلیفۂ راشد ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن طالب ہاشمی صاحب اس انتہائی نازک مرحلے سے ایسے معتدل اور منصفانہ عقیدے کے ساتھ گزرے ہیں کہ اگر اسے عام کیا جائے تو ٹوٹے ہوئے رشتے جڑنے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔

شاید ہم غور نہیں کر رہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملّت اسلامیہ ان دنوں پھر ایک انتہائی نازک موڑ پر کھڑی ہے۔ بیشک غیروں کا دباؤ کچھ کم ہوا ہے — اور

جنگِ عظیم اوّل اور دوم کے بعد کچھ نئی اسلامی ریاستیں دنیا کے نقشے پر ابھری ہیں، لیکن ساتھ ہی کافر قوموں کی یہ سازش بھی زور پکڑ گئی ہے کہ ہماری صفوں میں تفریق پیدا کر کے ہمیں پھر غلامی اور محکومی کے شکنجوں میں جکڑ دیا جائے۔ غیروں کی سازشوں کے علاوہ ہماری بہت سی داخلی کمزوریاں بھی ہیں جن کا علاج ضروری ہے اور یقیناً یہ مقصد اس طرح بطریقِ احسن حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم روشن دماغی کے ساتھ اپنے بزرگوں کے کارناموں سے روشناس ہوں اور اُن کی سیرت کے آئینے میں اُن اُمور کو دیکھ لیں جن کے باعث وہ اقوامِ عالم کے امام بن گئے تھے۔

میرے نزدیک طالب ہاشمی صاحب کی یہ کتاب اس سلسلے میں مفید تر ثابت ہو گی۔ اس کے مطالعے سے گم کردہ راہ لوگ راہِ راست کی طرف لوٹیں گے اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائیں گے کہ ہمارے جن بزرگوں کے بارے میں قسم قسم کی غلط فہمیاں پیدا کر دی گئی ہیں اُن کی حیثیت تو روشنی کے میناروں جیسی ہے۔ اس بہترین تصنیف پر میں فاضل مصنّف کی خدمت میں ایک بار پھر ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں — اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ خدا کرے یہ کتاب مقبولیت کا درجہ حاصل کرے اور اس سے بہتر سے بہتر نتائج حاصل ہوں۔

لطف زید بک

۳۔ جنوری ۱۹۸۷ء



حرفے چند

خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت ابوبکر — صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ پر مختلف زبانوں (عربی، فارسی، اردو اور انگریزی) میں اب تک ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی — اس ذاتِ بے ہمتا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے زیرِ نظر کتاب کے ذریعے مجھ جیسے ہیچمدان کو بھی اُمّتِ محمدیہ کے اس عظیم ترین محسن کے سیرت نگاروں کی صف میں شامل ہونے کی توفیق بخشی۔ مجھے یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ میری یہ تالیف اس موضوع پر لکھی گئی دوسری کتابوں میں کسی امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ فی الحقیقت ہر کتاب اپنی اپنی جگہ وقیع ہے البتہ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

ان میں جو فرق ہے وہ اسلوبِ نگارش، اندازِ تحقیق اور مواد کی نوعیت کا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ کونسی کتاب ان کے معیار پر پوری اترتی ہے اور ان کے ذوقِ نظر اور قلب و ذہن کو تسکین کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جن عوامل نے میرے دل میں یہ

کتاب تالیف کرنے کی تحریک پیدا کی، ان کو اختصار کے ساتھ یہاں بیان کر دوں۔

۱۔ متعدد اہلِ علم سے عظمتِ صحابہؓ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کے مداح تو ضرور ہیں لیکن ان کے مرتبہ شناس نہیں ــــ بالفاظِ دیگر اُن کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے کماحقہٗ آشنا نہیں ہیں۔

۲۔ اس موضوع پر اکثر کتابوں میں حد سے زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ یا غیر ضروری طویل مباحث سے ان کی ضخامت بڑھا دی گئی ہے۔

۳۔ بعض کتابوں کا اندازِ بیان بڑا عالمانہ ہے اور ان کی زبان اتنی ادق ہے کہ عام لوگوں کے لیے ان کا سمجھنا یا ان سے مستفید ہونا بہت مشکل ہے۔

۴۔ بعض کتابوں میں کچھ دوسرے صحابۂ کرامؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے احتیاط سے کام نہیں لیا گیا اور ان کا ذکر ایسے نامناسب انداز میں کیا گیا ہے گویا وہ صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت میں شامل ہی نہیں ہیں مثلاً حضرت اقرعؓ بن حابس، حضرت عباسؓ بن مرداس اور ایسے ہی کچھ دوسرے اصحاب۔

۵۔ اکثر کتابوں میں سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کے قریبی متعلقین کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیے گئے۔ حالانکہ ان کی شخصیت اور کردار کا ہمہ پہلو جائزہ لینے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔

میں نے اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑے انسان سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کی حیاتِ طیبہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ایک طرف تو کسی مقام پر بھی ادب و احترام کی حدود نظر انداز نہ ہونے پائیں اور دوسری طرف جہاں اِطناب کی ضرورت ہو وہاں اِطناب سے اور جہاں ایجاز کی ضرورت ہو وہاں ایجاز سے کام لیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی اندازِ بیان سادہ اور عام فہم ہو۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا اندازہ قارئینِ کرام ہی کر سکتے ہیں۔ ان سے استدعا ہے کہ اگر انہیں اس کتاب میں کوئی غلطی یا خامی نظر آئے تو وہ ازراہِ کرم اس سے راقم الحروف کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کیا جا سکے۔ ساتھ ہی میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اس کے لیے وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔

میں آخر میں مولانا عبدالوکیل علوی صاحب، جناب سید نظر زیدی صاحب اور جناب خواجہ عابد نظامی صاحب کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا۔ مولانا عبدالوکیل صاحب نے نہایت عرق ریزی سے عربی عبارات پر اعراب لگائے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ جناب سید نظر زیدی صاحب نے اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اس میں انہوں نے میرے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے یہ ان کی ذرہ نوازی اور حسنِ ظن ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

جناب خواجہ عابد نظامی صاحب نے کمال مہربانی سے اپنی گراں بہا نظم "اصحاب میں نہیں کوئی صدیقؓ کا جواب" اس کتاب میں شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

راجئ غفران وشفاعت

طالب ہاشمی

۱۱۸۔ ڈی / رضوان بلاک / اعوان ٹاؤن لاہور۔ ۱۸

جمعۃ المبارک، ۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۸۶ء

اصحابؓ میں نہیں کوئی صدیقؓ کا جواب



اس بات میں نہیں مجھے عابدؔ! کوئی کلام
میرے نبیؐ کے بعد ہے صدیقؓ کا مقام

ہوں کتنا خوش نصیب کہ ہیں مصطفےٰؐ کے بعد
صدیقؓ میرے راہبر و مرشد و امام

قدموں میں میرے کیوں نہ ہو فرِّ شہنشہی
سو جان سے ہوں حضرتِ صدیقؓ کا غلام

وہ پاسبانِ ختمِ نبوّت، وہ یارِ غار
قائم ہے جس کے صدق سے کونین کا نظام

جس نے خدا کی راہ میں سب کچھ لُٹا دیا
مولائے کائناتؐ کو تھا جس کا احترام

آساں تھا جس پہ جیشِ اُسامہؓ کا مرحلہ
اُس جانشینِ سرورِ کونینؐ پر سلام

اِس فخر پر زمانے کی سب عظمتیں نثار
اپنی جگہ نبیؐ نے بنایا انہیں امام

جس دل میں ہے محبتِ صدیقؓ جاگزیں
واللہ اس پہ آتشِ دوزخ ہوئی حرام

چاہو اگر کہ دُور ہوں ملت کی مشکلات
نافذ کرو خلافتِ صدیقؓ کا نظام



اصحابِ مصطفےٰؐ میں وہ اک مظہرِ جمال
میدانِ کارزار میں اللہ کا جلال

وہ اوّلیں مصدقِ پیغمبرؐ خدا
اسلام پر نثار کیے جس نے جان و مال

ہر شخص کی نگاہ تھی صدیقؓ کی طرف
جس وقت سرورِ دوجہاںؐ کا ہوا وصال

بوبکرؓ سا نہیں کوئی اُمّت میں دوسرا
لائے تو کوئی ڈھونڈ کے صدیقؓ کی مثال

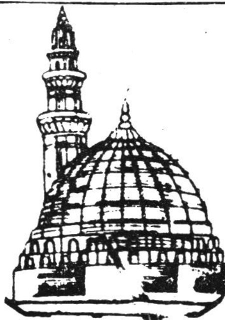
ان کے جلو میں جلوہ نما دیں کے پاسباں
عثمانؓ و حیدرؓ و عمرؓ و بوذرؓ و بلالؓ!
غفلت میں جب سے چھوڑی ہے صدّیقؓ کی روش
اُس وقت سے ہمارا مقدر بنا زوال!
مدّاح جس کے خالقؒ و جبریلؑ و مصطفٰےؐ
میں اُس کی منقبت لکھوں، میری کہاں مجال!



وہ گلستانِ دیں کا مہکتا ہوا گلاب
جس کو دیا حضورؐ نے صدّیقؓ کا خطاب
وہ جس کی نیکیاں تھیں ستاروں سے بھی فزوں
وہ جس سے مصطفٰےؐ کو محبّت تھی بے حساب
وہ جس کا بدترین مخالف مُسَیلمہ
وہ جس کا بہترین ثنا خوان بُوترابؓ
ہم خواب آج بھی ہے رسولِؐ خدا کے ساتھ
ہر گام پر رہا جو نبوّت کا ہم رکاب
عالم ہے آفتابِ رسالت سے مُستنیر
لیکن عتیقؓ سب سے زیادہ ہیں فیضیاب
نقشِ قدم پہ اُن کے ہوا جو بھی گامزن
دنیا میں سربلند ہے، عقبیٰ میں کامیاب
اس بات پر سب اہلِ سقیفہ تھے مُتّفق
اصحاب میں نہیں کوئی صدّیقؓ کا جواب

عابدؔ یہ کہہ رہی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
اصحاب ہیں نجوم، تو صدّیقؓ ماہتاب

(عابدؔ نظامی)



خَلِیفَۃُ الرَّسُولُ اَفْضَلُ الْاُمَّت

سیّدنا حضرت

ابُوبکر صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

ولادت

۵۷۳ عیسوی (۳ سنہ عام الفیل)

پچاس سال چھ ماہ قبلِ ہجرت

وفات

۱۳ سنہ ہجری (۶۳۶ عیسوی)

خلافت

از ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ سنہ ہجری

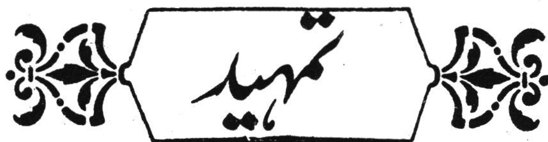
تا

۲۲ جمادی الاخری ۱۳ سنہ ہجری

مُدّتِ خِلافت

دو سال تین مہینے گیارہ دن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



تمہید

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
اَفضلُ البشر بعدَ الانبیاءِ بالتحقیق

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ وہ اعلان ہے جس پر عہد رسالت سے آج تک کے صلحاء و علمائے اُمت مُہرِ تصدیق ثبت کر چکے ہیں اور جسے گزشتہ چودہ سو سالوں سے دنیا بھر کے کروڑوں منبروں پر متواتر دہرایا جا رہا ہے۔ یہ پُرعظمت صدائے حق یقیناً ابد الآباد تک بلند ہوتی رہے گی اور ہر آنے والا دن صدیقِ اکبرؓ کی عظمتِ کردار کو اور بھی نکھارتا جائے گا۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ عظمت یہ شان، یہ مرتبہ سب کچھ اس لیے تھا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذاتِ گرامی سید المرسلین والانبیاء، دعائے خلیل و نویدِ مسیحا، خیر الخلائق، رحمتِ دو عالم، فخرِ موجودات، صاحبِ قابَ قوسین، ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انوارِ سیرت کا پرتو تھی۔ وہ محبوبِ ربّ العالمین کے محبوب تھے اس لیے کہ

انہوں نے جان و مال، اہل و عیال، عزت و آبرو، غرض اپنا سب کچھ عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فنا کر دیا تھا۔ ان کی عظمت کی شہادت خود ربِ ذوالجلال والاکرام نے قرآنِ پاک میں دی۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اپنی لسانِ پاک سے دی اور پھر ان ہزارہا پاکباز اور راست گو ہستیوں نے بھی دی جنھوں نے ایک طرف شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کی تھیں اور دوسری طرف سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے انوارِ سیرت، سبقت فی الاسلام، تصدیقِ رسالت، حُبِ رسولؐ، شوقِ جہاد، زہد و اتقا، اِنفاق فی سبیل اللہ، جود و سخا، غریب پروری، مہمان نوازی، تواضع، حلم، بردباری، غیرتِ دینی، شجاعت و بسالت، بے خوفی، شغفِ عبادت، رقّتِ قلب، عیادتِ مرضیٰ، عزم و استقامت، تدبّر و حکمت، علم و فضل، امامت و اجتہاد اور دوسرے ایمان افروز اوصاف و محاسن کا مشاہدہ کیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی فضیلت کے چار خاص پہلو ہیں:

اوّل: اُمت میں مرتبۂ علیا پانا۔ صدیقیت اسی سے مراد ہے۔

دوم: اول روز سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔

سوم: نبوّت کے شروع کیے ہوئے کاموں کو اِتمام تک پہنچانا۔

چہارم: آخرت میں عُلوِّ مرتبہ

اس علوئے مرتبت کا کسی قدر اندازہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ان ارشاداتِ مقدسہ سے کیا جا سکتا ہے۔

۱: ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دے دیا ہو۔ مگر ابوبکرؓ کہ ان کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے۔ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔

(ترمذی)

۲: اے ابوبکرؓ! تم غار میں میرے رفیق تھے اور حوضِ کوثر پر بھی میرے رفیق ہو گے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)

۳: اے ابوبکرؓ! اُمّتِ محمدیہ میں تم وہ شخص ہو جو جنّت میں سب سے پہلے داخل ہو گے۔ (سنن ترمذی)

۴: مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے نفع دیا۔ (صحیحین)

۵: اگر میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ (صحیحین)

۶: الٰہی، ابوبکرؓ کو قیامت کے دن جنّت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا۔ (مستدرکِ حاکم و سنن ترمذی)

۷: ابوبکرؓ! اللہ نے تم کو دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔ (حاکم و ابنِ عساکر)

۸: اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بڑی خوشنودی سے سربلند فرمایا۔ عرض کیا، یا رسول اللہ سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے، فرمایا:
"اللہ تعالیٰ مخلوق کے واسطے تجلّیٔ عام فرمائے گا اور تمہارے واسطے تجلّیٔ خاص۔" (مستدرکِ حاکم)

خاص سیّدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) احادیث مروی ہیں۔ ان کے علاوہ اٹھاسی حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ کی فضیلت مشترکہ طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔ سترہ (۱۷) احادیث ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فضائل مجموعی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ چودہ (۱۴) احادیث ایسی ہیں جن میں چاروں خلفائے راشدینؓ کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں۔ سولہ (۱۶) حدیثیں ایسی ہیں جن میں خلفائے راشدینؓ کے ساتھ دوسرے صحابۂ کرامؓ کے فضائل بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

مزید براں وہ سینکڑوں حدیثیں بھی صدیق اکبرؓ کی شان میں صادق آتی ہیں جن میں عمومی طور پر مہاجرین، مجاہدین، مؤمنین، اصحابِ بدر اور اصحابؓ الشجرہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے صدیقین کو انبیاء علیہم السّلام کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے اور اُمّتِ محمدیہ کو سب سے بہتر اُمّت قرار دیا ہے۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ اُمّتِ محمدیہ کے صدیق ہیں اور یہ وہ درجہ ہے جو انبیاء علیہم السلام میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت یوسفؑ کو حاصل ہوا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو نبوّت کے سوا ان تمام اوصاف و محاسن سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا جو انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی عملی اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی۔

مختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اُمّتِ مُسلمہ کے سب سے بڑے آدمی سیّدنا حضرت ابُوبکر صدیقؓ تھے۔ ان کی یہ افضلیت عہدِ رسالت میں بھی تمام اہلِ حق کے نزدیک مُسلّم رہی اور حضورؐ کے وصال کے بعد بھی آج تک مُسلّم چلی آ رہی ہے۔



نام و نسب

عبداللہ نام تھا اور ابوبکر کنیت تھی۔ کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ اصل نام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بقول علامہ زمخشری۔ اُن کو اچھے کاموں اور پاکیزہ خصلتوں میں ابتکار (پیش پیش رہنے) کی وجہ سے ابوبکر کہا جاتا تھا۔ ان کے کسی بیٹے کا نام "بکر" نہیں تھا۔ زمانہ جاہلیت ہی میں وہ "ابوبکر" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ صدیق اور عتیق لقب ہیں۔ یہ دونوں لقب انہیں بارگاہِ نبوت سے عطا ہوئے۔ صدیق کے معنی زبان کے نہایت سچے، معاملے کے سچے یا تصدیق کرنے والے کے ہیں۔

"عتیق" کو اہلِ لغت نے "جمیل" سے تعبیر کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں ابن دکینؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "وہ عتیق" اس لیے مشہور ہوئے کہ وہ شروع ہی سے نیک چلے آتے تھے" لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عتیق" کی تشریح یہ فرمائی کہ وہ جہنم کی آگ سے آزاد ہیں۔ (ترمذی) [1]

---

[1] مولانا عبدالحلیم شررؔ مرحوم نے اپنی کتاب "ثانی اثنین" میں، مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدیقؓ" میں اور حافظ محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ الامت" جلد دوم میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں "عبدالکعبہ" نام تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر عبداللہ کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۳۳ پر)

حضرت ابُوبکرؓ کا تعلق قریش کی شاخ بنوتیم سے تھا جو تعدادِ افراد کے لحاظ سے قریش کا سب سے چھوٹا خاندان تھا لیکن عزت اور مرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتا تھا۔ اُشناق کا منصب اسی خاندان کے سپرد تھا (یعنی وہ خون بہا اور تاوان کی رقوم معیّن کرتے تھے۔)

حضرت ابُوبکرؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

ابُوبکر عبداللہؓ بن ابی قحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لُوئیؔ القرشی۔

مُرّہ بن کعب پر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابُوبکرؓ کے والد حضرت ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر

حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے والد حضرت عثمانؓ بن عامر اپنی کُنیت "ابو قحافہ" سے مشہور ہیں۔ جس زمانے میں آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا، حضرت ابو قحافہؓ تقریباً ستر برس کے پیٹے میں تھے۔ وہ ایک خوشحال تاجر تھے اور قریش میں بڑی عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ بعض دوسرے بوڑھوں کی طرح وہ مدت تک اسلام کو بچوں کا کھیل سمجھتے رہے۔ اس عرصے میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو حضرت ابُوبکر صدیقؓ اُن کو گھر سے سہارا دے کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ؎ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ابُوبکرؓ کو دیکھ کر فرمایا، "اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ" (تم اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد ہو) اسی دن سے لوگ انہیں عتیق کہنے لگے۔

کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ نے ان کے ضعفِ پیری اور نابینائی کو دیکھ کر فرمایا، انہیں کیوں زحمت دی ہیں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور اسلام کی تلقین فرمائی وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہوگئے اس وقت ان کی عمر نوّے برس سے کچھ اوپر تھی۔

حضرت ابُوقحافہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کے ابتدائی زمانہ (۱۴ھ) میں بعمر ۹۷ سال وفات پائی۔

حضرت ابُوقحافہؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب کی کہ ان کی تین پشتوں کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ فرزند حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو خود اللہ تعالےٰ نے "صاحبِ رسولؐ" کا لقب دیا۔ پوتے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابُوبکرؓ اور پڑپوتے حضرت ابوعتیق محمدؓ بن عبدالرحمٰنؓ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت ابُوبکرؓ کی والدہ
حضرت اُمّ الخیر سلمیٰؓ بنتِ صخر

حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی والدہ حضرت سلمیٰ بنتِ صخر (بن عمرو بن کعب بن سعد بن تَیم) کا تعلق بھی بنو تَیم سے تھا اور وہ اپنے شوہر حضرت ابُوقحافہؓ کی بنتِ عم تھیں۔

حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے قبول اسلام کے بعد وہ کچھ عرصہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہیں۔ ایک دن مشرکین قریش نے خانہ کعبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنے پر حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ سخت زخمی ہوکر گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔ بنو تَیم کے لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ ذرا ہوش آیا تو پوچھا: "رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟" رات کو ان کے اصرار پر حضرت اُمّ الخیرؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطاب ان کو سہارا دے کر دارِ ارقم میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ اس موقع پر حضرت ابُوبکرؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ یہ

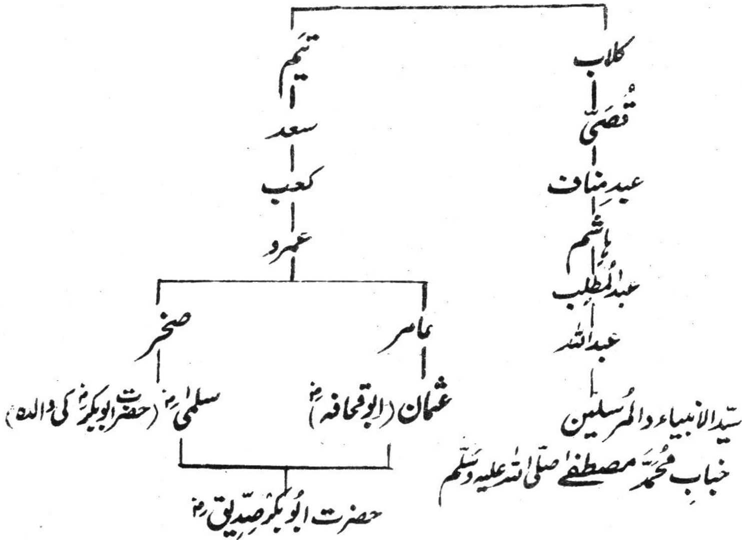
میری والدہ ہیں ان کے لیے دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبولِ اسلام کی توفیق دے اور یہ عذاب جہنم سے محفوظ رہیں۔ حضورؐ نے دُعا فرمائی جو فوراً درِاجابت پر پہنچی اور حضرت اُمّ الخیرؓ اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔ یہ واقعہ بعدِ بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال کا ہے اسی لیے حضرت اُمّ الخیرؓ کو قدیم الاسلام صحابیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت اُمّ الخیرؓ نے بھی طویل عمر پائی اور حضرت اُبو قحافہؓ کی وفات (سنہ ۱۴ھ) سے کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۳ھ میں حضرت اُبوبکر صدیقؓ کی وفات کے وقت حضرت اُبو قحافہؓ اور حضرت اُمّ الخیرؓ دونوں زندہ تھے اور دونوں نے ان کی میراث سے حصّہ پایا۔



رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم
سے
حضرت ابُو بکر صدّیقؓ کا نسبی تعلّق



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت

حضرت ابوبکر صدیقؓ عام الفیل کے اڑھائی سال بعد اور ہجرت نبویؐ سے پچاس سال چھ مہینے پہلے پیدا ہوئے۔ سالِ ولادت ۵۷۳ عیسوی ہے۔ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں اڑھائی برس چھوٹے تھے۔

بچپن سے سنِ شعور تک

حضرت ابوبکرؓ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کا دور تھا۔ خود خانۂ کعبہ کا متولی اور محافظ قبیلہ قریش بھی عرب کے دوسرے قبیلوں کی طرح کفر و شرک کی دلدل میں گلے تک دھنسا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں لیکن ان کی بعد کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت پاکیزہ فطرت اور کمال درجے کی ذہانت و فطانت عطا کی تھی اور وہ شروع ہی سے بت پرستی اور دوسرے رذائل سے متنفر اور مجتنب تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ان کی عمر صرف چار برس کی تھی ان کے والد ابو قحافہ انہیں اپنے ساتھ بت خانہ لے گئے اور وہاں پر نصب ایک بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے ان سے کہا: "یہ ہے تمہارا بلند و بالا خدا اس کو سجدہ کرو۔"

ننھے ابوبکرؓ نے بت کو مخاطب بنا کر کہا:

"میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے، میں ننگا ہوں مجھے کپڑا دے، میں پتھر مارتا ہوں اگر خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔"

وہ بُت بھلا کیا جواب دیتا۔ حضرت ابُوبکرؓ نے اس کو ایک پتھر اس زور سے مارا کہ وہ گر پڑا۔ ابُوقحافہ یہ دیکھ کر غضبناک ہو گئے۔ اُنھوں نے ننّھے ابوبکرؓ کے رخسار پر تھپڑ مارا اور وہاں سے ان کو گھسیٹتے ہوئے اُمّ الخیرؓ کے پاس لائے۔ اُنھوں نے ننّھے کو گلے لگا لیا اور ابُوقحافہ سے کہا:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب یہ پیدا ہوا تھا تو مجھے اس کے بارے میں غیب سے کئی اچھی باتیں بتائی گئی تھیں۔"

(ارشاد الساری شرح بخاری قسطلانیؒ)

بیان کیا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی نے حضرت ابُوبکرؓ کو بُت پرستی وغیرہ پر مجبور نہ کیا اور ان کا دامن کبھی شرک سے آلودہ نہ ہوا۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا اور بحیثیتِ مجموعی عرب ایک اَن پڑھ قوم تھے البتہ خال خال لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضرت ابُوبکرؓ ان میں سے ایک تھے۔ قیاس یہ ہے کہ ابُوقحافہؓ نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ اس طرح وہ نہ صرف لکھنا پڑھنا جان گئے بلکہ شرفا کے دوسرے اچھے مشاغل میں بھی انھیں دسترس حاصل ہو گئی۔ مثلاً لڑنے کا ڈھنگ، ہتھیاروں کا استعمال، شعر گوئی اور شعر فہمی، تجارت وغیرہ۔ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی لیکن وہ عیش و عشرت اور شراب خواری جیسے ذمائم سے ہمیشہ نفُور رہے۔



جاہلیّت کے اندھیرے میں
شعاعِ نور

حضرت ابوبکرؓ کی عمر اٹھارہ برس کی ہوئی تو اپنے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اطوار کی وجہ سے وہ زمانۂ جاہلیّت کے اندھیرے میں شعاعِ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی زمانے میں ان کو اُس ذات پاکؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا جو کائنات ارضی وسماوی کی مقدس ترین ہستی تھی۔

بنو ہاشم کے چاند اور مکّہ کے دُرِّ یتیم جناب محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر اس وقت بیس برس سے کچھ اوپر تھی۔ آپؐ کی ذات پاک برائیوں کے اندھیروں میں منارۂ نور کی مانند تھی۔ حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی طرف کھینچا یا حضرت ابوبکرؓ کے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے حضورؐ نے انھیں اپنی رفاقت کے لیے منتخب فرمایا، بہرصورت ان دونوں پاک سیرت نوجوانوں میں پکّی دوستی ہوگئی جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ چونکہ اس زمانے کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں اس لیے ہم نے ان روایتوں کو لیا ہے جن میں دوستی کا آغاز ان کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد بتایا گیا ہے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں بچپن سے دوستی تھی۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ کے مزاج، عادات وخصائل اور اخلاق میں حیرت انگیز مشابہت تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے اَخلاق، اخلاقِ محمّدیؐ کا عکسِ جمیل ہیں۔ جس وقت

حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے دوستی کا آغاز کیا ان کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور جس وقت حضورؐ نے اعلانِ نبوّت کیا، ان کی عمر اڑتیس ۳۸ برس کی تھی۔ درمیان کی بیس سالہ مدّت میں اُن کے کردار اور سیرت کی یہ تصویر نظر آتی ہے۔

① وہ کپڑے کے ایک خوش معاملہ دیانت دار اور کامیاب تاجر ہیں۔ کاروبار کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً شام اور یمن وغیرہ جاتے رہتے ہیں۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔

② وہ قریش کے معزز ترین رؤسا میں سے ہیں اور مکّہ کے دس چوٹی کے اہلِ ثروت میں سے ایک ہیں۔ سننِ ابنِ ماجہ میں خود حضرت ابوبکرؓ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متموّل تاجر تھا۔

③ قبیلۂ قریش کی تاریخ، اس کی مختلف شاخوں اور عرب کے دوسرے تمام قبائل کی قرابت و نسب کا جاننے والا اس دور میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ انساب کے معاملہ میں قریش ان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

④ اُشناق (دیت اور مغارم) کا منصب اپنے خاندانی استحقاق کی بنا پر ان کے سپرد ہے (جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہو جاتا تو جس دیت یا خون بہا کی ضمانت حضرت اُبوبکرؓ دے دیتے سب اس کو قبول کر لیتے۔ دوسرا کوئی ضمانت دیتا تو لوگ اس کو نہیں مانتے تھے)۔

⑤ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔

⑥ بُت پرستی اور شرک کے سائے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

⑦ عَرَبی زبان و ادب پر قدرت رکھتے ہیں نہایت اچھے شعر کہہ لیتے ہیں سخن فہم بھی ہیں۔

(۸) نہایت ذہین وفطین، بُردبار، معاملہ فہم، دانشمند، ہمدرد اور خوش خُلق ہیں۔

(۹) کاروبار اور دوسرے امور کے سلسلہ میں لوگوں سے بکثرت میل جول اور اسفار کی وجہ سے وہ عرب کے ہر قبیلے کی تاریخ اور اس کے رسم و رواج سے واقف ہیں۔

(۱۰) نہایت فیاض اور دریا دل ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ننگوں کو کپڑے پہناتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں اور ہر نیکی کے کام میں پیش پیش رہتے ہیں۔

(۱۱) اپنے اخلاقِ حَسَنہ کی وجہ سے وہ محبوبِ خلائق ہیں۔ قریش اور بہت سے دوسرے قبائل ان کے گرویدہ ہیں اور ان کی بے حد عزت و تکریم کرتے ہیں۔ قریش تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔ عرب کے متعدد دوسرے قبائل پر بھی ان کا اخلاقی اثر ہے۔

(۱۲) ان کو رسولِ پاکؐ سے دلی مَحبّت ہے اور وہ آپؐ کے اعلانِ نُبوّت سے پہلے ہی آپؐ کی صداقت اور پاکبازی کے دل وجان سے معترف ہیں۔

(۱۳) سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کے تعلّقات اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ حضورؐ صبح وشام دونوں وقت ان کے مکان پر ضرور قدم رنجہ فرماتے ہیں۔

(۱۴) بعض روایات کے مطابق کچھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ حضورؐ کی نُبوّت کے بارے میں ان کا دل ایمان اور یقین کے نور سے معمور ہو جاتا ہے۔

(ا) ابن عساکرؒ نے حضرت کعبؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ایک مرتبہ بغرضِ تجارت شام گئے، وہاں ایک عجیب خواب دیکھا۔ اس کی تعبیر دریافت

کرنے کے لیے وہاں کے ایک مشہور راہب بحیرا کے پاس گئے۔ بحیرا نے خواب سُن کر پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے جواب دیا "مکہ کا"۔ بحیرا نے پوچھا "کس خاندان سے ہو؟" انہوں نے فرمایا "قریش سے"۔ پھر اس نے پوچھا "کیا کام کرتے ہو؟" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "تاجر ہوں" بحیرا نے کہا، "تو پھر سنو کہ تمہارا خواب سچا ہے۔ تمہاری قوم میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث ہوں گے تم ان کی زندگی میں ان کے وزیر اور وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہو گے۔[1]

---

[1] مولانا عبدالحلیم شررؔ مرحوم نے اپنی کتاب "ثانی اثنین" میں ایک عجیب روایت درج کی ہے۔ وہ یہ کہ "ایک بار جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۰ سال کی اور حضرت ابوبکرؓ کی ۱۸ سال کی تھی، تجارت کے لیے دونوں صاحبوں نے ایک ساتھ شام کا سفر کیا۔ سرحدِ شام میں داخل ہونے کے بعد ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیری کے سائے میں ٹھہرے اور حضرت صدیقؓ کسی ضرورت سے وہاں کے مشہور راہب بحیرا کے پاس گئے۔ اس نے درخت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا، "اس بیری کے نیچے کون ہے۔" آپؓ نے بتایا کہ یہ "محمدؐ بن عبداللہ" ہیں۔ اس نے کہا "یہ یقیناً پیغمبر ہیں اس لیے کہ اس درخت کے نیچے ہماری روایتوں کی رو سے یا تو حضرت مسیحؑ ٹھہرے تھے یا نبی آخر الزماںؐ ٹھہریں گے۔"

مولانا شررؔ نے اس روایت کا ماخذ بیان نہیں کیا۔ جمہور اہلِ سیَر نے بحیرا راہب کا واقعہ حضورؐ کے اس سفر کے سلسلے میں بیان کیا ہے جب آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام گئے تھے اس وقت حضورؐ کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔ "کنز العمال" میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو تجارت کے کئی سفروں میں حضورؐ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔

(ب) ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ صحنِ کعبہ میں کھڑے تھے۔ اتنے میں امیہ بن ابی صلت ثقفی شاعر جو جاہلی دور میں موحدانہ نظمیں کہا کرتا تھا وہاں آیا اور ان سے خطاب کر کے کہنے لگا کہ جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ ہم (اہلِ طائف) میں مبعوث ہوگا یا تم (قریشِ مکہ) میں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، مجھے معلوم نہیں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ تصدیقِ حال کے لیے ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یہ اکثر آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور منہ میں کچھ غنغنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے امیہ بن ابی صلت کا مقولہ پیش کر کے ان کا خیال معلوم کرنا چاہا۔ ورقہ نے کہا —— "ہاں بھائی مجھے علومِ سماوی پر عبور حاصل ہے جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ وسطِ عرب کے ایک خاندان سے ظاہر ہوگا اور چونکہ میں علمِ نسب کا بھی ماہر ہوں اس بنا پر کہتا ہوں کہ تمہاری قوم قریش نسب کے لحاظ سے وسطی عرب ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ہی اندر ظاہر ہوگا۔" ورقہ کا بیان سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا اشتیاق و انتظار اور بڑھ گیا۔ (سیرتِ کبریٰ جلد اوّل ابوالقاسم رفیق دلاوری)

(ج) حضرت ابوبکرؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ایک چاند مکہ پر نازل ہو کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک گھر میں داخل ہوا ہے —— پھر یہ دونوں ٹکڑے باہم مل گئے اور مکمل چاند اُن کی گود میں آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ بیدار ہوئے تو رؤیا کی تعبیر میں مہارت رکھنے والے ایک شخص کے پاس گئے اور اس سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس نے بتایا کہ تم اس نبی آخر الزماںؐ کی پیروی کرو گے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور تم اس نبیؐ کے پیروؤں میں سب سے افضل ہو گے۔

(الروض الانف سُہیلیؒ)

قطع نظر اس کے کہ یہ روایات جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں یا نہیں یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعثتِ نبوی سے پہلے ہی حضورؐ کی صداقت کے قائل اور آپؐ کے اخلاقِ عالی سے متاثر تھے۔ اُن کا آئینۂ دل کفر و شرک کے زنگ سے بالکل صاف اور پاک تھا۔ ان کو بیس سال سے حضورؐ کی ہم نشینی کا فخر حاصل تھا اور گھر والوں کے علاوہ آپؐ کی سیرت و کردار کو ان سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہ تھا۔

قبولِ اسلام

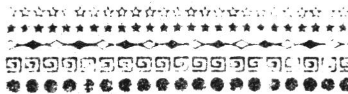
اپنی عمرِ مبارک کے اکتالیسویں سال میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوّت فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا آغاز کیا تو سب سے پہلے جن مقدس ہستیوں نے اس پر لبیک کہا وہ تھیں ——— حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ۔

حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی اہلیہ تھیں، حضرت علیؓ آپؐ کے نابالغ چچازاد بھائی تھے اور آپؐ کے زیرِ کفالت تھے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ پہلے آپؐ کے غلام تھے پھر آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا لیکن اُنھوں نے آپؐ کا خادم بن کر آپؐ کے پاس ہی رہنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس لحاظ سے تینوں آپؐ کے گھر کے افراد تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ گھر سے باہر کے آدمی تھے تاہم انھوں نے عامۃ الناس میں سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا، اسی لیے اوّل المسلمین کہلائے۔ جمہور اربابِ سیر نے اوّلیتِ اسلام کے سلسلہ میں مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ خواتین میں

سب سے پہلے حضرت خدیجہ رض ایمان لائیں، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی رض، (آزاد کردہ) غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید رض بن حارثہ اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رض ایمان لائے جو قلباً اور ذہناً پہلے ہی مسلمان تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ قبولِ اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رض ایک دن حضرت خدیجہ رض کے بھتیجے حکیم بن حزام کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم کی لونڈی نے آکر کہا، آپ کی پھوپھی (حضرت خدیجہ رض) آج کہہ رہی تھیں کہ میرے شوہر موسٰی علیہ السلام کی طرح اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رض فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ص سے اس لونڈی کے بیان کا ذکر کیا۔ آپ ص نے فرمایا، اس نے درست کہا ہے۔ حضرت ابوبکر رض بلا تأمل اسی وقت آپ ص پر ایمان لے آئے۔ (شرح مواہب زُرقانی)

امام ابن اسحاق رح نے حضرت عبداللہ رض بن حصین تمیمی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے کچھ نہ کچھ تردّد کیا اور سوچا لیکن ابوبکر رض کے سامنے میں نے جیسے ہی اسلام پیش کیا اُنھوں نے بلا تأمل میری تصدیق کی اور ایمان لائے۔



حضرت ابوبکر صدیقؓ شہادت گہہ اُلفت میں

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تمام قوّت و قابلیت سارا اثر و رسوخ، کل مال و متاع، جان اور اولاد غرض جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی رضا جوئی اور اطاعت میں وقف کردیا اور ہمہ تن دینِ حق کے ہو کر رہ گئے۔ رسالت محمدیؐ پر ایمان لانے کے بعد ان کی ساری زندگی اطاعت و وفا اور استقامت و عزیمت کی داستان ہے۔

بعثت کے ابتدائی تین سالوں میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہایت رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے رہے۔ اس عرصے میں آپؐ کے مُخاطب عام طور پر ایسے سعید الفطرت لوگ تھے جن سے یہ توقّع کی جاسکتی تھی کہ وہ کج بحثی نہیں کریں گے اور معقول بات کو تسلیم کرکے قبولِ حق میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ اس کام میں حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنی تبلیغ سے قریش کے متعدد سربرآوردہ آدمیوں کو دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ ان میں حضرت عثمانِ غنیؓ، حضرت زُبیرؓ بن العوام، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص اور حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن عوف کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

بعثت کے چوتھے سال جب فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (احکامِ الٰہی برملا سنایئے اور مشرکین کی (مخالفت کی) پروا نہ کیجیے) کا حکم خداوند

نازل ہوا تو آپؐ نے لوگوں کو علانیہ حق کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ اس پر مشرکین قریش بھڑک اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں پر بے تحاشا ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ بالخصوص اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور لونڈیوں پر انہوں نے ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ ظلم و ستم کے اس دور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے دریغ مال خرچ کر کے متعدد مظلوم غلاموں اور لونڈیوں کو ان کے سنگدل آقاؤں سے خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ ارباب سیر نے ایسے نو۹ افراد کے نام خصوصیت سے لیے ہیں جنھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ کرم نے فی سبیل اللہ نعمتِ آزادی سے بہرہ ور کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) **حضرت بلالؓ بن رباح** ——— حضرت بلالؓ بنو جمح کے ایک مشرک اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس ظالم نے ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ وہ انہیں دوپہر کے وقت مکّہ (حرّہ) کی تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے باز آجا اور لات اور عزّیٰ کے معبودِ برحق ہونے کا اقرار کرے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں وہ اَحَد اَحَد ہی کہے چلے جاتے۔ شقی القلب امیہ بکیس بلالؓ کے لیے ہر روز کوئی نیا عذاب تجویز کرتا۔ کبھی ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتا کبھی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی تاریک کوٹھڑی میں پھینک دیتا اور تازیانے رسید کرتا رہتا، کبھی ان کے گلے میں رسّی باندھ کر محلہ کے لونڈوں کے سپرد کر دیتا وہ ان کو مکّہ کی پہاڑیوں اور گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے، پھر انہیں توے کی طرح گرم ریت پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے۔ ایسے ہی اور سخت عذاب دے

دے کر ان کو اسلام سے روگردانی کے لیے کہا جاتا لیکن وہ اَحد اَحد ہی کہتے رہتے۔ حضرت ابُوبکرؓ کا گھر بنو جُمح کے محلے ہی میں تھا۔ وہ ہر روز شیدائے حق بلالؓ کو طرح طرح کی عقوبتوں میں مبتلا دیکھتے تو ان کو سخت دُکھ ہوتا، آخر ایک دن انہوں نے حضرت بلالؓ کو ایک معقول رقم کے عوض اُمیّہ سے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے ایک تنومند غلام اور چالیس اوقیہ چاندی کے بدلے میں حضرت بلالؓ کو خریدا اور آزاد کیا۔

(۲) **حضرت حمامہؓ** ——— حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں قبولِ حق کے جرم میں ان پر بھی ظلم ڈھائے جاتے تھے۔

(۳) **اُمِّ عُبَیسؓ** ——— یہ بنی زہرہ کی لونڈی تھیں اور اسود بن عبدِ یغوث ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا۔

(۴) **حضرت عامرؓ بن فُہَیرہ** ——— یہ حضرت عائشہؓ کے ماں جائے بھائی طفیل بن حارث کے غلام تھے۔ طفیل ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا اور مارتا پیٹتا رہتا تھا۔

(۵) **حضرت نہدیہؓ** اور
(۶) **ان کی بیٹی** ——— یہ دونوں بنی عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ یہ عورت ان پر بہت سختیاں کرتی تھی اور ان کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتی تھی۔

(۷) **حضرت ابوفکیہہ یسار ازدیؓ** ——— امیہ بن خلف اور اس کا بیٹا صفوان ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان کی پیٹھ پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔ کبھی کبھی ان کا گلا اس زور سے گھونٹتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔

(۸) حضرت لُبَینہؓ ـــــ بنی مؤمّل (بنو عدی کی ایک شاخ) کی لونڈی تھیں۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے زمانۂ کفر میں ان کو (قبولِ حق) کے جرم میں بہت مارا کرتے تھے۔

(۹) حضرت زِنّیرہؓ ـــــ بنو مخزوم کی لونڈی تھیں اور ابوجہل اُن کو سخت عذاب دیا کرتا تھا یہاں تک کہ اُن کی بینائی جاتی رہی اس پر ابوجہل نے ان کو طعنہ دیا کہ لات اور عُزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ انہوں نے مومنانہ شان کے ساتھ جواب دیا، ہرگز نہیں، لات اور عُزّیٰ کو تو اپنی خبر بھی نہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوجتا ہے اور کون نہیں پوجتا، ہاں میرا اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ میری بینائی مجھے واپس دے دے۔ چنانچہ وہ دوسرے روز اٹھیں تو اللہ نے ان کی آنکھیں روشن کر دی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی بینائی اس وقت گئی جب حضرت ابُوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔ کفار نے طعن وتشنیع کی لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔ ان کے صدقِ نیّت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ان کی بینائی بحال کر دی۔

علاّمہ ابنِ جریر طبریؒ اور ابنِ عساکرؒ نے عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ کے والد ابُوقحافہ نے اپنے فرزند کو غریب لونڈیوں اور غلاموں کی آزادی پر بے تحاشا روپیہ خرچ کرتے دیکھا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: ـــــ "بیٹا ایسے کمزور لوگوں کو آزاد کرانے کا کیا فائدہ؟ اگر تم چست اور تنومند غلاموں کو آزاد کراتے تو وہ تمہارے احسان مند رہتے اور مشکل وقت میں تمہارے کام آتے۔"

حضرت ابُوبکرؓ صدیقؓ نے فرمایا: ـــــ "ابّا جان میں کسی دنیاوی فائدے کے لیے ان کو آزاد نہیں کراتا میں تو اس کا وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے پاس ہے۔"

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابوبکرؓ بھی اپنے اثر و رسوخ اور ہر دلعزیزی کے باوجود کفّار کے دستِ تعدّی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کی تبلیغ سے حضرت طلحہؓ نے اسلام قبول کیا تو نوفل بن خویلد بن العدویّہ نے جو "قریش کا شیر" کہلاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو حضرت طلحہؓ کے ساتھ باندھ دیا اور اُن کے خاندان بنو تیم نے اُن کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے دُعا کی "الٰہی ابن العدویّہ کے شرّ سے ہمیں بچالے۔"

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ جب مشرکینِ قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کردیا ہے تو اُنھوں نے ان سے "اُشناق" کا منصب چھین لیا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پروا نہ کی اور برابر اپنے کام میں لگے رہے۔

اُسی زمانے میں ایک دن سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم طوافِ کعبہ کے لیے حرم کے اندر تشریف لے گئے۔ مشرکینِ قریش نے آپؐ کو دیکھا تو آتش زیرپا ہو گئے۔ ان شریروں نے حضورؐ کو گھیر لیا اور آپؐ پر دستِ تعدّی دراز کیا۔ کسی نے صدیقِ اکبرؓ سے جا کر کہا، "اَدْرِكْ صَاحِبَكَ"، "اپنے رفیق کی خبر لو۔"

وہ بے تابانہ دوڑے ہوئے آئے، اپنے آقا و مولاؐ پر مشرکینِ ناہنجار کو حملہ آور ہوتے دیکھا تو جلال میں آگئے اور غم و غصّہ سے ازخود رفتہ ہو کر مجمع کفّار میں گھس گئے، کسی کو مارتے کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے:

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ

(تم پر افسوس ہے کہ ایک ایسے شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔)

صدیقِ اکبرؓ کی مداخلت مشرکین کو سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے حضورؐ کو تو چھوڑ دیا اور سب ان پر پل پڑے۔ اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:۔ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامُ (اے عزت و جلال والے تیری بہت بابرکت ذات ہے)

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ کو گرا کر پاؤں سے روندا۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش میں بڑا متین اور بردبار سمجھا جاتا تھا وہ بھی اس قدر غصے میں آیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے چہرے پر اپنے سخت تلے والے جوتے سے پے بہ پے اتنی ضربیں لگائیں کہ ان کا سارا منہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی۔

ان کے اہل قبیلہ بنو تیم کو پتہ چلا تو وہ بھاگم بھاگ حرم پہنچے اور انہیں مشرکین کے پنجۂ ستم سے چھڑا کر گھر لے گئے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس سانحہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے تو ان کا یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال جھڑ جاتے گھر پہنچ کر بے ہوش ہو گئے۔ بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو سب سے پہلے جو الفاظ زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

اللہ رے عشقِ رسولؐ، خود موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں، لیکن سلامتی کی فکر ہے تو صرف اپنے آقا و مولاؐ کی۔

اُن کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر بنو تیم کے جو لوگ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، برافروختہ ہو کر طعنے دینے لگے کہ تم اس حالت میں بھی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ سے یہ کہہ کر چل دیئے کہ تم خود ہی ان کی خبرگیری اور تیمارداری کرو، اگر یہ کچھ کھانا پینا چاہیں تو کھلا پلا دینا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو اُمّ الخیرؓ نے بڑا اصرار کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کچھ کھائیں پئیں لیکن انہوں نے

نہ کچھ کھایا نہ پیا اور برابر یہی پوچھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔ اُمّ الخیر رضؓ (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں) ہر بار یہی جواب دیتیں کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے ساتھی کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ آپ فاطمہؓ بنت خطاب کے پاس جایئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھیے۔ حضرت اُمّ الخیرؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئیں اور ان کو بتایا کہ ابوبکرؓ سخت مجروح و نزار ہے اور اس نے تم سے محمدؐ بن عبداللہ کا حال پوچھا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ کے پاس لے چلو، وہ ان کو ساتھ لے کر گھر پہنچیں حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو ان کو بہت دُکھ ہوا اور بے اختیار اُن کی زبان پر یہ الفاظ آگئے :۔

"خدا کی قسم جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ بے شک کافر اور فاسق ہیں مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان سے آپ کا بدلہ لے گا۔"

پھر ان سے کچھ کھانے پینے کی التجا کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ اور یہ بھی کہ آپؐ اس وقت کہاں ہیں۔"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، "الحمد للہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بخیریت ہیں اور اس وقت دارِ ارقم میں ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لوں گا نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔"

رات کو حضرت ابوبکرؓ کے اصرار پر حضرت اُمّ الخیرؓ اور حضرت فاطمہؓ ان کو سہارا دے کر دارِ ارقم میں لے گئیں۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس حال میں دیکھا

تو آپؐ آبدیدہ ہو گئے اور جھک کر حضرت ابو بکرؓ کی پیشانی چوم لی۔ یہ دیکھ کر دوسرے مسلمانوں پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ حضرت فاطمہؓ تو پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں لیکن اُمّ الخیرؓ ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر قائم تھیں۔ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ میری مادرِ محسنہ کی ہدایت کے لیے دُعا فرمایئے۔

حضورؐ نے اسی وقت ان کے لیے دُعا کی اور وہ بھی شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئیں ——— اس واقعہ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت ابو بکرؓ کی وقعت پہلے سے بھی بہت بڑھ گئی اور وہ آپؐ کے خاص رازدار اور محبوب بن گئے۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضورؐ روزانہ دو مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ ہجرت تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔ بروایت حضرت عروہ بن زبیرؓ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دینِ اسلام پر پایا اور (مکہ معظمہ میں) ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ دو مرتبہ صبح اور شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نماز اور ذکرِ الٰہی سے بے حد شغف تھا وہ اس سوز و گداز سے نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے کہ قریش کے بیوی بچے متاثر ہو کر ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ اس سے قریش کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے متعلقین اپنے آبائی دین سے منحرف ہو کر اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھنے سے روکتے اور اذیت پہنچاتے۔



حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا عزم حبشہ

جب اہلِ حق پر کفّار کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو بعثت کے پانچویں اور چھٹے سال سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایما پر بہت سے مظلوم مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے جہاں ایک نیک دل بادشاہ حکمران تھا اُسی زمانے میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر براہِ یمن حبشہ کی راہ لی۔ جب وہ برکُ الغماد[1] پہنچے (جو مکّہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی راہ پر ہے) تو ان کی ملاقات قبیلۂ قارہ[2] کے سردار ابن الدّغِنہ (یا ابن الدُّغُنَّہ) سے ہوئی۔

اس نے حضرت ابُوبکرؓ سے پوچھا: —— "کہاں کا قصد ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "میری قوم مجھ کو اپنے وطن میں آرام سے نہیں رہنے دیتی۔ مکّہ کی سرزمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کر دی گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر عبادت میں مشغول رہوں۔"

---

[1] حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں اس مقام کا یہی نام لکھا ہے البتہ بعض دوسری کتابوں میں اس کا نام "بِرکُ الغِماد" اور "بَرکُ الغُماد" بھی تحریر ہے۔

[2] علامہ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ ابن الدّغِنہ "احابیش" کا سردار تھا۔ احابیش میں تین قبیلے بنو الحارث عبدِ مناۃ بن کنانہ، بنی الہُون بن خزیمہ بن مُدرکہ (یعنی قبائل قارہ اور دیش) اور بنو المُصطلِق۔ ان لوگوں نے اُحبُش نامی ایک وادی میں باہم دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا تھا۔ اس لیے احابیش کہلاتے تھے۔

ابن الدّغنہ نے کہا: "تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے خدا کی قسم تم تو معاشرے کی زینت ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہو، صلۂ رحمی کرتے ہو، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت اور دستگیری کرتے ہو، مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہو، غریبوں کو کما کر دیتے ہو، نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہو۔ واپس چلو، میں تم کو اپنی حمایت و جوار میں لیتا ہوں تم اپنے شہر ہی میں اپنے ربّ کی عبادت کرو۔"

پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مکہّ آیا اور اعلان کیا کہ میں نے ابو قحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے اب کوئی ان کو نہ ستائے ـــــ اس کے بعد وہ تمام عمائدِ قریش سے ملا اور کہا کہ تم پر افسوس ہے، ایک ایسے شریف اور نیک دل انسان کو شہر بدر کرتے ہو جو انتہا درجے کا مہمان نواز اور بے کسوں کا ملجا و ماوی ہے، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتا ہے اور رشتہ داروں کی مدد کرتا ہے۔

عمائدِ قریش نے کہا کہ ہم تمہاری امان کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر جس طرح جی چاہے اپنے ربّ کی عبادت کریں اور جو چاہیں پڑھیں لیکن بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں اور نہ گھر کے باہر پڑھیں کیونکہ اس طرح ہماری عورتیں اور بچّے فتنے میں پڑ جائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ ابن الدّغنہ کے اصرار پر گھر کے اندر ہی عبادت کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے گھر کے احاطے میں ایک مسجد بنالی۔ دل بڑا رقیق اور نرم پایا تھا۔ نماز پڑھتے یا قرآن کی قرأت کرتے تو ان کی پُرسوز آواز قریش کی عورتوں، بچوں اور نوجوانوں پر بہت اثر کرتی اور وہ قرآن سننے کے لیے ایک دوسرے پر لوٹے پڑتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ قرآن پڑھتے پڑھتے رونے لگتے آنسو رواں ہوتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں اور سننے والوں پر اس کا اور زیادہ اثر ہوتا۔

قریش کو یہ صورت حال دیکھ کر سخت تشویش پیدا ہوئی۔ انہوں نے ابن الدّغنہ کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابوبکرؓ کو اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر چھپ کر اپنے ربّ کی عبادت کریں لیکن انہوں نے اپنے گھر کے احاطے میں مسجد بنا کر علانیہ نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے، اس سے ہم کو ڈر ہے کہ ہمارے متعلقین گمراہ نہ ہو جائیں۔ ابوبکرؓ کو ایسا کرنے سے روکو ورنہ ان کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔

ابن الدّغنہ نے حضرت ابوبکر صدّیقؓ سے جا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت اور حمایت کا ذمہ لیا ہے اس لیے یا تو تم اس شرط کی پابندی کرو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی تھی اور میری پناہ کو توڑ ڈالا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے نہایت استغنا سے جواب دیا: "اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہ" یعنی تمہاری پناہ تم کو مبارک میں اپنے اللہ کی پناہ سے خوش ہوں۔"

ابن الدّغنہ نے قریش کے پاس جا کر کہہ دیا کہ ابوبکرؓ نے میرا ذمہ واپس کر دیا ہے اب تم جانو اور تمہارا آدمی۔

علّامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بعثتِ نبوی کے بعد سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صحن خانہ میں تعمیر کیا۔

۷ـــہ بعدِ بعثت میں مشرکین قریش نے ایکا کر کے بنو ہاشم (سوائے ابولہب اور اس کے اہلِ خانہ کے) اور بنو مُطّلِب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور ان کو کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ یہ محاصرہ ۱۰ـــہ بعدِ بعثت میں ختم ہوا۔ ان تین سالوں میں بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب نے ناقابلِ بیان مصیبتیں جھیلیں اکثر

ان کو درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑا۔ اگر کبھی ان کو غلے کی کچھ مقدار پہنچ بھی گئی تو یہ وہی تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ یا دوسرے جاں نثاروں نے چوری چھپے پہنچا دی۔ ۱۰ھ بعد بعثت میں یہ انسانیت سوز مقاطعہ ختم ہوا تو چند ماہ بعد جناب ابو طالب اور پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے وفات پائی۔ شفیق چچا اور غمگسار اہلیہ کی وفات سے حضورؐ کو سخت صدمہ پہنچا اسی لیے آپؐ اس سال (۱۰ھ نبوت) کو "عام الحزن" (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔

کفار کی مزید اذیت رسانیاں

جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ہمیشہ حضورؐ کے پشتیبان رہے۔ ان کی وفات کے بعد مشرکین قریش کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ آپؐ پر ظلم کرنے میں بہت دلیر ہو گئے۔ اسی سال حضورؐ تبلیغ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے اہل طائف آپؐ کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آئے جس کے نتیجے میں آپؐ زخمی ہو گئے۔ وہاں سے مکہ واپس آکر آپؐ نے معمول کے مطابق نہایت تندہی سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ مشرکین نے کئی بار حضورؐ پر دست تعدی دراز کیا اور آپؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ارباب سیر نے اس قسم کے چند واقعات کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت ابو بکر رضؓ حضورؐ کے آڑے آئے، خود مار کھائی لیکن حضورؐ کو چشم زخم نہیں پہنچنے دیا۔ اہل سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ واقعات کس زمانے میں پیش آئے۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعات ۶ھ سے ۱۰ھ نبوت کے درمیانی عرصے میں کسی وقت پیش آئے اور بعض کے خیال میں یہ واقعات قطعی طور پر جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی وفات کے بعد ۱۰ھ نبوت میں یا اس کے بعد پیش آئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ یکایک عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور اس نے آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر اسے بل دینا شروع کر دیا تاکہ گلا گھونٹ کر آپؐ

کو شہید کر ڈالے اتنے میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ آپہنچے انہوں نے دھکا دے کر عقبہ کو پیچھے ہٹایا اور قرآن کی آیت پڑھی :

اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ (۴۰ : ۲۸)

(کیا تم ایک آدمی کو محض اس بنا پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس اس دعویٰ پر تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں بھی لے کر آیا ہے) (بخاری)

مشرکین حضورؐ کو چھوڑ کر حضرت ابُوبکرؓ پر پل پڑے اور اُن کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ (ابنِ ہشام)

مُسندِ بزّار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گھیر لیا۔ وہ آپؐ کو گھسیٹتے اور دھکے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم ہی وہ شخص ہو جو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیتے ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو مشرکین کے مقابلہ کی ہمت نہ پڑی لیکن حضرت ابُوبکرؓ (مردانہ وار) آگے بڑھے، مشرکوں کو مارتے پیٹتے گراتے اور ہٹاتے رسول اللہؐ تک جا پہنچے اور آپؐ کو ان ظالموں کے نرغے سے نکال لیا، اس وقت بھی ان کی زبان پر وہی آیت جاری تھی جو اوپر کی روایت میں بیان ہوئی ہے۔ اب مشرکوں نے حضرت ابُوبکرؓ کو پکڑ لیا۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بہت سے بال نوچ ڈالے اور بُری طرح مجروح کر دیا۔

صحیح بخاری میں اسی قسم کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ مشرکین حضورؐ کی ریش مبارک اور سرِ اقدس کے بال نوچ رہے تھے کہ حضرت ابُوبکرؓ آپؐ کی حمایت کے لیے اٹھے۔ وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے کہ کیا تم ایک شخص

کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

حضورؐ نے ان سے فرمایا:۔ "اے ابوبکر انہیں چھوڑ دو! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان کی طرف ذبح کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔"

یہ سن کر سب مشرکین تتر بتر ہو گئے۔

ابن ہشامؒ اور ابن جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد الحرام میں قدم رکھا تو مشرکین قریش نے آپؐ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے "تم ہی ہمارے بتوں کی عیب گیری کرتے ہو اور ہمارے مذہب کو برا کہتے ہو۔" آپؐ نے فرمایا، ہاں میں ہی کہتا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص نے آپؐ کی ردائے مبارک کو گریبان کے پاس سے مٹھی میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ روتے ہوئے آگے بڑھے اور آپؐ کو کفار کے پنجۂ ستم سے چھڑایا، اس وقت بھی ان کی زبان پر یہی آیت تھی —— "کیا تم ایک آدمی کو محض اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔"

غرض حضرت ابوبکر صدیقؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کے لیے ہر وقت جان ہتھیلی پر رکھے رہتے تھے۔



رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم
کے ساتھ
تبلیغی دورے

دعوتِ عام کے حکم کے بعد مکّہ میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ آپؐ ہر سال عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں اور حج کے موقع پر منیٰ تشریف لے جاتے تھے جہاں عرب کے گوشے گوشے سے لوگ آکر جمع ہوتے تھے۔ حضورؐ ہر قبیلے کے پڑاؤ میں جا کر اس قبیلے کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، آپؐ کا یہ معمول ہجرتِ مدینہ تک جاری رہا۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان تبلیغی دوروں میں کئی بار حضورؐ کی معیّت کا شرف حاصل ہوا۔ امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ نے ایسے ہی ایک دورے کا حال اس طرح بیان کیا ہے:۔

"(دسویں سالِ نبوت کے موسمِ حج میں) رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مختلف قبائل کو دعوتِ توحید دیتے ہوئے ایک مجلس میں پہنچے جو بڑی باعظمت اور باوقار تھی اور اس میں چند ذی وجاہت اشخاص مصروفِ گفتگو تھے، حضرت ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو سلام کیا اور پھر پوچھا:

"اے بیت اللہ کے مہمانو! تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟"

جواب ملا: "ہم بنی شیبان بن ثعلبہ میں سے ہیں۔"

جواب دینے والا ایک قدآور اور وجیہ آدمی تھا اس کے سر پر سیاہ زلفیں تھیں جو دو حصوں میں منقسم اس کے سینے پر لہرا رہی تھیں۔

حضرت ابُو بکرؓ کو معاً کچھ یاد آ گیا۔ انہوں نے اس شخص سے پوچھا:
"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم مفروق بن عمرو ہو۔"
اس نے کہا۔ "تم نے خوب پہچانا بھائی، میں مفروق بن عمرو ہی ہوں اور یہ میرے ساتھ ہانی بن قبیصہ، نعمان بن شریک اور مثنٰی بن حارثہ ہیں۔"
حضرت ابُو بکرؓ تمام قبیلوں کے انساب سے واقف تھے مفروق کا جواب سن کر انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا:
"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ لوگ اپنے قبیلے کا خلاصہ ہیں اور ان سے بڑھ کر معزّز ان کی قوم میں کوئی نہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے مفصّل گفتگو کروں۔"
حضورؐ نے فرمایا، "ضرور"
اب حضرت ابُو بکرؓ پھر مفروق کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ نہایت فصیح البیان شخص تھا جواب دینے کے لیے سنبھل کر بیٹھ گیا۔
حضرت ابُو بکرؓ: "تمہارے قبیلے میں کتنے لوگ ہوں گے۔"
مفروق: "ہم لوگ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہیں اور ظاہر ہے یہ کوئی کم تعداد نہیں۔"
حضرت ابُو بکرؓ: "تم لوگ اپنی حفاظت کیسے کرتے ہو؟"
مفروق: "ہم اپنی حفاظت کے لیے ہمیشہ جدّوجہد کرتے رہتے ہیں لیکن ہر قوم کا مُقدّر بہر حال اس کے ساتھ ہوتا ہے۔"
حضرت ابُو بکرؓ: "تم اپنے دشمنوں سے کیسے لڑتے ہو؟"

مفروق : " جب ہم جنگ پر آ جاتے ہیں تو کچھ نہ پوچھو کہ ہمارے غیظ و غضب کا کیا عالم ہوتا ہے - اس وقت ہم جس طرح دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں یہ بھی بس ہم ہی جانتے ہیں ۔ ہم اپنے گھوڑوں کو اولاد سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور اپنے ہتھیاروں کو دودھ دینے والی اونٹنیوں پر ترجیح دیتے ہیں ۔ تاہم فتح و شکست تو بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے کبھی ہم فتح پاتے ہیں اور کبھی ہار بھی جاتے ہیں ۔"

اس کے بعد مفروق نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا : " شاید آپ لوگ قریش میں سے ہیں ؟"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ، " ہاں بھائی تمہارا قیافہ درست ہے تم نے سنا ہو گا کہ ہم میں اللہ کے رسول مبعوث ہوئے ہیں وہ (حضورؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ ہی ہیں ۔"

مفروق نے کہا : " ہاں ہم نے ان کے بارے میں سنا ہے " پھر وہ حضورؐ سے مخاطب ہو کر بولا : " اے قریشی بھائی آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں ؟"

حضورؐ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ پر اپنے کپڑے کا سایہ کر کے قریب کھڑے ہو گئے ۔ آپؐ نے فرمایا :

" میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے مددگار بنو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں لوگوں تک اللہ کے احکام بلا روک ٹوک پہنچا سکوں ۔ قریش نے اللہ کے کام کو

روکنے کے لیے ایکا کرلیا ہے۔ اللہ کے رسول کو جھٹلایا ہے باطل پر اڑ گئے ہیں اور اللہ بے شک تمام باتوں سے بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔"

مفروق نے پوچھا: —— "آپ اور کس کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔"

اس کے جواب میں حضورؐ نے قرآن حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی جن کو سنتے ہی مفروق بے اختیار پکار اٹھا:

"اے قریشی بھائی خدا کی قسم آپ کی دعوت سراسر بھلائی ہے اس قوم نے جھوٹ بولا اور زیادتی کی جس نے آپ کو جھٹلایا۔"

ہانی بن قبیصہ اور مثنّیٰ بن حارثہ نے بھی مفروق کی تائید کی لیکن دعوت توحید کو مکمل طور پر قبول کرنے میں اس بناء پر معذرت کی کہ ہم ایران کے پڑوس میں آباد ہیں ہو سکتا ہے کہ کسریٰ کو ہمارا قبول اسلام ناگوار گزرے اور وہ ہمیں کچل ڈالے۔ اس کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہاں عرب کے قرب جوار کے حاکموں کے مقابلے پر ہم آپ کی اعانت کر سکتے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "شیبانی بھائیو! تمہارے جواب میں کوئی برائی نہیں لیکن کسریٰ اور اسلام کی اطاعت بیک وقت ممکن نہیں۔ اللہ کے دین کو لے کر وہی کھڑا ہو سکتا ہے جو چاروں طرف سے اس کی حفاظت پر کمربستہ ہو۔ جزوی اعانت اسلام کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی۔" یہ فرما کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر آگے روانہ ہو گئے۔

حضرت صدیق رضؓ کی شانِ تصدیق

۲۷ رجب ۱۲ سنہ بعد بعثت کو سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معراج ہوئی یہ آپؐ کی سیرت طیبہ کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ معظمہ) سے بیت المقدس لے گیا۔ پھر وہاں سے آپؐ کو عالمِ بالا میں بُلا کر آسمانوں کی سیر کرائی، جنت، دوزخ کا مشاہدہ کرایا اور دوسرے بے شمار عجائبات دکھائے۔ اس کے بعد اسی رات کو بیت المقدس کے راستے آپؐ کو واپس مکہ پہنچا دیا۔ صبح کو آپؐ نے یہ واقعہ ابوجہل اور دوسرے مشرکین کے سامنے بیان کیا تو وہ آپؐ کا تمسخر اڑانے لگے اور آپؐ کو (نعوذباللہ) دیوانہ ٹھہرایا۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان کو بتایا کہ تمہارے دوست محمدؐ یہ اور یہ باتیں کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، اگر واقعی محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہوگا۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے حضورؐ اس وقت حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ارد گرد تمسخر اڑانے والے بہت سے مشرکین بھی موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے پوچھا، کیا واقعی آپؐ نے ایسا فرمایا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا۔ "ہاں"۔ کفّار کا منہ بند کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ بیت المقدس کا نقشہ بیان کریں۔ یہ درخواست اُنہوں نے اس لیے کی کہ سب کو معلوم تھا کہ حضورؐ اس سے پہلے کبھی بیت المقدس نہیں گئے تھے اس لیے جب آپؐ لوگوں کے سامنے بیت المقدس

کا صحیح نقشہ بیان کر دیں گے تو سب جھٹلانے والوں کے منہ بند ہو جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ سے بیت المقدس کا نقشہ بیان کرنے کے لیے مطعم بن عدی یا کسی اور مشرک نے اس خیال سے کہا کہ آپؐ ایسا نہ کر سکیں گے۔ حضورؐ نے فوراً بیت المقدس کا نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک چیز اس طرح بیان کی گویا بیت المقدس آپؐ کے سامنے ہے۔ مشرکین میں سے بہت سے آدمیوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا جب حضورؐ نے اس کا نقشہ بالکل صحیح بیان کیا تو سب کی زبانیں بند ہو گئیں اور وہ شرمندہ ہو کر چل دیئے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ مصاہرت

اُسی زمانے میں حُضورؐ کی خواہش پر حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے اپنی لختِ جگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ اس سے پہلے وہ حضورؐ کے دینی بھائی اور جگری دوست تھے اب آپؐ کے خُسر بھی بن گئے۔



ہجرت مدینہ

سنہ ۱۱ نبوت کے موسم حج میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبیلوں کو دعوتِ حق دیتے ہوئے منیٰ کی طرف جانکلے وہاں عقبہ کی گھاٹی میں آپؐ کی ملاقات شہر یثرب کے چھ سعید الفطرت آدمیوں سے ہوئی آپؐ نے ان کو دعوت توحید دی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہو کر وطن واپس گئے۔ اگلے سال یثرب سے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے اور عقبہ ہی کے مقام پر آپؐ کی بیعت کی۔ آپؐ نے ان لوگوں کی خواہش پر حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کو تبلیغ اسلام کے لیے یثرب بھیجا۔ حضرت مصعبؓ کی مساعی سے یثرب کے دونوں بڑے قبائل اوس اور خزرج کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔ سنہ ۱۳ نبوت میں یثرب سے ۷۵ اہلِ ایمان حج کے قافلے میں شامل ہو کر مکہ آئے۔ حضورؐ نے رات کو عقبہ کی گھاٹی میں ان سے رازداری کے ساتھ ملاقات کی[1] انہوں نے آپؐ کی بیعت کی اور آپؐ کو دعوت دی کہ آپؐ ہمارے پاس یثرب

---

[1] جمہور اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضورؐ انصار سے گفتگو کے لیے حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ لے گئے البتہ علامہ مقریزیؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو عقبہ کی گھاٹی کے ایک سرے پر اور حضرت علیؓ کو دوسرے سرے پر کھڑا کر دیا تاکہ وہ گرد وپیش پر نظر رکھیں۔

(امتاع الاسماع)

آجائیں ہم مرتے دم تک آپؐ کی حفاظت اور مدد کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر میرا مرنا جینا بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ اس بعیت کو بعیت عَقَبۂ کبیرہ یا بعیت لیلۃ العَقَبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے مکّے کے مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ چند ایک کے سوا سب مسلمان اڑھائی مہینوں کے اندر اندر مکّہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے گئے۔ اسی زمانے میں حضرت ابُوبکرؓ نے چند مرتبہ یثرب کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر مرتبہ ان سے فرمایا، "جلدی نہ کرو شاید اللہ تمھیں ایک ساتھی عطا کر دے۔" حضرت ابُوبکرؓ نے اپنی فراستِ ایمانی سے سمجھ لیا کہ وہ ساتھی حضورؐ خود ہوں گے۔ (ابنِ ہِشام و طَبری)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ نے حضورؐ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا: "ابھی یہیں ٹھہرو کیونکہ مجھے امید ہے کہ اللہ مجھ کو بھی ہجرت کی اجازت دے دے گا۔" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا ـــ "میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ فرمایا، "ہاں"۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جبریلؑ سے پوچھا، ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا۔ انھوں نے کہا "ابُوبکرؓ"

علامہ طَبَریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ نے سفرِ ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں خریدی تھیں جب انھیں یہ امید ہو گئی کہ اس سفر میں انھیں حضُورؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا تو انھوں نے ان اونٹنیوں کو خوب کھلا پلا کر تیار کر لیا۔

اُدھر مشرکینِ قریش مسلمانوں کو یثرب کی جائے امن کی طرف ہجرت کرتے

دیکھ کر آتش زیر پا ہو گئے۔ ان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یثرب چلے گئے تو مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہو جائے گی۔ اس خطرے کے تدارک کی تدبیر سوچنے کے لیے تمام اکابرِ قریش ایک دن دارالندوہ میں جمع ہوئے اور بڑی بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا کہ فلاں رات کو ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی جمع ہو اور سب مل کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات کو کافروں نے آپؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جبریلؑ نے آپؐ کو یہ بھی بتا دیا کہ قریش نے آج رات آپؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اس لیے آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ یہ خبر پاکر اسی دن دوپہر کے وقت چہرۂ مبارک پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضورؐ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح یا شام کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس دن خلافِ معمول دوپہر (ظہر) کے وقت تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو دیکھ کر معاً فرمایا — "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں ضرور کوئی بات ہے کہ آپؐ اس وقت تشریف لائے ہیں۔" پھر آپؐ نے حسبِ معمول اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت پاکر اندر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تعظیم بجا کر بڑے احترام کے ساتھ ایک چوبی تخت پر بٹھایا۔ آپؐ نے فرمایا "اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو۔" اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیاں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ وہاں موجود تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ یہ آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں (بروایتِ دیگر "یہاں صرف

میری بیٹیاں ہیں کوئی جاسوس نہیں ہے۔") حضورؐ نے فرمایا "مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے اور میں آج ہی رات یثرب کے لیے روانہ ہونے والا ہوں۔" حضرت ابوبکرؓ نے بے ساختہ عرض کیا:۔

وَالصُّحْبَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

(اور میری رفاقت یا رسول اللہ؟)

آپؐ نے فرمایا، "آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اُس دن مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص جوشِ مسرت میں بھی روتا ہے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں نے دو اونٹنیاں آج ہی کے دن کے لیے تیار کی ہیں ان میں سے ایک آپ لے لیں۔"

آپؐ نے فرمایا: "مگر قیمت دے کر لوں گا۔" حضرت ابوبکرؓ نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ خم کر دیا۔ اس کے بعد رسولِ اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے بنی الدیل کے ایک شخص عبداللہ بن اُریقط کو اجرت پر راہ نمائی کے لیے مقرر کیا اور یہ کہہ کر دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں کہ جس وقت اور جہاں ہم بلائیں انہیں لے کر فوراً اس جگہ پہنچ جانا۔ عبداللہ بن اُریقط اگرچہ غیر مسلم تھا لیکن نہایت بااعتماد شخص تھا اور مختلف راستوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔

اس کے بعد حضورؐ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔ رات ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ فرما کر اپنے بستر پر سُلا دیا کہ تم میرے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے بعد میں یثرب آجانا۔ اس وقت کافروں نے کاشانۂ اقدس کو گھیر رکھا تھا۔ اللہ نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپؐ

سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی پابرکاب تھے۔ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ نے جلدی جلدی دونوں مسافروں کے لیے سامان سفر تیار کیا۔ حضرت اسماءؓ کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک سے توشہ دان کا منہ باندھا اور دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا دہانہ۔ اس خدمت کی بدولت انہوں نے دربار رسالت سے "ذات النطاقین" کا خطاب پایا (نطاق عربی میں کمر بند کو کہتے ہیں)۔ صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنا نطاق پھاڑنے کا حکم دیا۔[1]

پھر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ دن اہل مکہ میں گزارو اور رات کو ہمارے پاس آکر دن بھر کی خبریں سنا دیا کرو۔ ساتھ ہی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا کہ معمول کے مطابق سارا دن ہماری بکریاں چراتے رہو اور رات گئے ہمارے پاس آکر بکریوں کا دودھ دے دیا کرو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا اپنے

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ نطاق پھاڑنے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضورؐ غار ثور سے چلنے لگے۔ حضرت اسماءؓ وہاں کھانا وغیرہ ایک تھیلے میں لے کر پہنچ گئیں۔ مگر اس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانا بھول گئیں۔ انہوں نے اپنا نطاق کھول کر اسے پھاڑا، ایک حصے سے توشہ باندھ کر کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور اپنی کمر باندھنے کے لیے دوسرے حصے پر اکتفا کیا۔

ساتھ لیا[1] اور حضورؐ کی ہمرکابی میں مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کبھی حضورؐ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے۔ حضورؐ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ جب دل میں یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دشمن کمین گاہ سے نہ نکل آئے تو آپؐ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی دشمن تعاقب میں نہ آ رہا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "تمہارا مدعا یہ ہے کہ کوئی مصیبت آئے تو میرے بجائے تم پر آئے۔"

انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں یا رسول اللہ"

طبری کا بیان ہے کہ رات کی تاریکی میں پتھریلی زمین پر چلنے اور ٹھوکریں کھانے سے دونوں مقدس مسافروں کے پاؤں زخمی ہو گئے خصوصاً حضورؐ کے پائے مبارک کا انگوٹھا بہت زخمی ہو گیا اور آپؐ کی پاپوش مبارک خون سے بھر گئی۔

امام بیہقیؒ نے "دلائل" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ خود بھی زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ حضورؐ کی تکلیف کو نہ دیکھ سکے اور آپؐ کو اپنے شانۂ مبارک پر بٹھا لیا اور اسی طرح چلتے ہوئے "جبلِ ثور" تک پہنچے جو مکّہ سے جنوب کی طرف تین میل دور ہے۔

غارِ ثور میں ورود

اس پہاڑ میں ایک پرانا غار تھا حضورؐ نے پناہ لینے کے لیے اس غار کو موزوں سمجھا اور اس میں داخل ہونے

---

[1] حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت اسلام قبول کیا ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے لیکن انہوں نے اس کا بیشتر حصہ مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا۔

کا قصد فرمایا۔ اس وقت حضرت ابُو بکرؓ نے آپؐ کو قسم دے کر گزارش کی :

"یا رسُولَ اللہؐ پہلے مجھے غار میں داخل ہونے دیجئے تاکہ میں اسے آپ کے لیے صاف اور محفوظ کر دوں ۔"

چنانچہ اندر جا کر وہ غار کو صاف کرنے لگے جہاں کوئی سوراخ یا بِل نظر آتا اس کو اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر بند کر دیتے۔ طبرانیؒ نے حضرت اسماءؓ سے اور بزّارؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ غار میں ایک بِل باقی رہ گیا اس کو بند کرنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی تو حضرت ابُو بکرؓ نے اس پر اپنی ایڑی جما دی تاکہ کوئی موذی جانور اس سے نکل کر حضورؐ کو گزند نہ پہنچائے۔ پھر انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیے۔ حضورؐ غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابُو بکرؓ کی گود میں سر رکھ کر استراحت فرمانے لگے۔ جس سوراخ کے آگے حضرت ابُو بکرؓ نے اپنی ایڑی جما رکھی تھی وہ ایک زہریلے سانپ کا مسکن تھا۔ اس نے حضرت ابُو بکرؓ کی ایڑی کو کاٹ کھایا۔ درد کی شدّت سے حضرت ابُو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے جسم میں ذرا بھی جنبش نہ آنے دی کہ مبادا حضورؐ جاگ اٹھیں۔ اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ حضورؐ کے رخسارِ مبارک پر پڑا تو آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ اپنے جاں نثار ساتھی کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ کر پوچھا : "ابُو بکر کیا ہوا ؟" عرض کی :۔ "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا۔"

آپؐ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، جس سے آناً فاناً زہر کا اثر دور ہو گیا۔

(زرقانی ۔ مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

غارِ ثور میں نازک ترین لمحہ

کفّارِ مکّہ نے جب حضورؐ کو اپنے بستر پر نہ پایا تو اُن کو فوراً خیال آیا کہ آپؐ عازمِ مدینہ ہو گئے ہیں۔ مدینہ مکّہ سے شمال کی جانب شام کے راستے پر واقع ہے اس لیے پہلے انہوں نے شمالی پہاڑوں اور راستوں کی طرف اپنے آدمی دوڑائے تاکہ آپؐ کو پکڑ لائیں لیکن جب وہ ناکام واپس آئے تو کفّار نے تلاش کا رُخ جنوب کی طرف پھیرا اور دو ماہر کھوجیوں کی مدد سے سراغ لگاتے ہوئے غارِ ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں انہوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے[1] ایک کھوجی کُرز بن علقمہ خزاعی نے کہا، یہاں سے آگے پتہ نہیں چلتا۔ اس پر ایک مشرک نے کہا کہ کیوں نہ غار کے اندر چل کر بھی دیکھ لیا جائے مگر اُمیہ بن خلف نے کہا:

"اس سے کیا حاصل ہوگا، یہ جالا تو محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"

جس وقت کفّار غار کے منہ پر کھڑے آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے بے تاب ہو کر حضورؐ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدموں کے نیچے کی طرف پڑ گئی تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔"

حضورؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:

"اے اُبوبکر خاموشی سے دیکھتے رہو۔ تمہارا کیا خیال ہے ان دو

---

[1] بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگلی کبوتر کے ایک جوڑے نے غار کے منہ کے اندر کی جانب گھونسلا بنا لیا تھا اور انڈے دے کر ان کو سینا شروع کر دیا تھا۔

آدمیوں کے متعلق جن میں تیسرا اللہ ہے۔" (صحیح بخاری کتاب المناقب)

بعض دوسری روایات میں ہے کہ جس وقت کفار غار کے دہانے پر کھڑے تھے حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کافروں کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے۔ حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے روتے ہوئے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں مشرکین آپؐ کی تلاش میں ہمارے سر پر آپہنچے ہیں خدا کی قسم میں اپنے لیے نہیں روتا بلکہ اس ڈر سے روتا ہوں کہ کہیں میری آنکھوں کے سامنے آپؐ کو کوئی ضرر نہ پہنچ جائے۔"

امام سہیلیؒ نے "روض الانف" میں حضرت ابوبکرؓ سے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں:

"یارسول اللہؐ اگر میں مارا جاؤں تو اس کا اثر میری ذات تک یا میرے گھر والوں تک محدود رہے گا لیکن اگر خدانخواستہ آپؐ پر کوئی آنچ آئی تو ساری اُمت تباہ ہو جائے گی اور دنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی مشکل ہی سے باقی رہ سکے گا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" (غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے)

"فتح الباری" میں طبرانی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ تلاش کرنے والوں میں سے ایک شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غار کے اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! وہ شخص سامنے کھڑے ہو کر بڑی متجسس نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ فرشتوں نے اپنے پروں سے ہمیں ان لوگوں سے اوجھل کر رکھا ہے۔"

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ بے نیلِ مرام غار کے منہ سے واپس چلے گئے۔

قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (التوبہ - ۴۰)

ترجمہ "اگر تم اس کی (یعنی اللہ کے نبیؐ کی) مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب اسے کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں کا ایک تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اس آیۂ کریمہ کی رو سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "ثانی اثنین" اور "صاحبِ رسولؐ" کے مہتم بالشان لقب مرحمت ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل خانہ پر کیا بیتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد

کفار نے حضرت علیؓ کو آپؐ کے بستر پر سوتے پایا تو ان کو پکڑ لیا اور بڑی سختی کے ساتھ ان سے حضورؐ کے بارے میں پوچھا لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ پھر ابوجہل چند آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچا اور دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا

" مجھے خبر نہیں۔" اس پر ابوجہل نے انہیں اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری۔ پھر وہ اور اس کے ساتھی بکتے جھکتے وہاں سے چلے گئے۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ ہمارے والد سفرِ ہجرت پر روانہ ہوتے وقت اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں ہمارے دادا ابو قحافہ نے جو نابینا تھے، ہم سے کہا، میرا خیال ہے ابوبکر اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے میں نے کہا، نہیں باباجان انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے پھر میں نے چند پتھر اس طاق میں رکھے جہاں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ میں نے ان پتھروں پر کپڑا ڈال دیا اور داداجان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کپڑے کو ٹٹولا اور کہا اگر یہ مال وہ تمہارے لیے چھوڑ گیا ہے تو بہت ہے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ہمارے والد نے کوئی مال پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور میں نے صرف داداجان کے اطمینان کے لیے یہ کارروائی کی تھی۔ (طبری۔ ابنِ ہشام)

غارِ ثور سے روانگی

غارِ ثور میں تین شب و روز قیام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا سفر شروع کرنے کا قصد فرمایا۔ اس دوران میں حضرت عامرؓ بن فہیرہ روزانہ بکریاں چراتے چراتے شام کو غار کے منہ پر آجاتے اور دودھ دوہ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پلا آتے۔ (صحیح بخاری، تفسیر درمنثور)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ روزانہ رات کو تازہ کھانا پہنچا دیتی تھیں۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ پدرِ گرامی کے حکم کے مطابق

رات کو غار میں پہنچ کر دن بھر کی خبریں حضورؐ کو سناتے اور رات غار ہی میں بسر کر کے فجر ہونے سے پہلے پہلے مکہ واپس آجاتے۔ تیسری رات کے آخری حصہ میں عبداللہ بن اُرَیقِط حسبِ ہدایت اُن دونوں اونٹنیوں کو لے کر غارِ ثور پر پہنچ گیا جو اس کے حوالے کی گئی تھیں۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی اپنی بکریاں چھوڑ چھاڑ حضورؐ کی ہم رکابی کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ اس کے بعد یہ مقدس قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور دوسری پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ۔ آگے آگے عبداللہ بن اُرَیقِط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اونٹنی پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ سوار تھے اور دوسری پر حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور عبداللہ بن اُرَیقِط۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ عبداللہ بن اُرَیقِط نے عام راستہ چھوڑ کر بالا بالا ساحلِ بحر کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت ابوبکرؓ تجارت کے سلسلے میں اکثر سفر کرتے رہتے تھے، اس لیے عرب کے بہت سے علاقوں کے لوگ ان کے صورت آشنا تھے۔ راستے میں بعض لوگ ان کو دیکھ کر پہچان لیتے اور پوچھتے، "یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟" حضرت ابوبکرؓ جواب دیتے

"هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِينِي السَّبِيلَ"

(یہ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھا رہے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ ہم دوسرے دن دوپہر تک سفر کرتے رہے۔ جب گرمی تیز ہوگئی تو میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں سایہ ہے یا نہیں۔ مجھے ایک لمبی چٹان نظر آئی جس کے نیچے سایہ تھا۔ ہم اس چٹان کے قریب ٹھہر

گئے۔ پھر میں نے چٹان کے نیچے جاکر دونوں ہاتھوں سے جگہ صاف کی اور اپنی پوستین بچھاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ آپ ذرا آرام فرما لیں۔ آپؐ استراحت فرمانے لگے اور میں ہر طرف دیکھتا رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ اتنے میں ایک لڑکا بکریاں چراتا ہوا ادھر آنکلا۔ میں نے اس سے کہا، کیا تم ہمارے لیے دودھ دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا، "ہاں"۔ میں نے ایک بکری کے تھن اور اس لڑکے کے ہاتھ صاف کرا کے لکڑی کے ایک پیالے میں دودھ نکلوایا پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر اسے ٹھنڈا کیا اور (جب حضورؐ بیدار ہوئے) آپؐ کو پلایا۔

سراقہؓ کا واقعہ

دوسری طرف جب اکابرِ قریش حضورؐ کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ — جو شخص محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور ابوبکرؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کو قتل کر دے یا زندہ گرفتار کر کے ان کے پاس پہنچا دے اُسے ان میں سے ہر ایک کی پوری دیت (یعنی سو سو اونٹ) بطور انعام دی جائے گی۔ اس سلسلے میں انہوں نے قُدَید کے قریب آباد ایک قبیلے بنو مُدلج کے رئیس سُراقہ بن مالک کے پاس بھی پیغام بھیجا کہ وہ ان دونوں کو تلاش کر کے انعام حاصل کریں۔ یہ پیغام ملنے کے بعد ایک دن سُراقہ بنو مُدلج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے ان سے آکر کہا کہ میں نے ابھی سمندر کے ساحل کے ساتھ کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور ان کے ساتھی ہیں۔

سُراقہؓ سمجھ گئے کہ اس شخص کا قیاس صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو ٹال دیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر مجلس میں ٹھہرنے کے بعد گھر گئے، ہتھیار باندھے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر کی پچھلی جانب سے خاموشی کے ساتھ ساحلِ بحر کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ رازداری انہوں نے اس لیے برتی کہ کہیں انعام میں ان کے قبیلے کے دوسرے لوگ بھی شریک نہ ہو جائیں۔ وہ بستی سے نکل کر گھوڑا اڑاتے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قافلے کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو متجسسانہ نگاہوں سے بار بار ہر طرف مڑ کر دیکھتے جا رہے تھے، سراقہ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے مضطرب ہو کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کی: "یا رسول اللہ ہمارا تعاقب کرنے والا بہت قریب آگیا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا: "کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارا محافظ ہے۔" اتنے میں یکایک سراقہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر گئے۔ سراقہ اٹھ کر دوبارہ سوار ہوئے اور حضورؐ کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ آپؐ کی قرأت سنائی دینے لگی۔ حضورؐ کسی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے جب حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو بتایا کہ دشمن سر پر آ پہنچا تو آپؐ نے دعا کی:۔

"الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔"

معاً سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ گھوڑا پاؤں باہر نکالے لیکن کامیاب نہ ہوئے، آخر نا امید ہو کر انہوں نے پکار کر امان طلب کی اور کہا کہ "میں سراقہ بن جعشم ہوں آپ مجھے موقع دیں کہ میں آپ سے بات کروں۔ خدا کی قسم میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا نہ کوئی ایسی بات کروں گا جو آپ کو ناگوار ہو۔" اب حضورؐ نے دعا کی تو گھوڑے کے پاؤں زمین سے باہر نکل آئے۔ سراقہؓ نے قریب پہنچ کر حضورؐ کو بتایا کہ قریشِ مکہ نے آپؐ کے لیے دیت کا اعلان کیا ہے اور لوگ انعام حاصل کرنے کی خاطر آپؐ کی جستجو کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے زادِ راہ اور سامان کی پیشکش کی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سراقہ نے ایک تیر آپؐ کے سامنے کر کے کہا کہ یہ میری نشانی ہے اسے لیتے جائیے فلاں مقام پر میرے غلام میرے اونٹ چرا

رہے ہوں گے ان میں سے جتنے غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو لے لیجئے، مگر حضورؐ نے کوئی چیز قبول نہ کی البتہ سراقہ سے فرمایا کہ ہماری اطلاع کسی کو نہ دینا۔ سراقہ نے اس کا وعدہ کیا اور درخواست کی کہ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجئے۔

حضورؐ نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ (بروایتِ دیگر حضرت ابوبکرؓ) کو حکم دیا کہ یہ جو چاہتا ہے اس کو لکھ دو، اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر سراقہ کو دے دیا۔ اب سراقہ نے مراجعت کی۔ راستہ میں جو شخص بھی ان کو حضورؐ کے تعاقب میں آتے ہوئے ملا اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے اطمینان کر لیا ہے وہ ادھر نہیں ہیں[1]۔

---

[1] حضرت سراقہؓ بن مالک بن جعشمؓ کا شمار مشہور صحابہ میں ہوتا ہے۔ ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور حضورؐ حنینؔ اور طائف کے غزوات سے فارغ ہوئے تو سراقہؓ جعرانہ کے مقام پر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ کا عطا کردہ امان نامہ پیش کر کے عرض کیا:

"میں سُراقہ بن جعشمؓ ہوں اور یہ آپ کی دی ہوئی تحریر ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا "آج وفائے عہد اور ادائے حق کا دن ہے۔" حضرت سراقہؓ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے حضرت سراقہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔" اس واقعہ کے چند سال بعد عہدِ فاروقی میں ایران کا دارالحکومت مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس شاہِ ایران کے کنگن اور اس کا تاج اور کمر پٹہ لایا گیا تو انہوں نے حضرت سراقہؓ کو بلا کر یہ چیزیں ان کو پہنائیں اور فرمایا "اے سراقہ اس اللہ کی حمد کر جس نے یہ چیزیں کسریٰ سے چھین لیں جو لوگوں کا ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور انہیں بنو مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہؓ نے ۲۴ سنہ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت عثمان ذوالنورینؓ وفات پائی۔

اُمِّ معبدؓ کے خیمے پر قیام

قُدَیدہی کے علاقہ سے گزرتے ہوئے یہ قافلہ بنی خزاعہ کی ایک خاتون اُمِّ معبد عاتکہ بنت خالد کے خیمے پر پہنچا۔ یہ خاتون مسافروں کی خبر گیری اور خدمت و تواضع میں مشہور تھی۔ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے پاس کھانا ختم ہو چکا تھا اور سب کو بھوک پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمِّ معبد کی شہرت سن رکھی تھی اور انہیں یقین تھا کہ اس کی قیام گاہ پر کھانے پینے کا انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مقدّس قافلہ اُمِّ مَعبَد کے خیمے پر رک گیا۔ حضورؐ نے اُمِّ معبد سے فرمایا، "دودھ، گوشت، کھجوریں یا کھانے کی کوئی بھی چیز تمہارے پاس ہو تو ہمیں دو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔"

ان دنوں خشک سالی نے سارے علاقے پر قیامت ڈھا رکھی تھی اور اُمِّ معبد کا گھرانا بھی سخت تنگی ترشی سے گزارہ کر رہا تھا۔ اُمِّ مَعبَد نے بصد حسرت جواب دیا:

"خدا کی قسم اس وقت کوئی چیز میرے گھر میں آپ کو پیش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔"

اتنے میں حضورؐ نے ایک مریل بکری کو دیکھا جو خیمے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا، "معبد کی ماں اگر اجازت ہو تو اس بکری کا دودھ دوہ لیں"

اُمِّ مَعبَد نے کہا، "اگر یہ دودھ دیتی تو میں خود ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ دودھ تو کجا یہ بیچاری اتنی کمزور ہے کہ چرنے کے لیے جنگل بھی نہیں جا سکتی۔"

آپؐ نے فرمایا: "جیسی بھی ہو تم دوہنے کی اجازت دو۔"

اُمِّ مَعبَد نے کہا: "آپ شوق سے دوہ لیں مگر یہ دودھ نہیں دے گی۔"

حضورؐ نے بسم اللہ پڑھ کر بکری کے تھنوں کو چھوا، تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہو گئی۔ آپؐ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک

بڑا مٹکا دودھ سے بھر گیا۔ آپؐ نے پہلے یہ دودھ اُمِّ معبد کو پلایا جب وہ سیر ہو گئیں تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا جب وہ بھی سیر ہو گئے تو آخر میں آپؐ نے خود پیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے دودھ دوبارہ دوہنا شروع کیا اور اس مٹکے کو دوبارہ دودھ سے بھر کر اُمِّ مَعبدؓ کے حوالے کیا پھر آپؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے روانہ ہوئے۔

حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے ملاقات

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے حضرت زبیرؓ بن العوّام بغرضِ تجارت ملکِ شام گئے ہوئے تھے۔ وہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت اُبوبکرؓ کے داماد (حضرت اسماءؓ بنتِ اُبوبکرؓ کے شوہر) تھے۔ وہ مالِ تجارت لے کر شام سے مکّہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ راستے میں حُضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت اُبوبکرؓ کی خدمت میں سفید کپڑے پیش کیے جو انہوں نے بخوشی قبول فرما لیے۔ (صحیح بخاری)

علّامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُبوبکرؓ کے ابنِ عمّ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی بھی اس زمانے میں شام گئے ہوئے تھے۔ شام سے مراجعت کے وقت ان کو بھی راستے میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت اُبوبکرؓ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے بھی دونوں مقدّس ہستیوں کی خدمت میں کچھ شامی ملبوسات پیش کیے اور حضورؐ کو بتایا کہ اہلِ یثرب آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

قُبا میں وُرود

یثرب کے مسلمانوں کو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مکّہ چھوڑنے کی خبر معلوم ہو چکی تھی وہ روزانہ تڑکے اٹھ کر

مدینہ میں داخلہ

قُبا میں چند دن قیام فرمانے کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب جانے کا قصد فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ اونٹنی پر سوار ہوئے تو حضرت ابُوبکر صدیقؓ آپؐ کے ردیف بنے (اونٹنی پر آپؐ کے پیچھے بیٹھے)۔ بنو سالم کے محلے میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد آپؐ یثرب میں داخل ہوئے تو انصار نے والہانہ جوش وخروش سے آپؐ کا استقبال کیا۔ حضورؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے۔ شہر کے درودیوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے اور یہ "مَدِیْنَۃُ النَّبِیؐ" بن گیا۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے بنی حارث بن خزرج کے محلے سُنح میں خزرج کے خاندان اغر کے رئیس حضرت خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر کے ہاں قیام کیا[1]۔ کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اپنے اہل وعیال اور متعلّقین کو لانے کے لیے مکّہ بھیجا تو حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اُریقط کو اپنے بیٹے عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی والدہ اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، حضورؐ کی دو صاحبزادیوں حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کو اور اپنی اہلیہ حضرت اُمِّ ایمنؓ اور بیٹے

---

[1] بنو حارث بن خزرج عوالی میں رہتے تھے اور ان کی بستی کا نام سُنح تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ اوّل اوّل حضرت خبیبؓ بن اساف کے مکان میں فروکش ہوئے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلے میں حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے مکان پر قیام کیا۔ (طبقات ابنِ سعد ــــ مُسندِ ابوداؤد)

حضرت اُسامہؓ کو لے کر آئے۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ انہی لوگوں کے ساتھ حضرت اُمِّ رومانؓ، حضرت اسماءؓ، اور حضرت عائشہؓ کو لے کر مدینہ پہنچے۔[1]

شروع شروع میں مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کو موافق نہ آئی اور بہت سے اصحاب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابُوبکرؓ کو اتنا شدید بخار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ رہی، اس وقت وہ یہ شعر پڑھتے تھے:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

(ہر آدمی اس حالت میں اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پدرِ گرامی کی یہ حالت دیکھ کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی۔ آپؐ نے اسی وقت دعا کی:

"الٰہی تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر، اس کو بیماریوں سے پاک فرما، اس کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کے (وبائی) بخار کو حجفہ میں منتقل کر دے۔"

محبوب ربّ العالمینؐ کی دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچی، حضرت ابُوبکر صدیقؓ بسترِ علالت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوشگوار ہو گئی۔

---

[1] حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شوہر ابوالعاصؓ بن ربیع نے مکہ میں روک لیا، اور حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح ہجرت سے پہلے حضورؐ سے ہو چکا تھا۔ ہجرت کے کچھ عرصہ (سات آٹھ ماہ) بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی:

"یا رسول اللہؐ اگر مرضیٔ مبارک ہو تو عائشہ کو رخصت کرا لیجیے۔"

آپؐ نے فرمایا: "فی الحال میرے پاس مہر نہیں ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرا جو کچھ ہے وہ آپؐ ہی کا ہے۔" یہ کہہ کر آپ نے پانچ سو درہم آپؐ کی خدمت میں پیش کیے۔ حضورؐ نے انہیں (بطورِ قرضِ حسنہ) قبول فرما لیا اور یہی رقم حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج کر انہیں رخصت کرا لیا۔

مواخاۃ

ہجرت کے کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان باہمی بھائی چارہ قائم کرایا تو حضرت خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر انصاری کو حضرت ابوبکرؓ کا دینی بھائی بنایا۔ یہی خارجہؓ بن زید ہیں جن کی بیٹی حبیبہؓ حضرت ابوبکرؓ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ اُمِّ کلثوم بنت ابی بکرؓ انہی کے بطن سے تولد ہوئیں۔

مسجدِ نبویؐ کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انفاق

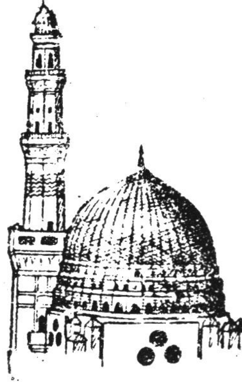
ہجرت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے جو زمین منتخب فرمائی وہ دو یتیم لڑکوں سہلؓ اور سہیلؓ کی ملکیت تھی۔ ان لڑکوں اور ان کی والدہ

نے یہ زمین فی سبیل اللہ پیش کی لیکن آپؐ نے بلا قیمت لینا پسند نہ فرمایا اور اسے دس دینار (بروایتِ دیگر دس مثقال یا پونے چار تولے سونے) کے عوض خرید لیا۔

علامہ ابنِ حجرؒ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے کہ یہ قیمت حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ نے ادا کی۔ ابنِ سعدؒ اور بلاذریؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(طبقات ابن سعد —— فتوح البلدان)

اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابُوبکرؓ نے بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیا۔



غزوات

مدینہ منوّرہ پہنچ کر مسلمانوں کی مظلومی اور بے بسی کا دَور ختم ہوگیا اور انہیں دشمنانِ حق کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت اُبُوبکر صدّیق رضؓ نے شروع سے اخیر تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر غزوے میں اپنی شجاعت وبسالت کی دھاک بٹھادی۔ ہم یہاں غزواتِ نبویؐ میں حضرت اُبُوبکر صدّیقؓ کے کردار کا اجمالی طور پر ذکر کریں گے۔

غزوۂ بدر

رمضان ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا غزوہ پر روانہ ہوتے وقت حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا تو سب سے پہلے حضرت اُبُوبکر صدّیقؓ نے آپؐ کو اپنی حمایت اور جاں نثاری کا یقین دلایا۔ لشکرِ اسلام بدر پہنچا تو صحابۂ کرامؓ نے ایک چھوٹا سا سائبان سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نشست کے لیے میدان جنگ کے کنارے پر بنا دیا۔ حضورؐ اس میں تشریف فرما ہوئے تو صدّیق اکبرؓ شمشیر برہنہ عَلَم کیے حضورؐ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوگئے۔ لڑائی کے دوران میں کوئی مشرک حضورؐ کے قریب آنے کا قصد کرتا تو صدّیق اکبرؓ مجسّم جلال بن جاتے، اس مشرک پر جھپٹ پڑتے اور مار کے ہٹا دیتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ مشرکین کا ایک گروہ جنابِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب آ پہنچا، کسی کا ارادہ تھا کہ بڑھ کر آپؐ پر حملہ کرے اور کوئی چاہتا تھا کہ آپؐ کو گرا کر پچھاڑ دے۔ اس وقت وہ سب چلّا چلّا کر کہہ رہے تھے:

" تم نے ہمارے بہت سے خداؤں کو ایک کر دیا۔"

اس موقع پر صدیق اکبرؓ تلوار کھینچ کر مشرکین پر جھپٹ پڑے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

" کیا تم اس شخص کو مار ڈالو گے جو اللہ کو اپنا پروردگار بتاتا ہے۔"

پھر اس جوش سے تلوار چلائی کہ سب مشرکین بھاگ گئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ غزوہ بدر میں میمنہ کی قیادت بھی صدیق اکبرؓ نے کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ لڑائی سے پہلے حضورؐ نے سر بسجود ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی:

" اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا فرما دے۔ اے اللہ اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر سطح زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی۔"

اس وقت حضرت ابوبکرؓ آپؐ کی ردائے مبارک کو آپؐ کے شانوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ (حضورؐ کو بار بار یہ دعا مانگتے دیکھ کر ان پر بھی رقت طاری ہو گئی) انہوں نے حضورؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا "یا رسول اللہ بس کیجئے۔ آپؐ اللہ کے سامنے بہت عجز و الحاح کر چکے۔ اللہ آپؐ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ اس وقت تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے اور لشکرِ مشرکین میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں دیکھا تو جلال میں آ گئے اور للکار کر کہا:

اَیْنَ مَالِی یَاخَبِیْثُ ! خبیث میرے حقوق کیا ہوئے؟

حضرت عبدالرحمٰنؓ پر والدِ گرامی کی تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اس ذلت اور

نامردی میں برابر کے شریک ہوئے جو کفّار کو اٹھانی پڑی۔ اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے والدِ گرامی سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، لیکن میں طرح دے کر دوسری طرف چلا گیا۔ یہ سن کر ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "بیٹے اگر تو میری تلوار کی زد میں آجاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

ایک شاعر نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

پسرِ حضرتِ صدیقؓ وہ عبدالرحمٰنؓ — جو کہ تقویٰ میں تھے بے مثل شجاعت میں مثل
مصر اور شام کی جنگوں میں کیے جو جو کام — زینتِ صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل!
ہاتھ میں تیغ تھی یا برق پئے خرمنِ کفر — دیکھ کے دل جسے کفّار کے جاتے تھے دہل
سطوتِ حق کا زمانے پہ بٹھایا سکّہ — چمنِ دہر سے باطل کو کیا مستاصل
بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقیں — تھے شریکِ صفِ اعدا پئے جنگ و جدل
بعد ازاں لائے وہ اسلام بہ لطفِ ایزد — نورِ توفیقِ الٰہی نے دکھائی مشعل!
بزمِ اصحابِ رسولِ عربیؐ میں اک روز — غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل!
بولے یہ حضرتِ صدیقؓ سے عبدالرحمٰنؓ — حملہ آور جو ہوئی بدر میں صفِ اوّل!
اک بار آپ وہاں آگئے میری زد پر — سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل!
پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا — دوسری سمت کو رخ اپنا لیا میں نے بدل
سن کے یہ حضرتِ صدیقؓ نے ارشاد کیا — راہِ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل
تو مری زد پہ جو آتا، تو نہ بچ کر جاتا — یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اجل

دشمنِ حق سے مسلماں کی قرابت کیسی
اس کا رشتہ ہے فقط حُبِّ خدا عزّ و جل

لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ کفّار کے ستّر آدمی مارے گئے

اور ستر ہی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ حضورؐ نے ان کے بارے میں کبار صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے رائے دی کہ سب کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اور رحم کے قابل ہیں۔ حضورؐ کو حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ پسند آیا اور آپؐ نے اسی کے مطابق اسیرانِ جنگ سے سلوک کیا۔

غزوۂ اُحُد (۳ھ ہجری)

غزوۂ اُحُد میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ دوسری طرف ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن کفار کے لشکر میں شریک تھے۔ آغازِ معرکہ میں انہوں نے میدان میں آکر مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ انہیں دیکھ کر جلال میں آگئے اور خود ان کے مقابلے پر جانا چاہا تلوار نیام سے نکالی اور حضورؐ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ نے فرمایا: شِمْ سَيْفَكَ وَامْتِعْنَا بِكَ (تلوار میان میں کر دو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو)

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ سر بکف ہو کر لڑے۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، اس وقت بھی حضرت ابوبکرؓ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور وہ اخیر تک میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ آپؐ کو سہارا دے کر پہاڑ پر ایک محفوظ جگہ لے گئے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا "کیا محمدؐ موجود ہیں؟" حضورؐ نے صحابہ کو منع فرما دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے تین بار حضورؐ کا نام پکارا۔ جب جواب نہ ملا تو کہا "کیا ابوقحافہ کا بیٹا موجود ہے؟" اسی طرح تین مرتبہ آواز دی

لیکن کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفّار بھی حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو رئیس اُمّت سمجھتے تھے۔ جب کفّار میدان سے واپس گئے تو حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ــــــ "کفّار کا تعاقب کون کرے گا؟"

صحابہؓ اگرچہ زخموں اور تھکن سے چور تھے لیکن ستّر بہتّر آدمیوں نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا ان میں حضرت ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ ان سرفروشوں نے حمراء الاسد کے مقام تک مشرکینِ قریش کا تعاقب کیا۔

غزوۂ احزاب (۵ھ ہجری)

۵ھ ہجری میں مشرکینِ قریش، یہود اور دوسرے دشمنانِ اسلام ایکا کر کے مدینہ منوّرہ پر چڑھ آئے۔ شہر کے تین اطراف میں باغات اور مکانات تھے البتہ چوتھی جانب کھُلی تھی حضورؐ نے اس جانب ایک چوڑی خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا۔ دشمن کی فوج کی تعداد دس ہزار تھی اس کے مقابلے میں مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ موسم بہت سرد تھا اور خوراک کا سامان بہت قلیل لیکن مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ کفّار تین ہفتے تک مدینہ منوّرہ کا محاصرہ کیے رہے، اس دوران میں انہوں نے کئی بار شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن مسلمان جانبازوں نے ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ تین ہفتے کے بعد کفّار کی ہمت جواب دے گئی اور ایک رات کو وہ سخت آندھی اور تاریکی میں محاصرہ اٹھا کر چلتے بنے۔

غزوہ خندق میں مسلمانوں کا ایک دستہ حضرت ابوبکرؓ کے ماتحت خندق کے ایک حصے کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس موقع پر بعد میں ایک مسجد بنا دی گئی جو مسجد صدیقؓ کے نام سے مشہور ہوئی۔

غزوۂ بنو مُصطَلِق اور واقعۂ افک

شعبان ۵ھ ہجری میں غزوۂ بنو مُصطَلِق پیش آیا

جس میں حضورؐ کو بنو مُصطَلِق کے شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے مدینہ منوّرہ سے سو میل دُور جنوب مغرب کی جانب جانا پڑا۔ حضرت ابُو بکر صدّیقؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ شرپسندوں کی سرکوبی کے بعد واپسی سفر میں اسلامی لشکر نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ رات کے پچھلے پہر اُمّ المُؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ رفع حاجت کے لیے لشکر گاہ سے باہر گئیں، واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ گلے کا ہار جو وہ اپنی بہن سے عاریتاً مانگ کر لائی تھیں کہیں گر گیا ہے۔ اسے تلاش کرنے کے لیے پھر اسی طرف چلیں جہاں پہلے گئی تھیں لیکن جب ہار ڈھونڈ کر پڑاؤ پر دوبارہ واپس پہنچیں تو لشکرِ اسلام وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ ملول و محزون وہیں بیٹھ گئیں۔ (بروایتِ دیگر چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں) اتنے میں ایک معمر صحابی حضرت صفوانؓ بن معطل وہاں آ گئے۔ ان کا کام لشکرِ اسلام کے کوچ کے بعد پڑاؤ میں گری پڑی چیزوں کو سنبھالنا تھا اس لیے وہ سب سے پیچھے روانہ ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا۔ جب واقعہ معلوم ہوا تو ہمدردی کا اظہار کیا۔ پھر انہیں اونٹ پر سوار کیا اور اس کی مہار پکڑ کر مدینہ پہنچے۔ منافقین نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ چند سادہ مزاج مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے ان میں حضرت ابُو بکرؓ کے ایک عزیز مسطحؓ بن اثاثہ بھی تھے جن کی وہ کفالت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابُو بکرؓ کو قدرتی طور پر سخت رنج ہوا۔ حضرت عائشہ صدّیقہؓ بیمار ہو کر میکے آ گئیں، والدہ کو اصل واقعہ بتایا، انہوں نے تسکین دی۔ پھر والدہ سے پوچھا کہ میرے باپ کو بھی خبر ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔ پھر پوچھا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی جانتے ہیں؟ جواب

ملا" ہاں"۔ یہ سُن کر زار و قطار رونے لگیں۔ حضرت ابُوبکرؓ بالا خانے پر تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آواز سنی تو نیچے اتر آئے اور حضرت عائشہؓ کی والدہ سے پوچھا، "ان کا کیا حال ہے؟"

انہوں نے کہا "ان کے متعلق جو خبریں مشہور تھیں وہ ان کو معلوم ہو گئی ہیں۔" حضرت ابُوبکرؓ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا، حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "بیٹی میں تم کو قسم دیتا ہوں تم اپنے گھر واپس جاؤ۔"

حضرت عائشہؓ اپنے گھر واپس آئیں، دوسرے دن ان کے والدین بھی آئے اور ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ نمازِ عصر کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے اصل واقعہ دریافت فرمایا۔ وہ پدرِ گرامی کی طرف متوجّہ ہوئیں اور کہا:

"آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جواب دیجئے۔"

انہوں نے فرمایا: "خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کیا جواب دوں۔"

اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور آیاتِ برأت نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی تصدیق کر دی تو حضرت ابُوبکرؓ کو بے انتہا خوشی ہوئی، ساتھ ہی تہمت لگانے والوں پر سخت غصّہ آیا، اسی عالم میں منہ سے نکل گیا، "خدا کی قسم اب مسطح کا نفقہ بند کر دوں گا اور اسے کبھی کچھ نہ دوں گا۔" لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (سورۂ نور: ۲۲)

(اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ دار، مسکینوں اور مہاجروں کو کچھ مدد نہ دیں گے ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے ؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت کرے۔" چنانچہ حضرت مسطحؓ کا نفقہ جاری کر دیا اور کہا "خدا کی قسم اب کبھی بند نہ کروں گا۔"

جو سادہ لوح مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے انہوں نے سخت ندامت کا اظہار کیا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے معافی مانگی تاہم حضورؐ نے ان پر حد جاری کرائی۔

حکمِ تیمّم کا نزول اور حضرت ابوبکرؓ کی مسرّت

واقعہ افک کے بعد ایک اور سفر میں بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ اُن کے گلے میں وہی ہار تھا جو واقعۂ افک میں گم ہوا تھا۔ لشکر واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ گزشتہ واقعہ نے حضرت عائشہؓ کو بہت محتاط کر دیا تھا انہوں نے فوراً ہار کے گم ہونے کی اطلاع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ پو پھٹنے کے قریب تھی آپؐ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور چند صحابہؓ کو اس کی تلاش کے لیے روانہ کیا۔ انہیں راستے میں نماز کا وقت ہو گیا لیکن وضو کے لیے پانی کا دُور دُور تک پتہ نہ تھا۔ سب نے بلا وضو نماز ادا کر لی واپس حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو بڑے افسوس کے ساتھ اپنے بلا وضو نماز پڑھنے کا ذکر کیا۔ اس وقت آیتِ تیمّم کا نزول ہوا:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ (سورۃ النساء آیت ۴۳)

(اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا حاجت ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہے اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح کر کے تیمم کر لو۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے)

ایک روایت میں واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں پانی نہ تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی لشکر میں موجود تھے نماز کا وقت آگیا تو لوگ گھبرا کر ان کے پاس پہنچے کہ اُمّ المؤمنین کا ہار گم ہو جانے کی وجہ سے ہم کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں وہ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے دیکھا تو حضورؐ ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ غصہ سے ان کے پہلو میں کئی کونچے دیئے اور فرمایا، بیٹی تمہاری وجہ سے مسلمانوں کو نت نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ خاموش رہیں اور حضورؐ کی بے آرامی کے خیال سے ہلی تک نہیں۔ صبح کو حضورؐ بیدار ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے نزول سے مسلمان بے حد خوش ہوئے اور اُمّ المؤمنینؓ کو دعائیں دینے لگے۔ حضرت اُسیدؓ بن حضیر اشہلی انصاری نے جوشِ مسرت میں حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اُمّ المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے جب کبھی آپکا کوئی کام اٹکا اللہ تعالیٰ نے خود اس سے نکلنے کا راستہ بتلا دیا اور

مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت ہوئی، اے صدیقؓ کے گھر والو اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی بے پناہ مسرت ہوئی۔ انہوں نے اب فخر کے ساتھ صاحبزادی کو مخاطب کر کے فرمایا:

"جانِ پدر مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے۔ تیرے ذریعہ سے اللہ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔"

اس کے بعد لشکر کی روانگی کے لیے جب اونٹ اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا مل گیا۔ (صحیح بخاری کتاب التیمم۔ مسندِ احمد بن حنبلؒ جلد ۶ ص ۲،۳)

سریۂ امِ قرفہ

رمضان (بروایتِ دیگر جمادی الاخریٰ) ۶ھ ہجری میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سو صحابہؓ کے ہمراہ بنو فزارہ کی سرکوبی کے لیے وادی القریٰ بھیجا۔ بنو فزارہ کی قیادت ایک عورت اُمِ قرفہ کر رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دشمن کو شکست دی اور مظفر و منصور واپس آئے۔

بیعتِ رضوان

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ زیارتِ کعبہ کا عزم فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ اثنائے راہ میں حضورؐ کو اطلاع ملی کہ قریشِ مکہ مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں آپؐ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر آپؐ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کرنا چاہتے ہیں۔ قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو اپنا سفیر بنا کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور مشرکینِ قریش کے نزدیک بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے۔ وہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھے جن کے بارے میں قریش کہا کرتے تھے کہ قرآن ان

دونوں یعنی عُروہ بن مسعود اور ولید بن مغیرہ پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ عُروہ بن مسعود نے حضورؐ سے دورانِ گفتگو میں کہا:

"محمدؐ یہ جو بھیڑ تمہارے اردگرد نظر آ رہی ہے اگر تم پر کوئی نازک وقت آ پڑا تو یہ آناً فاناً چھٹ جائے گی اور تمہاری حمایت کا دم بھرنے والے یہ تمام لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

صِدّیقِ اکبرؓ قریب ہی کھڑے تھے، انہوں نے عُروہ بن مسعود کی بات سنی تو سراپا جلال بن گئے۔ نہایت حقارت سے ان کی طرف دیکھا اور کڑک کر فرمایا:

"ہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ جا اپنا کام کر اور اپنے معبود "لات" کی ...."

اللہ اکبر! صِدّیقِ اکبرؓ کی شانِ جلال پہ ہزار جانیں بھی قربان کر دی جائیں تو کم ہیں۔ یہ جلال، عزم و استقامت اور سرورِ کون و مکان فخرِ موجودات سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حُرمت پر مر مٹنے کے جس جذبے کا مظہر ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن ہی نہیں اور اس جلال نے ان کے منہ سے جو سخت الفاظ نکلوائے ان میں بھی عجیب شان کی معنویت ہے یعنی ہم جو بادۂ توحید سے مخمور ہو چکے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خاطر کٹ مریں گے تم جاؤ اور بُت پرستی کے ذلیل اور قبیح فعل میں اپنی عاقبت برباد کرتے رہو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابُوبکرؓ نے یہ الفاظ کہے تو عُروہ نے انجان بن کر پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا، "ابُوبکرؓ (ابنِ ابی قحافہ)" عُروہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "خدا کی قسم اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔"

عُروہ کی واپسی کے بعد حُضُورؐ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کو مکّہ بھیجا۔ قریش نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ اُدھر حدیبیہ میں خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے شہید کر ڈالا۔ اس پر حُضُورؐ نے ببول کے ایک درخت تلے بیٹھ کر تمام صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کھُلے لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو بھی بیعتِ رضوان کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی لیکن مسلمانوں کا جوش اور حوصلہ دیکھ کر قریش ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے چند شرطوں پر مسلمانوں سے دس سال کے لیے صلح کر لی۔ بظاہر یہ شرطیں کُفّار کے حق میں زیادہ مفید تھیں، اس لیے حضرت عُمر فاروقؓ بہت مضطرب ہوئے۔ اس موقع پر حالتِ اضطراب میں اُن کی حضرت اُبوبکر صدیقؓ سے حسبِ ذیل گفتگو ہوئی:-

حضرت عمرؓ: "یا ابابکر! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سچّے پیغمبر ہیں نا؟"

حضرت اُبوبکرؓ: ہاں، ہیں۔

حضرت عمرؓ:- کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت اُبوبکرؓ:- ہاں (ہم حق پر اور دشمن باطل پر ہے)

حضرت عمرؓ:- تو پھر ہم دین میں یہ پستی کیوں گوارا کریں؟

حضرت اُبوبکرؓ:- اے شخص، آپؐ اللہ کے رسول ہیں، اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ ان کی مدد کرے گا تم ان کی اطاعت کیے جاؤ۔ خدا کی قسم آپؐ حق پر ہیں۔

حضرت عُمرؓ:- کیا آپؐ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا

طواف کریں گے ؟

حضرت ابوبکرؓ :۔ ہاں، لیکن کیا آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے ؟

حضرت عمرؓ :۔ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ : تو تم بیت اللہ جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے۔

حضرت عمرؓ اب خاموش ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی یہ گفتگو ان کے صدق و یقین اور فراستِ ایمانی پر دال ہے۔ صلحنامہ پر جن صحابۂ کرامؓ نے مسلمانوں کی طرف سے دستخط کیے ان میں حضورؐ کے بعد سب سے پہلے دستخط کرنے والے حضرت ابوبکرؓ تھے

غزوۂ خیبر

محرم ۷ھ ہجری میں غزوۂ خیبر پیش آیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس میں بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ ایک دن انہوں نے فوج لے کر قلعۂ قموص پر حملہ کیا مگر اس میں داخل نہ ہو سکے کیونکہ اس کی فتح حضرت علیؓ کے مقدر میں تھی۔ بہر صورت انہوں نے یہودیوں کے خلاف خوب دادِ شجاعت دی۔

سریۂ بنو کلاب

شعبان ۷ھ ہجری میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بنو کلاب کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ یہ لوگ نجد میں وادی القریٰ کی جانب آباد تھے۔ مقابلہ میں دشمن کے چند آدمی قتل اور چند قید ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

سریۂ ذات السلاسل (۸ھ ہجری)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وادی القریٰ میں بنو قضاعہ کے کچھ گروہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے جمع ہوئے ہیں

ان کا مقامِ اجتماع مدینہ منوّرہ سے دس یوم کی مسافت پر تھا۔ ماہ جمادی الآخرہ ۸ھ ہجری میں آپؐ نے حضرت عمرؓ بن العاص کو تین سو مہاجرینؓ انصار کے ساتھ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اثنائے راہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کو خبر ملی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے حضورؐ سے کمک مانگ بھیجی۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کو دو سو مجاہدین دے کر اُن کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ ان مجاہدین میں حضرت ابُوبکر صدّیقؓ بھی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مفسدہ پردازوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑسکیں اور بھاگنے کا تصوّر بھی دل میں نہ لائیں اسی لیے یہ مہم ذات السّلاسِل (زنجیروں والی) کے نام سے مشہور ہو گئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا نام اس لیے پڑا کہ میدانِ جنگ کے پاس "سلسل" نامی کنواں تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس کمک پہنچ گئی تو انھوں نے دشمنوں پر پُرزور حملہ کیا۔ مفسدین نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن پھر شکست کھائی اور بھاگ گئے۔ مجاہدین مظفّر و منصور مدینہ واپس آئے تو حضرت عمروؓ بن العاص کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضورؐ نے انھیں ایک ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے اصحاب شامل تھے شاید حضورؐ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ان اصحاب سے بڑھ کر ہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! آپ کو کون سب سے بڑھ کر محبوب ہے" آپؐ نے فرمایا، "عائشہؓ" میں نے عرض کیا "عورتوں میں نہیں بلکہ مردوں میں۔" فرمایا، "عائشہؓ کے والد" میں نے عرض کیا، "پھر کون" فرمایا "عُمرؓ بن خطّاب" میرے مزید استفسار پر آپؐ نے چند اور اصحاب کے نام لیے۔ اب میں خاموش ہو گیا اور اپنے دل میں کہا کہ پھر کبھی آپؐ سے یہ سوال نہ کروں گا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ سریّہ ذات السّلاسِل)

سریۂ سیف البحر یا مُہم خبط

رجب ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو تین سو آدمی دے کر جہینہ کے علاقے کی طرف بھیجا جو سمندر کے کنارے مدینہ منورہ سے پانچ روز کے فاصلے پر واقع تھا۔ ان تین سو مجاہدین میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔ اتفاقاً سفر میں سامانِ رسد ختم ہو گیا اور مجاہدین کو درختوں کے سوکھے پتوں پر گزارہ کرنا پڑا۔ جب وہ ساحل پر پہنچے تو سمندر کی موجوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کنارے پر ڈال دی۔ مجاہدین نے نصف مہینے تک اس کے گوشت پر گزارہ کیا اور خوب توانا ہو گئے۔ شرارت پر آمادہ بنو جہینہ کو مسلمانوں کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ بھاگ گئے۔ اس کے بعد مجاہدین واپس آ گئے۔

سیف البحر کے معنی ہیں سمندر کا کنارہ۔ اس لیے اس مہم کو سیف البحر کہا جاتا ہے۔ مہم خبط اس لیے کہا جاتا ہے کہ خبط ایسے پتوں کو کہتے ہیں جو لکڑی وغیرہ سے مار کر گرائے جاتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین کو چند دن ایسے سوکھے پتوں پر گزارہ کرنا پڑا اس لیے یہ سریہ مہم خبط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس گاؤں میں بنو جہینہ رہتے تھے اس کا نام خبط تھا۔

فتح مکہ (۸ھ ہجری)

صلح نامۂ حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اور قریش کے حلیف قبیلے بھی دس سال تک ایک دوسرے پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن اٹھارہ ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن قریش کے حلیف قبیلے بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے۔ قریش نے بھی بنو بکر کا ساتھ دیا۔ بنو خزاعہ کے ایک وفد نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بنو بکر اور قریش کی زیادتی کے خلاف

فریاد کی۔ آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دو یا بنو بکر کا ساتھ چھوڑ دو ورنہ سمجھ لو کہ حدیبیہ کی صلح ختم ہو گئی۔ قریش کے کچھ جوشیلے لوگوں نے بڑے غرور سے کہہ دیا کہ ہمیں تیسری بات منظور ہے لیکن قاصد کے جانے کے بعد وہ بہت پچھتائے اور ابو سفیانؓ کو مدینہ بھیجا کہ صلحنامہ کی تجدید کرا لائیں۔

ابو سفیانؓ نے مدینہ پہنچ کر حضورؐ سے درخواست کی کہ صلح نامہ کی تجدید کر دیں لیکن آپؐ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ اس کے بعد ابو سفیانؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ آپ اس معاملے میں آنحضورؐ سے سفارش کریں، لیکن انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ پھر وہ کچھ اور اصحاب سے ملے لیکن کسی نے سفارش کرنے کی ہامی نہ بھری اور ابو سفیانؓ معاہدۂ صلح کی تجدید کا یکطرفہ اعلان کر کے واپس چلے گئے۔

ابو سفیانؓ کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد حضورؐ دس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان جانبازوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامل تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر وہ حضورؐ کی اونٹنی قصوا پر سوار تھے۔

رمضان ۸ھ ہجری میں حضورؐ نے مکہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو حضرت ابو بکرؓ اپنے والد ابو قحافہ کو آپؐ کی خدمت اقدس میں لائے تا کہ آپ انہیں اسلام لانے کی تلقین فرمائیں۔ وہ بہت ضعیف العمر اور نابینا تھے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: "ابو بکر تم نے انہیں گھر میں ہی رہنے دیا ہوتا میں خود ان کے پاس جاتا۔" عرض کیا، "یا رسول اللہ! انہی کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے تھا۔" حضورؐ نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

"اَسْلِمْ" (اسلام لے آیئے)

وہ فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

غزوۂ حُنین

شوّال ۸ھ ہجری میں حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ کو غزوۂ حُنین میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ لڑائی کے آغاز میں بنو ہوازن کی بے پناہ تیر باری سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو میدانِ جنگ میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں صرف چند مہاجرین و انصار رہ گئے۔ حضرت ابُوبکر رضؓ بھی ان ثابت قدم اصحاب میں شامل تھے۔ حضورؐ کے حکم پر حضرت عبّاسؓ نے متفرق ہونے والے مسلمانوں کو آواز دی تو وہ بھی پلٹ پڑے اور دشمن کو شکست فاش دی۔ لڑائی کے بعد حضرت ابوقتادہؓ انصاریؓ نے ایک کافر کے سامان کا مطالبہ کیا۔ اس کافر کو حضرت ابوقتادہؓ نے مارا تھا لیکن اس کا سامان مکّہ کے ایک صاحب نے اُتار لیا تھا۔ حُضورؐ کے دریافت کرنے پر انھوں نے اعتراف کیا کہ مقتول کا سامان میرے پاس ہے، ساتھ ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابوقتادہؓ کو راضی کر کے یہ سامان مجھے دلوا دیجیے۔ حضرت ابُوبکرؓ پاس ہی تھے انھوں نے فرمایا:

"نہیں، خدا کی قسم! یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا ایک شیر جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی طرف سے لڑتا ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کا حصہ تمہارے حوالے کر دیں۔"

حُضورؐ نے فرمایا: "ابُوبکرؓ نے سچ کہا" اور حضرت ابوقتادہؓ کو سامان دلوا دیا۔

غزوۂ طائف (۸ھ ہجری)

غزوۂ حُنین کے بعد حضورؐ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ حضرت ابُوبکرؓ بھی اپنے فرزند عبداللہؓ کے ساتھ محاصرے میں شریک تھے۔ حضرت عبداللہؓ اسی محاصرے میں دشمن کے تیر سے زخمی ہو گئے۔ چند دن میں ان کا

زخم مندمل ہو گیا لیکن ۱۱ھ ہجری میں حضرت ابوبکرؓ کے اوائلِ خلافت میں یہی زخم عود کر آیا اور اسی کے صدمے سے حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی۔ چونکہ یہ زخم غزوۂ طائف میں آیا تھا اس لیے ان کا شمار شہدائے طائف میں کیا جاتا ہے۔

وفدِ بنو تمیم (۹ھ ہجری) ۹ھ میں بنو تمیم کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ قبولِ اسلام کے بعد یہ وفد مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو قبیلہ کی امارت کا سوال پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کی کہ قعقاع بن معبد بن زرارہ کو رئیس مقرر فرما دیجئے۔ حضرت عمرؓ بولے "نہیں، اقرع بن حابس امیر ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "تم کو صرف میری مخالفت منظور ہے۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا "کبھی نہیں"۔ بات بڑھی اور دونوں بزرگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (سورہ الحجرات)

(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور جس طرح آپس میں زور سے بولتے ہو ان (نبی) سے زور سے نہ بولو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو)

اس آیت کا نزول دونوں بزرگوں کے لیے ایک آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے آزمایا تھا۔ دونوں اس آزمائش میں کامیاب ثابت ہوئے نہ صرف اسی وقت اپنی آوازوں کو پست کر لیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اپنا شعار بنا لیا کہ حضورؐ کے سامنے نہایت دھیمی آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ اس

آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی، لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (الحجرات)

(جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں انہی کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور ثواب عظیم ہے)

غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ ہجری)

یوں تو عرب میں بارش ویسے ہی کم ہوتی ہے لیکن ۹ھ ہجری میں تو خشک سالی نے قیامت ڈھا دی اور سارے ملک میں قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مدینہ باغوں کا شہر تھا لیکن قحط اور گرمی کی شدت سے اہل مدینہ بھی پناہ مانگ رہے تھے۔ لے دے کے ان کی اُمیدیں اپنے نخلستانوں سے وابستہ تھیں جن میں کھجور کے درختوں پر پھل گدرا چکے تھے اور ان کے اتارنے کا وقت قریب آپہنچا تھا۔ یہی دن تھے کہ مدینہ میں وارد ہونے والے بعض تاجروں کی زبانی مسلمان یہ خبر سن کر چونک اٹھے کہ رومیوں کا ایک زبردست لشکر اپنے زیر اثر غسانی حکمرانوں کے ساتھ مل کر عرب پر دھاوا بولنے کے لیے پر تول رہا ہے اور عرب اور شام کی درمیانی سرحد پر آباد بعض دوسرے عرب عیسائی قبیلے لخم، جذام، عاملہ وغیرہ بھی رومیوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں سنیں تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ رومیوں کو عرب کی سرزمین پر قدم نہ رکھنے دیا جائے اور آگے بڑھ کر شام کی سرحد پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے عرب کے تمام قبیلوں کو اطلاع بھیجی کہ قیصرِ روم کے مقابلے کے لیے

فوراً پہنچو، ساتھ ہی آپؐ نے اہلِ مدینہ کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ حضورؐ عام طور پر کسی مہم پر روانہ ہوتے وقت اپنی منزلِ مقصود ظاہر نہیں کرتے تھے لیکن اس موقع پر آپؐ نے لوگوں کو صاف الفاظ میں اپنی منزلِ مقصود بھی بتا دی۔ مسلمانوں کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا، کھجور کی تیار فصل، ہولناک گرمی، تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراؤں کا طویل سفر، خوراک پانی اور سواریوں کی قلت ہر چیز ان کی نظر کے سامنے تھی لیکن انہوں نے حضورؐ کے ارشاد پر بغیر کسی حیل و حجت کے لبیک کہا اور ہمہ تن جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ مارِ آستین منافقوں نے انہیں بہکانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ تو اپنی جانیں، مال اور اولاد سب کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر چکے تھے منافقین کی باتوں کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور جہاد کی تیاری میں برابر مشغول رہے۔ جب باہر کے قبیلے بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تو بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کو خوراک، ہتھیار اور سواریاں مہیا کرنے کے لیے بہت سے روپے اور سامان کی ضرورت تھی اس لیے حضورؐ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر مال اور سامان دینے کی ترغیب دی۔ اس موقع پر ایثار و اخلاص کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ سب صحابہ کرامؓ نے اپنی استطاعت بلکہ استطاعت سے بڑھ کر قربانی کا مظاہرہ کیا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا آدھا مال و اسباب راہِ حق میں پیش کر دیا حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہزار دینار اور سینکڑوں اونٹ پالان سمیت پیش کیے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مال و دولت کا ایک انبار لے کر حاضر ہوئے، عاصمؓ بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ خواتین نے اپنے زیور اتار کر اللہ کی راہ میں دے دیئے۔ اسی طرح سبھی صحابہؓ و صحابیاتؓ نے انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ ان سب سے بازی لے گئے۔ انہوں نے اپنے گھر کا سارا مال اسباب لا کر بارگاہِ رسالتؐ

میں پیش کر دیا اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ حضورؐ نے پوچھا:

"ابوبکرؓ! اہل و عیال کے لیے کیا رکھا؟"

عرض کی: "اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ"

"بس اُن کے لیے اللہ اور اس کا رسول باقی ہیں۔"

حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ جس وقت لشکرِ تبوک کے لیے انفاق کا ارشاد ہوا، میں خوب مالدار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر ابوبکرؓ سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے۔ چنانچہ میں گھر گیا اور اپنے مال اسباب کا نصف لے کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"عمرؓ! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا"

میں نے عرض کیا "اسی قدر"

اس کے بعد ابوبکرؓ آئے ان کے پاس جو کچھ تھا سب اٹھا لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوبکرؓ! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا"

انہوں نے عرض کیا: "میں نے اُن کے لیے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چھوڑا ہے۔"

اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں ابوبکرؓ سے کبھی بازی نہیں لے جا سکتا۔

حکیم الاُمّت علامہ اقبالؒ نے اس ایمان افروز واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس
ایثار کی ہے دستِ نگر ابتدائے کار
پوچھا حضورؐ سرورِ عالمؐ نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملّتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آگیا!
جس سے بنائے عشق و محبّت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(بانگِ درا)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف اپنے مال و اسباب ہی کی قربانی نہیں دی بلکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں وہ تمام صعوبتیں بھی سہیں جو سلمانوں کو سفرِ تبوک میں پیش آئیں۔ جب سب مسلمان چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو حضورؐ رجب ۹ھ ہجری میں تیس ۳۰ ہزار فوج لے کر مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو سب سے بڑا علم عطا فرمایا اور امامت کے منصب پر فائز کیا۔ اس کے ساتھ لشکر کے جائزہ کی خدمت بھی سپرد کی۔ موسم سخت گرم اور راستہ بڑا دشوار تھا کسی کسی جگہ ایسے ریتیلے اور بے آب و گیاہ میدان آئے جہاں زہریلی ہوائیں چلتی تھیں۔ بعض مقامات پر مسلمانوں کو اونٹ ذبح

کر کے ان کی آنتوں کا پانی نکال کر پینا پڑا۔ غرض مسلمان طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے تبوک پہنچے جو مدینہ منورّہ سے شمال کی طرف چودہ منزل کے فاصلے پر سرحدِ شام کے قریب ایک مشہور مقام ہے۔ اس مہم کے سلسلے میں مسلمانوں کو جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کی بناء پر اس کو جیش العُسرۃ اور غزوۃ العُسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔

تبوک میں دشمن کو مسلمانوں کے مقابل ہونے کی ہمت نہ پڑی بلکہ آس پاس کے عیسائی حاکموں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ پاس کی ایک ریاست دومۃ الجندل کا عرب حاکم اکیدر قیصر روم کے اثر میں تھا۔ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سَو سوار دے کر اس کو مطیع کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کو شکست دی اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ آپؐ نے اس کو چند شرطوں پر معافی دے دی۔ بیس دن تبوک میں قیام کے بعد حضورؐ نے مدینہ منوّرہ کو مُعاودت فرمائی۔

امارتِ حج (۹ ہجری)

تبوک سے واپسی پر حج کا موسم آیا تو سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکّہ معظمہ روانہ کیا۔ اس قافلے کا امیر آپؐ نے حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ کو مقرر فرمایا۔ چونکہ حُضورؐ خود بعض ضروری دینی کاموں کی وجہ سے حج کے لیے نہ جا سکے آپؐ نے قربانی کے جانور حضرت اَبُوبکرؓ کے ساتھ بھیج دیئے۔ حضرت عائشہ صِدّیقہؓ فرماتی ہیں:

ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِی بَکْرٍ (آپؐ نے جانوروں کو اَبُوبکرؓ کے ہمراہ روانہ کیا)

ایک روایت کے مطابق ان جانوروں (اونٹوں) کی تعداد بیس تھی حضورؐ نے ان کی گردنوں میں اپنے دستِ مبارک سے پٹکے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے قربانی کے پانچ جانور بھی ساتھ لیے۔ حضورؐ نے حج سے متعلق کچھ دوسرے ضروری کام حضرات سعدؓ بن ابی وقاصؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ انصاری اور حضرت ابوہریرہؓ کے سپرد کیے۔ (ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ان کو معلّم اور منادی مقرر فرمایا) جب یہ کاروانِ حج عرج کے مقام پر پہنچا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضورؐ کی اونٹنی جدعا (یا قصوا) پر سوار اس سے آن ملے۔ حضرت ابوبکرؓ کو خیال گزرا کہ شاید حضورؐ نے ان کی جگہ حضرت علیؓ کو امیر الحج بنا دیا ہے۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو امیر الحج مقرر فرمایا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ــــ "نہیں مجھے حضورؐ نے نقیب (یا قاصد) بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں سورۂ براءت کی چالیس آیتوں کا (جو چند روز پہلے نازل ہوئی تھیں) حج کے اجتماع میں اعلان کروں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کے صحیح طریقے بتائے اور سکھلائے اور سب نے انہی طریقوں کے مطابق حج ادا کیا۔ اس طرح صدیوں کے بعد حج ٹھیک اسی طرح ادا ہوا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام ادا کیا کرتے تھے۔

قربانی کے دن حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ ان کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور سورۂ براءت کی چالیس آیتوں کا اعلان عام کیا جن میں کافروں سے ہر قسم کا تعلّق توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اعلان کیا کہ آئندہ کوئی کافر خانۂ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر حج کر سکے گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ)

یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) تینوں دن امیر الحج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور حضرت علیؓ نے سورۂ براءت کی آیات پڑھیں۔ منادی کرنے والے ان آیتوں کی اس زور سے منادی کرتے تھے کہ ان کے گلے بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔

قرآن پاک میں اس حج کو "حجِ اکبر" (بڑا حج) کہا گیا ہے اسلام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج کے عہدے پر مامور ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ دونوں ایک ساتھ مدینہ منوّرہ واپس ہوئے۔ مدینہ منوّرہ واپسی تک حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے ہی نماز پڑھتے رہے۔ اس روایت سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی جگہ امیر الحج مقرّر فرمایا تھا۔

(محمد رسول اللہ۔ از علامہ محمد رضا مصری)

حجۃ الوداع (۱۰ ہجری)

ذیقعدہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یہ حضورؐ کا آخری حج تھا اس لیے اس کو "حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اس حج میں حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ حضورؐ کا سامانِ سفر انہی کی اونٹنی (یا اونٹ) پر لادا گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب یہ آیت نازل ہوئی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ

نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۰

(یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔)

تو عام صحابہ کرامؓ کو یہ آیت سن کر بہت خوشی ہوئی لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ رونے لگے کیونکہ وہ اپنی فراستِ ایمانی سے سمجھ گئے کہ جب دین مکمل ہو گیا تو حضورؐ زیادہ عرصہ تک دنیا میں نہیں رہیں گے۔

جیشِ اُسامہؓ میں شرکت

حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد ماہ صفر ۱۱ ہجری کے آغاز میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک لشکر شام کی طرف بھیجنے کے لیے تیار فرمایا اور اس کا سردار حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ مہم بھیجنے کا مقصد غزوہ موتہ کا بدلہ لینا تھا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سمیت بہت سے مہاجرین اوّلین شامل تھے۔ حضرت اُسامہؓ کی عمر اس وقت صرف انیس بیس برس کی تھی۔ بعض لوگوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کی کہ اُسامہؓ کم عمر اور ناتجربہ کار ہیں اس لیے کسی جہاندیدہ آدمی کو امیر لشکر کیا جائے۔ حضورؐ نے ان لوگوں کی اس بات پر ناگواری محسوس فرمائی۔ آپؐ کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اُسامہ کی امارت پر تمہارا اعتراض کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو ــــ خدا کی قسم وہ امارت کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی امارت کا اہل ہے۔ وہ مجھ کو بہت

محبوب تھا اور یہ بھی ہر حسنِ ظن کے قابل ہے۔"

اس خطبہ کے بعد آپؐ کاشانہ اقدس میں واپس تشریف لے گئے۔

اس لشکر نے مدینہ سے باہر نکل کر "جرف" کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، اسی اثناء میں حضورؐ بہت علیل ہو گئے حضرت اسامہؓ کو اطلاع ملی تو وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آگئے ——— جلد ہی حضورؐ وصال فرما گئے۔ اس کے ساتھ ساری فوج مدینہ واپس آگئی اور اس وقت یہ مہم ملتوی ہو گئی۔



رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت

ماہ صفر ۱۱ھ ہجری کی ۱۸ یا ۱۹ تاریخ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت گورستانِ بقیع میں تشریف لے گئے اور اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ واپس گھر تشریف لائے تو سر درد اور بخار ہو گیا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ علیل ہوئے پانچ روز گزر گئے تو دوسری سب ازواجؓ سے اجازت لے کر آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں قیام فرمایا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپؐ پانچوں وقت مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لاتے رہے۔ زمانۂ علالت میں ایک دن نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے۔ پہلے شہدائے اُحد کے واسطے دعائے مغفرت کی، پھر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہے وہ دُنیا کی نعمتوں کو قبول کرے اور چاہے تو اللہ کے پاس جاکر جو نعمتیں ملنے والی ہیں ان کو قبول کرے۔ اس بندے نے اللہ کے پاس جاکر ملنے والی نعمتوں کو قبول کیا۔"

یہ سُن کر حضرت ابُوبکر صدیقؓ رونے لگے کیونکہ وہ اپنی فراستِ ایمانی سے حضُورؐ کے ارشاد کی تہہ کو پہنچ گئے اور سمجھ گئے کہ حضورؐ نے جس بندے کا ذکر فرمایا ہے وہ آپؐ خود ہیں[1] انہوں نے بے تاب ہو کر عرض کیا:

---

[1] ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ حضُورؐ کی علالت شروع ہونے سے پہلے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۱۱۶ پر)

"نہیں یا رسول اللہؐ ہم اپنی جانیں اور مال باپ آپؐ پر قربان کردیں گے۔"

حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے ابوبکرؓ رو ؤ مت۔ سب سے زیادہ میں جس کی رفاقت اور مال کا احسانمند ہوں وہ ابوبکرؓ ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلام کی اُخوّت اور محبّت کافی ہے۔

• مسجد کے رُخ کوئی دروازہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔" [۱]

(صحیح بخاری کتاب المغازی وکتاب الصلوٰۃ)

جب حضورؐ کی نقاہت حد سے بڑھ گئی تو حکم دیا کہ ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں —— اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا:۔ "وہ رقیق القلب آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں، آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔" (یعنی اُن پر رقّت طاری ہو جائے گی) لیکن حضورؐ نے مکرر فرمایا کہ ابوبکرؓ ہی نماز پڑھائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پیش آیا۔ اس روایت کے مطابق حضورؐ نے حجۃ الوداع سے واپس تشریف لاکر ایک دن ایک طویل خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کو سن کر رونے لگے تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع ہے۔ (صحیح بخاری باب فضائل الصدیق)

[۱] حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک مکان مسجد نبویؐ سے متصل تھا۔ اس کا دروازہ مسجد کے صحن میں تھا یہ مکان انہیں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عطا فرمایا تھا۔

جب حضرت عائشہؓ کے ایماء پر حضرت حفصہؓ نے بھی یہی بات حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی تو حضورؐ نے جھڑک کر اپنے ارشاد کی تعمیل پر زور دیا۔ چنانچہ پنجشنبہ کی عشاء کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نماز پڑھانی شروع کی اور دوشنبہ کی فجر تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اس دوران میں ایک دن حضورؐ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پاکر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے اشارہ سے روک دیا۔ پھر اُن کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔[۱]

۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن صبح کے وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ آپؐ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز کے لیے صفیں باندھے کھڑے تھے آپؐ کا روئے انور فرطِ مسرّت سے چمک اٹھا۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ وہ خوشی سے بے قابو ہو چلے حضرت ابوبکرؓ نے بھی پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے ان کو نماز پوری کرنے کا

---

[۱] صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نماز کے بعد حضورؐ نے ایک مختصر خطبہ دیا جس میں (حضرت ابوبکرؓ کو رُلا دینے والے) وہ الفاظ ارشاد فرمائے جن کا ذکر پیچھے آچکا ہے دراصل علالت نبویؐ کے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کی ترتیب میں بہت اختلاف ہے۔ یہ واقعات پیش ضرور آئے لیکن کسی واقعہ کے بارے میں یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں دن پیش آیا۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی نے "سیرۃ الصدیقؓ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ دوشنبہ کو نماز فجر کے وقت مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا پھر حجرہ میں تشریف لے گئے اور اسی دن چاشت کے وقت وفات پائی۔ لیکن دوسری روایات کے مطابق حضورؐ نے دوشنبہ کی سہ پہر کو رحلت فرمائی۔

اشارہ کیا اور حجرے کا پردہ گرا دیا۔ اس روز بظاہر حضورؐ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ نماز کے بعد اجازت لے کر مدینہ منورہ کی نواحی بستی (یا محلہ) سُنح تشریف لے گئے جہاں ان کی اہلیہ حبیبہؓ بنت خارجہ رہتی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے جانے کے بعد جوں جوں دن چڑھتا گیا آپؐ کی بیماری میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ اس وقت آپؐ کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوش میں تھا۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپؐ نے بہ نظر رغبت اس کو دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے مسواک لے کر پہلے خود چبا کر نرم کی پھر حضورؐ کے دست مبارک میں تھما دی۔ آپؐ نے پوری قوت سے اس کو دندان مبارک پر پھیر کر رکھ دیا۔ اس وقت بے چینی انتہا کو پہنچ گئی اور جسم مبارک ڈھیلا پڑ گیا، اسی حالت میں آپؐ نے تین بار "بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی" (اب اور کوئی نہیں وہی سب سے بڑھ کر ساتھی چاہیے) کے الفاظ ارشاد فرمائے اور اس کے ساتھ ہی آفتاب رسالت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔



صدیق اکبرؓ غم کے اندھیروں میں منارۂ نور بن گئے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت صحابۂ کرامؓ کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سالم بن عبیدؓ کی زبانی یہ دلدوز خبر سنی تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر سُنح سے مدینہ منورہ پہنچے اور سیدھے حجرۂ اقدس میں داخل ہوئے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے نقشیں بردِ یمانی ہٹائی، آپؐ کی جبینِ مبارک پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا اَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ فَقَدْ ذُقْتَھَا ثُمَّ لَنْ یُّصِیْبَکَ بَعْدَھَا مَوْتَۃٌ اَبَدًا۔

"آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپؐ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے حق میں لکھ دی تھی اس کا ذائقہ آپؐ نے چکھ لیا اب اس کے بعد آپؐ کبھی وفات نہیں پائیں گے۔"

یہ کہہ کر حضورؐ کا چہرۂ اقدس چادر سے ڈھک دیا اور باہر نکلے۔ اس وقت مسجدِ نبوی میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا اور حضرت عمرِ فاروقؓ وفورِ جذبات میں لوگوں سے کہہ رہے تھے:

"جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں میں اُس کا سر قلم کر دوں گا ۔ واللہ آپؐ نے وفات نہیں پائی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے رب کے پاس گئے ہیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی چالیس دن کے بعد واپس آ گئے تھے حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے ہیں ــــ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس تشریف لائیں گے اور لوگوں (منافقوں) کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے ۔"

صدیق اکبرؓ اگرچہ فرطِ غم سے نڈھال تھے، لیکن اُن کے عشقِ رسولؐ اور خیر خواہیٔ اُمت کے جذبہ کو گوارا نہ ہوا کہ لوگ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں ۔ غم واندوہ کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ منارۂ نور بن کر کھڑے ہو گئے ۔ پہلے تو حضرت عمرِ فاروقؓ کو آواز دی :-

"اے عمر سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ !"

یا بروایتِ دیگر فرمایا :

"اے قسمیں کھانے والے ٹھہر جا ، جلدی نہ کر ۔"

حضرت عمرؓ سخت جوش اور وارفتگی کے عالم میں تھے انہوں نے صدیق اکبرؓ کی بات سُنی اَن سُنی کر دی ، اس پر صدیق اکبرؓ کو جلال آ گیا وہ آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"اے لوگو ! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۔ (سورۂ آل عمران : ۱۴۴)

اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (کفر کی جانب) پھر جاؤ گے ؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو عنقریب جزا دے گا۔ "

صدیق اکبرؓ کا خطبہ سن کر لوگ چونک پڑے اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے ۔بروایت حضرت ابوہریرہؓ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اس آیت کو سُن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے ، کھڑے رہنے کی سکت نہ رہی میں زمین پر گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال نے مسلمانوں کے ہوش وحواس پر بجلی گرا دی تھی ۔ اس ہوش رُبا موقع پر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے جو کچھ کیا ، اس کا محرک ان کا جذبۂ عشقِ رسولؐ تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ کیا وہ بھی اُن کے عشقِ رسولؐ کا مظہر تھا۔ لیکن ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کے عشقِ رسولؐ میں ایک لطیف فرق تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے عشق میں وارفتگی اور از خود رفتگی تھی اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے عشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا فکر اور صبر و ثبات تھا۔ عشق وارفتہ سے

سادہ مزاج مسلمانوں میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ ثانی کا عقیدہ رواج پا سکتا تھا اور لوگ اس امید پہ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھ سکتے تھے کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان اسی وقت جاری ہوگا جب اس دنیائے فانی میں آپؐ کا دوبارہ ظہور ہوگا۔ حالانکہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اُس وقت بھی جاری وساری تھے۔ آج بھی جاری وساری ہیں اور قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔ سیّدنا صدیقِ اکبرؓ نے جونہی یہ نکتہ مسلمانوں کو سمجھایا معاً ان کے سامنے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ عالی حقیقتِ کبریٰ بن کر سامنے آ گیا:

> "اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا کہ جس کو چاہے قبول کرے۔ اس نے دنیا پر عقبیٰ کو ترجیح دی۔"

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ احسانِ عظیم تھا جو سیّد المرسلین و الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُمّتِ مُسلمہ پر ابرِ رحمت بن کر برسا۔ لیکن ابھی عشق کے اور بھی امتحان تھے جن سے افضل الاُمّتؓ کو گزرنا تھا۔



خلافت

از ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری

تا

۲۲ جمادی الاخری سنہ ۱۳ ہجری

مدّتِ خلافت

دو سال تین مہینے گیارہ دن



خلافت

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری کو پیر کے دن شام کے قریب (عصر اور مغرب کے درمیان) ہوئی۔ اس کو سہ پہر کا وقت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اصل میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضؓ بن مالک نے "آخر یوم" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے اہلِ علم نے دن کا آخری حصہ ہی مراد لیا ہے جس میں سہ پہر سے شام تک کا وقت شامل ہے۔ اس سانحۂ عظیم سے صحابۂ کرامؓ پر قیامت بیت گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سُنح سے مدینہ منوّرہ تشریف لانے پر جو واقعات پیش آئے ان کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ جب تمام صحابۂ کرامؓ کو حضورؐ کی وفات کا یقین ہو گیا تو وہ سخت پریشانی کے عالم میں تین چار جگہ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ اب کیا ہو گا۔ مہاجرین کی ایک کثیر تعداد حضرت ابوبکرؓ کے پاس غمگین بیٹھی تھی۔ ازواجِ مطہراتؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ اقدس میں غم و اندوہ سے نڈھال بیٹھی تھیں۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عباسؓ اور حضورؐ کے کئی دوسرے قرابت دار سیّدہ فاطمۃ الزہرؓ کے گھر میں جمع تھے اور انصارِ مدینہ سقیفۂ بنو ساعدہ میں جمع ہو رہے تھے۔

رات کا آغاز ہوا تو کسی نے آکر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے پاس موجود مہاجرین کو بتایا کہ سقیفۂ بنو ساعدہ[1] میں انصار کی ایک کثیر تعداد جمع ہے اور

---

[1] یہ ایک حویلی یا چوپال تھی جو رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی ملکیت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کی بحث چھڑ گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر فکرمند ہوئے کہ ابھی ابھی حضورؐ ہم سے جدا ہوئے ہیں اُمّت اس وقت سربراہ کے بغیر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا فتنہ پیدا ہو جائے اور ملّتِ اسلامیہ افتراق و انتشار میں مبتلا ہو جائے۔ وہ فوراً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امین الاُمّت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو ساتھ لے کر سقیفۂ بنو ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ راستے میں ہمیں انصار کے دو نیک آدمی ملے۔ انہوں نے انصار کے اجتماعِ عام اور ان کے ارادے سے ہمیں آگاہ کیا[۱] اور پھر پوچھا کہ آپ لوگوں کا کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا ہم اپنے انصاری بھائیوں کے پاس سقیفہ جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا وہاں جا کر آپ کیا کریں گے؟ خلافت کے بارے میں آپ خود فیصلہ کر لیں۔ میں نے کہا نہیں ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ سقیفہ پہنچے تو اس سے پہلے حضرت سعدؓ بن عبادہ نے انصار کے سامنے ایک پُر زور خطبہ دیا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ "انصار کو اسلام میں جو سبقت اور فضیلت حاصل ہے،

---

[۱] انصار نے سقیفۂ بنو ساعدہ (بنو ساعدہ کی چوپال) میں جمع ہو کر اپنے آپ کو خلافت کا حقدار ٹھہرایا تھا اور رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ ساعدی انصاری کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت معنؓ بن عدی انصاری اور حضرت عویمؓ بن ساعدہ انصاری اپنے بھائی بندوں کی رائے سے متفق نہیں تھے اور مہاجرین کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے وہ اس مجمع سے اٹھ گئے۔ انصار کے یہی دو نیک آدمی تھے جو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو راستے میں ملے اور انہیں سقیفۂ بنو ساعدہ میں ہونے والی کارروائی سے آگاہ کیا۔ ان بزرگوں نے کوئی یک طرفہ فیصلہ کرنے کے بجائے انصار کے پاس جا کر ان سے بالمشافہ گفتگو کرنا مناسب سمجھا۔

وہ عرب کے کسی دوسرے قبیلے کو حاصل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس سے زیادہ عرصہ تک اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور بُت پرستی کو ترک کرنے کی دعوت دیتے رہے لیکن معدودے چند لوگوں کے سوا آپ پر کوئی ایمان نہ لایا۔ جو ایمان لائے اُن میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی قوّت تھی نہ دین کو سر بلند کرنے کی طاقت، وہ تو خود اپنی حفاظت سے عاجز تھے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تم کو فضیلت دے تو اس نے تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی توفیق دی نیز اس امر کی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کی حفاظت کرو اُن کا اور ان کے دین کا اعزاز بڑھاؤ اور اُن کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ یہاں تک کہ تم ان دشمنوں پر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ہو گئے اور تمام عرب طوعاً و کرھاً حکمِ الٰہی کے سامنے جھک گیا۔ یہ تمہاری ہی تلواریں تھیں جنھوں نے عرب کو مطیع و منقاد بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک تم سے خوش رہے۔ اس بناء پر تم سے بڑھ کر خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔"

ان کا خطبہ ختم ہوا تو ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ آپ کی رائے نہایت صائب ہے۔ آپ ہم میں سے سربرآوردہ ہیں اور صلحائے مومنین کے محبوب۔ ہمارے نزدیک منصبِ خلافت کے لیے آپ ہی سب سے بڑھ کر موزوں ہیں۔

اس کے بعد یہ بحث و گفتگو ہونے لگی کہ اگر مہاجرین نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم کو سبقت فی الاسلام اور راہِ حق میں گھر بار چھوڑنے کا شرف حاصل ہے اس لیے خلافت کے حقدار ہم ہیں تو ہم کیا جواب دیں گے۔ حضرت حبابؓ بن منذر نے کہا کہ ہم یہ جواب دیں گے — "اس صورت میں ایک امیر تم میں سے ہو اور

ایک ہم میں سے۔"

حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے ان کی بات سُنی تو بولے:

"یہ پہلی کمزوری ہے۔"

انصار میں یہ بحث ابھی جاری تھی کہ یکایک انہوں نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ، حضرت عُمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدؓ بن الجراح کو اپنے درمیان پایا۔ ان کے سامنے بھی بعض انصاری بزرگوں نے پُر زور تقریریں کیں جن میں انصار کے حقوق وفضائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ جب وہ اپنا زورِ خطابت دکھا چکے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے جواب میں خطبہ دینا چاہا لیکن حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے اُن کو روک دیا اور خود خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا:

"واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق میں رسول بنا کر اور اُمت کے لیے گواہ بنا کر بھیجا اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ حالت یہ تھی کہ لوگ مختلف معبودوں کی اس خیالِ خام سے پرستش کرتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے شفاعت کر کے اُن کو نفع پہنچائیں گے۔ ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ پتھر اور لکڑی سے تراش لیے گئے تھے۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے:

(ترجمہ آیت) "اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ہمارا قرب بڑھائیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کرنا گراں گزرا۔ اس

وقت اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسولؐ کی) قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپؐ کی تصدیق کی، آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی خدمت کے لیے کمر باندھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں، ایسے حال میں کہ تمام آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے اور ان کے جانی دشمن بن گئے تھے لیکن وہ اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے باوجود ہراساں نہ ہوئے۔ پس یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے بڑھ کر مستحق، سوائے ظالم کے کوئی شخص اس معاملہ میں ان سے جھگڑا نہیں کر سکتا۔ اے گروہ انصار تمہاری دینی فضیلت اور سبقت فی الاسلام کے عظیم شرف سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے اپنے دین اور اپنے رسولؐ کی مدد کے لیے انتخاب کیا۔ اپنے رسولؐ کو ہجرت کے بعد تمہارے پاس بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اصحاب تم ہی میں سے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین اوّلین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ پس ہم امراء ہوں اور تم وزراء۔ تم اپنے مشورے پر ضد نہ کرنا ہم تمہارے مشورہ کے بغیر معاملات طے نہیں کریں گے۔“

—— ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا:

”تم نے جو کچھ اپنے فضائل بیان کیے تم ان کے اہل ہو لیکن یہ امر (خلافت) قریش کے علاوہ دوسروں کے متعلق نہ ہوگا (یعنی عرب قریش کے سوا کسی دوسرے کی حکومت تسلیم نہیں کریں گے) وہ نسب

اور مسکن کے لحاظ سے تمام عرب سے افضل ہیں اور میں تمہارے
لیے (حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
ان دو شخصوں میں سے ایک کو خلیفہ انتخاب کرتا ہوں ان میں سے
جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خطبہ کے بعد بھی بعض انصاری بزرگوں نے اپنے استحقاقِ خلافت پر اصرار کیا بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت حبابؓ بن منذر انصاری نے اس موقع پر کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔ لیکن حاضرین میں سے کسی نے ان کی تجویز قبول نہ کی بالآخر حضرت ابو عبیدہؓ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے گروہِ انصار تم نے مدد اور قوّت پہنچانے میں سبقت کی تھی لہٰذا تغیّر و تبدل کرنے میں سبقت نہیں کرنی چاہیے۔"

یہ سُن کر دو جلیل القدر انصاری بزرگوں حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت بشیرؓ بن سعد نے مہاجرین کی حمایت کی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا:

"یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مہاجرین میں سے تھے اس لیے ضروری ہے کہ امام بھی مہاجرین میں سے ہو اور ہم اس کے اسی طرح انصار (مددگار) ہوں جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تھے۔"

حضرت بشیرؓ بن سعد نے فرمایا:

"اے انصار، ہم نے مشرکین سے جہاد کرنے میں فضیلت اور دین میں سبقت حاصل کی اور یہ سب کچھ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اور رضائے الٰہی کے لیے تھا، یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے سبب سے

ہم دوسرے لوگوں پر اپنا حق جتائیں اور متاعِ دنیا کے خواہاں ہوں۔ ہم کو ان کا اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ خوب سمجھ لو کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم قریش میں سے تھے اور آپؐ کی قوم آپؐ کی جانشینی کی سب سے زیادہ مستحق و اہل ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ مجھ کو کبھی نہ دیکھے گا کہ میں ان سے اس معاملے میں نزاع کروں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اُن سے جھگڑا نہ کرو۔"

حضرت بشیرؓ بن سعد کی تقریر کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، یہ عمرؓ اور ابوعبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو۔ دونوں نے بیک زبان کہا:

"نہیں خدا کی قسم اس معاملہ میں ہم آپ پر سبقت نہیں کر سکتے آپ افضل المہاجرین ہیں، غار میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رفیق اور نماز کی اقامت میں آپؐ کے قائم مقام رہے اور نماز وہ شے ہے جو امورِ دین میں سب سے افضل ہے۔ ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔"

اس سلسلے میں امام بخاریؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک طویل بیان نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں تقریر کے لیے نہایت مناسب اور موزوں الفاظ سوچ چکا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مجھے تقریر کرنے سے روک دیا اور خود تقریر کی۔ ان کی تقریر بڑی دل پسند تھی، انہوں نے وہ تمام باتیں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فی البدیہہ کہہ ڈالیں جو میں نے سوچ رکھی تھیں لیکن ان کی یہ بات مجھے بہت ناگوار گزری کہ انہوں نے خلافت کے لیے میرا نام پیش کیا۔ خدا کی قسم

اگر کسی گناہ کے بغیر میری گردن ماردی جاتی تو یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں ابوبکرؓ موجود ہوں۔

(صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۰۰۹)

اس کے فوراً بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی تمام مجمع بیعت کے لیے لوٹ پڑا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی لیکن اس افراتفری کے ہجوم میں حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کس بزرگ نے بیعت میں سبقت لی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے بیعت کی اور انصار میں سب سے پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد نے —— بہرحال راتوں رات (۱۲ اور ۱۳ ربیع الاول کی درمیانی شب میں) یہ اہم مسئلہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہوگیا لیکن اس موقع پر جو بیعت ہوئی وہ بیعت خاصّہ تھی ابھی بیعتِ عامّہ کا انعقاد باقی تھا۔ دوسرے دن علی الصّباح (سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو) عامّۃ المسلمین مسجدِ نبویؐ میں جمع ہوئے۔ پہلے حضرت عمرؓ نے منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا:

"مجھ کو امید تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہم سب کے بعد بھی اس دنیا میں تشریف فرما رہیں گے لیکن اب اگر محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وفات پائی تو اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے (قرآنِ حکیم) جو تم کو وہ راستہ دکھائے گا جس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم چلا کرتے تھے اور بلاشبہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی اور ثانی اثنین ہیں اور وہ سب سے بڑھ کر تمہاری سربراہی کے اہل ہیں پس آگے بڑھو اور ان کی بیعت کرو۔"

خطبہ ختم کر کے انہوں نے حضرت ابُوبکرؓ سے درخواست کی کہ منبر پر رونق افروز ہوں لیکن وہ خاموش اپنی جگہ پر بیٹھے رہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے بہت اصرار کیا تو صدّیق اکبرؓ منبر پر اُس مقام سے ایک درجہ نیچے بیٹھ گئے جہاں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم قیام فرمایا کرتے تھے۔ ان کے منبر پر بیٹھتے ہی تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی یوں بیعتِ عامّہ بھی منعقد ہو گئی۔

(صحیح بخاری جلد ۲ باب الاستخلاف)

بیعتِ عامّہ کے بعد حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر یہ خطبہ دیا:

" اے لوگو! خدا کی قسم نہ میں کبھی دن میں اور نہ کبھی رات میں امارت کا خواہاں تھا۔ نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی اور نہ میں نے کبھی پنہاں یا آشکارا اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا کی البتہ مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے، اس لیے اس بارِ گراں کو اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا ورنہ امارت میں مجھے کوئی راحت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا بوجھ مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت کرنے کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور اللہ عزّ وجلّ کی امداد کے بغیر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ کاش آج میری بجائے کوئی ایسا شخص امیر ہوتا جو اس بوجھ کو اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر سیدھے راستے پر چلوں (اچھا کام کروں) تو میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں انشاء اللہ، اور تم

میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں، انشاءاللہ ــــ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ۔ جلد ۵)

علّامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ پھر کبھی کسی کی زبان سے ایسا خطبہ سننے میں نہیں آیا۔ بیعت کے بعد سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا لقب "خَلِیفَۃُ الرَّسُول" یا "خلیفہ رسول اللہ ﷺ" ہوا۔ ایک دفعہ کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں۔"

بیعت عامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ حضور ﷺ کے جسدِ اطہر کو حضرات علیؓ، عباسؓ، فضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ، شقران صالحؓ اور اوس بن خولی انصاری نے غسل دیا اور انہوں نے ہی کفن پہنایا۔ کفن پہنانے کے بعد سوال پیدا ہوا کہ حضور ﷺ کے لیے قبر کہاں تیار کی جائے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ حدیث بیان کی:

مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ

(نبی کا جہاں انتقال ہوتا ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے)

ایک اور روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ آئے ہیں:

مَا قَبَضَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّدْفَنَ فِیْہِ

(اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا محبوب ہوتا ہے)

چنانچہ بالاتفاق یہ طے پایا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارک ہی میں حضورؐ کے لیے قبر تیار کی جائے۔ حضرت ابوطلحہؓ بن انصاری نے حجرہ مبارک کے اندر بغلی قبر کھودی۔ پھر لوگوں نے گروہ در گروہ اندر جا کر نمازِ جنازہ پڑھنی شروع کی (امامت کسی نے نہیں کرائی) یہ سلسلہ رات تک مسلسل جاری رہا اور سہ شنبہ اور چہار شنبہ (۱۳ اور ۱۴ ربیع الاوّل سنہ۱۱ھ) کی درمیانی شب کو کسی وقت جسدِ اقدس کو آخری آرام گاہ میں پہنچانے کی نوبت آئی۔ بعض لوگ خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ خلافت کے مسئلے میں مشغول رہے اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کفن دفن میں شریک نہ ہوئے۔ یہ بے سر و پا روایت صحابۂ کرامؓ سے بغض کی بنیاد پر وضع کی گئی ہے ورنہ اصل واقعات وہی ہیں جو مستند ترین ذرائع سے اخذ کر کے اوپر بیان ہوئے ہیں۔

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کا اُمت پر احسان ہے کہ انہوں نے اس ہوشربا موقعے پر بے مثال صبر و استقامت اور تدبیر و حکمت سے کام لیا اور ملّتِ اسلامیہ کو اختلاف و انتشار سے بچا لیا۔ درحقیقت اس وقت مدینہ منورہ کے انصار اور مہاجرین ہی پورے عرب میں عملاً نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھوں نے کسی دباؤ یا لالچ کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو انتخاب کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ درست ہے کہ پہلے انصار کے دل میں اپنی قربانیوں کی بناء پر خلافت کا خیال پیدا ہوا لیکن جب ان کے سامنے صحیح صورتِ حال رکھی گئی تو ان نیک نفس اور نیک نیت اصحاب نے فوراً اپنا دعویٰ ترک کر دیا اور بلا تامّل اُمت کی بہترین شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

کچھ روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی ایک قلیل جماعت (جس میں حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعدؓ بن عُبادہ انصاری جیسے اکابر صحابہ شامل تھے) بیعتِ خاصہ یا بیعتِ عامّہ میں بوجوہ شریک نہ ہوئے۔ ان میں سے جہاں تک مہاجرین (حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور چند دوسرے صحابہ) کا تعلق ہے اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ ان سب نے جلد یا بدیر (کچھ توقف کے بعد) حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی اور برملا ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔ ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب اصحاب نے بیعتِ عامّہ کے دن ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔ البتہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بارے میں ابن اثیرؒ، ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن عبد البرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی اور دل برداشتہ ہو کر حوران (شام) چلے گئے، جہاں چند سال بعد کسی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ اس کے برعکس علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بیعت کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"تتابع القوم علی البیعۃ و بایع سعدؓ"

(قوم نے بیعت میں ایک دوسرے کی پیروی کی اور سعدؓ نے بھی بیعت کی)

طبری ہی کی ایک اور روایت میں خود حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی زبانی ان کی بیعت کا اعتراف موجود ہے اور یہ بیان بھی کہ اگر انہوں نے حضرت ابُوبکرؓ کی بیعت نہ کی ہوتی تو لوگ انہیں شام جانے کے لیے زندہ نہ چھوڑتے۔

"مُسندِ احمد" کی ایک مرسل روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے خوشدلی سے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"حمید بن عبدالرحمٰن حمیری کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابُوبکر صدیقؓ مدینہ کے کسی حصہ میں تھے اس سانحہ کی خبر

سن کر دہ حضورؐ کے جسدِ اطہر کے پاس آئے اور آپؐ کے چہرۂ اقدس سے چادر اٹھا کر کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپؐ زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی کس قدر حسین و جمیل ہیں۔ اس کے بعد کہا ربِ کعبہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے ..... پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تیزی کے ساتھ انصار کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا اور اس میں انصار کی ہر اس فضیلت کا ذکر کیا جو قرآن میں بیان ہوئی ہے یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمام لوگ کسی وادی کی طرف جائیں اور انصار کسی اور وادی کی طرف تو میں انصار کی وادی اختیار کروں گا اور اے سعد (بن عبادہ) تم بھی اس وقت وہاں موجود تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قریش خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ لوگوں کے بھلے قریش کے بھلے کے تابع ہیں اور لوگوں کے برے قریش کے برے کے تابع ہیں۔ حضرت سعدؓ (بن عبادہ) نے کہا، بے شک آپ سچ فرماتے ہیں ہم انصار وزیر ہیں اور آپ حضرات امیر۔"

مشہور شافعی فقیہ ابن حجر ہیتمی نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقہ" میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کے تخیل کو غلط قرار دیا ہے۔ صاحب "کنز العمال" نے بھی حضرت سعدؓ کے بیعت کرنے کی روایت کو قبول کیا ہے اور اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ کسی اختلافی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں نیک گمان کرنا ہی بہتر ہے۔ اس لیے ہم انہی روایات کو ترجیح دیتے ہیں جن کے مطابق حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔

بعض تجدد زدہ حضرات ان واقعات کا جو حضورؐ کی وفات کے بعد پیش آئے اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ یہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی صفت کے منافی تھے لیکن بغور دیکھا جائے تو انصار اور مہاجرین کے اس اختلاف میں بھی ان کے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی ایک انوکھی شان پائی جاتی تھی۔ دونوں فریقوں نے اپنے دل کھول کر ایک دوسرے کے سامنے رکھ دیئے اور جب ایک فریق دوسرے فریق کے دلائل سے مطمئن ہو گیا تو وہ فوراً اپنے موقف سے دست بردار ہو گیا۔ اس طرح دونوں فریق ایک مرکز پر مُتحِدّ ہو گئے کسی کے دل میں ملال کا شائبہ تک نہ رہا اور معمول کے مطابق وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے۔



میراثِ رسولؐ کا معاملہ

بیعتِ صدیقیؓ کے انعقاد کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا سب ازواجِ مطہراتؓ نے چاہا کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو سفیر بنا کر خلیفۃ الرسولؐ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، میرے مال میں وراثت جاری نہیں ہو گی میں جو کچھ چھوڑوں گا صدقہ ہو گا۔"

یہ ارشادِ نبویؐ سن کر سب ازواجِ مطہراتؓ خاموش ہو گئیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس معاملے میں کوئی فیصلہ صادر نہ کرنا پڑا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر نیز کتاب الفرائض)

دوسری طرف حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ خیبر اور فدک کی جائداد (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی میراث کے طور پر ان میں تقسیم کی جائے[1]۔

---

[1] شمالی حجاز میں خیبر کے قریب مدینہ منورہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر "فدک" نام کا ایک قدیم گاؤں تھا جس پر یہودی قابض تھے وہاں پانی کے چشمے تھے اور اناج اور کھجور کی پیداوار ہوتی تھی۔ اوائل ۷ھ ہجری میں (فتح خیبر کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۱۳۹ پر)

اس مطالبہ کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے ہمارے مال میں وراثت نہیں ہوگی ہم جو کچھ چھوڑیں گے صدقہ ہوگا البتہ آلِ محمدؐ اس میں سے نفقہ لے سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! سلوک کرنے کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھ کو اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔"

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر)

دوسری روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے یہ الفاظ منقول ہوئے ہیں:

"خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، اس کی جو حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی، وہی رہے گی اور میں وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) — نے حضرت محیصہ رضؓ بن مسعود انصاری کو ایک دستۂ فوج کے ساتھ اہلِ فدک کی طرف روانہ کیا کہ ان کو دعوتِ اسلام دیں۔ اہلِ فدک نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن مسلمانوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ نصف زمین اور اس کی پیداوار مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے چنانچہ فدک کی یہ زمین بطور فے حضورؐ کے قبضے میں آ گئی۔ آپؐ اپنی وفات تک فدک کی زمین اور باغات کی آمدنی کو اپنے اہلِ بیت اور مسافروں کے اخراجات کے لیے صرف فرماتے رہے — اسی طرح خیبر کی زمین اور باغات کو آپؐ نے تین حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔ دو حصوں کی آمدنی عام مسلمانوں کے لیے وقف تھی اور ایک حصے کی آمدنی ازواجِ مطہراتؓ کے سالانہ مصارف کے لیے مخصوص کر دی گئی تھی۔ اس میں سے بھی جو کچھ بچ جاتا وہ غریب اور نادار مہاجرین کی اعانت پر صرف ہوتا تھا۔

کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر)

تیسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"میں بالکل وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کرتے تھے اور اس میں سے کچھ ترک نہ کروں گا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے کسی چیز سے بھی انحراف کیا (کچھ بھی چھوڑا) تو کج ہو جاؤں گا۔"

چوتھی حدیث میں خلیفۃ الرّسول کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

"میں نے سنا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تاہم میں ان سب کی سرپرستی کروں گا جن کی سرپرستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کرتے تھے اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپؐ خرچ کرتے تھے۔"

(مسندِ احمد بن حنبل ج۔ ا ص ۱۰)

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جائداد کا وہی انتظام کیا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا۔ وہ سال بھر کے لیے اس میں سے اہلِ بیت کا نفقہ نکالتے تھے۔ اس کے بعد جو باقی بچتا تھا، اس کو خدا کا مال قرار دیتے تھے یعنی مسافروں، غریبوں، مسکینوں اور اہلِ حاجت پر صرف کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب سن کر سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کا ردِّ عمل کیا تھا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں:۔

(۱) حضرت فاطمۃ الزہراؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں اور آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی۔ (صحیح بخاری)

(۲) حضرت فاطمہؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے جواب سے رنج تو ضرور ہوا اور وہ ناراض بھی ہوئیں لیکن بعد میں راضی ہو گئیں۔ (طبقات ابن سعدؒ)

(۳) حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب سن کر فرمایا:

"پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے اس کے مطابق عمل کیجئے۔ (مسندِ احمد بن حنبل جلد۔ ۱)

(۴) حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اُن کی مزاج پرسی کی اور فرمایا:

"میں نے تو گھر بار، مال و دولت اور کنبہ و قبیلہ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا اور اے اہلِ بیت تمہاری رضا کے لیے چھوڑا تھا۔"

اس پر حضرت فاطمہؓ ان سے خوش ہو گئیں اور کوئی غبار دل میں باقی نہ رکھا۔

(البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیرؒ)

(۵) حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب سن کر اپنے مطالبے پر دوبارہ زور دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"اے خیرۃ النساء، اے خیر الآباءؐ کی لختِ جگر! خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا، میں نے وہی کچھ کیا جس کا آپؐ نے حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے آپ (اہلِ بیت) کی ضروریاتِ زندگی (خوراک) لیا کرتے تھے اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرمایا کرتے۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت فاطمہؓ راضی ہو گئیں۔"

(شرح نہج البلاغہ جلد خامس علامہ کمال الدین میثم البحرانی)

جمہور علماء اہلِ سُنّت وجماعت نے سیّدہ فاطمۃ الزہراءؓ کی (تا دمِ وفات) ناراضی والی روایت کو محلِ نظر ٹھہرایا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس موضوع پر

بخاری کی کئی روایتوں میں سے صرف ایک روایت میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی بیان کی گئی ہے اور یہ راوی کی قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بات باور کرنا مشکل ہے، کہ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ جیسی پاک فطرت خاتون نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سن کر اسے تسلیم نہ کیا بلکہ یہ ارشاد سنانے والے سے ناراض ہوگئیں اور یوں بھی سیدہ فاطمہؓ کی ارفع و اعلیٰ سیرت اور "الفقرُ فخری" کے مصداق کردار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان کو دنیا کے مال اور جائداد سے کوئی رغبت نہ تھی۔ اُن کو تو جو مقررہ حصہ ملتا تھا اس کو بھی راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور خود فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی

لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

(ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا)

سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسی پاک نہاد ہستی سے ناراض ہوگئی ہوں۔ اگر وہ وقتی طور پر رنجیدہ ہوئیں اور اس کا کسی شکل میں اظہار بھی کیا تو اس کی تاویل یہی کی جاسکتی ہے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب کچھ اور سمجھتی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ اس کا جو مفہوم سمجھتے تھے اس سے اُن کو اتفاق نہ ہوگا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بتقاضائے بشریت ان کی یہ ناراضی عارضی تھی بعد میں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے راضی ہوگئیں اور کسی قسم کا ملال اپنے دل میں باقی نہ رکھا۔



جیشِ اُسامہؓ

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں جنگِ مؤتہ کا بدلہ لینے کے لیے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جس کے امیر حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ مقرر فرمائے گئے تھے۔ مگر حضورؐ کی شدید علالت اور وفات کے باعث اس لشکر کی روانگی ملتوی ہوگئی تھی۔ بیعتِ عامہ کے دوسرے دن حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے بحیثیت خلیفۃُ الرّسولؐ سب سے پہلے جو حکم جاری کیا وہ یہ تھا کہ :

"اُسامہؓ کے لشکر کو روانگی کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ اس مُہم کے لیے نامزد کیے گئے تھے اُن میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ پر جُرف (مدینہ کے باہر ایک میدان) میں جمع ہو جائیں۔"

یہ حکم جاری ہوتے ہی مجاہدین جُرف میں جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اُدھر یہ سلسلہ جاری تھا کہ عرب کے طول وعرض سے مختلف بدوی قبائل کی سرکشی اور ارتداد کی خبریں آنے لگیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ وقت بہت نازک تھا ابھی وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے صدمے سے نہیں سنبھلے تھے کہ فتنۂ ردّہ کے ہولناک شعلے بھڑک اُٹھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میرے والد پر ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی نازل

ہوتیں تو ان کو پیس کر رکھ دیتیں۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری طرف اعراب مرتد ہونے لگے تھے۔"

(فتوح البلدان بلاذری)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ:

"اُس وقت مسلمانوں کی حالت بکریوں کے اُس ریوڑ سے مشابہت رکھتی تھی جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالتِ بارش میدان میں گلّہ بان کے بغیر رہ جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ کے ذریعے ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔"

(فتوح البلدان بلاذری)

ان تشویشناک حالات کے پیشِ نظر صحابۂ کرامؓ نے خلیفۃ الرسولؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو اصحاب جیشِ اُسامہؓ میں شریک ہو کر جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے منتخب اور چیدہ افراد ہیں ان کی غیر حاضری سے مرکزِ خلافت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اس نازک موقع پر مسلمانوں کی جمعیّت کو منتشر نہ کیا جائے۔

یہ مشورہ سن کر عشقِ رسولؐ سے سرشار خلیفۃ الرسولؐ نے جواب دیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہے اور درندے اور کُتّے مجھ کو بھنبھوڑ کھائیں تو بھی میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی تعمیل میں اُسامہؓ کا لشکر ضرور بھیجوں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے مجمع عام میں بھی خطبہ دیا اور لشکر کو تیار ہونے کی تاکید کی۔ جب تمام لشکر جرف میں جمع ہو گیا تو خود امیرِ لشکر حضرت اُسامہؓ

نے خلیفۃ الرسولؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"اے خلیفۃ الرسولؐ! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شام پر لشکرکشی کا حکم دیا تھا لیکن اس وقت حالات تشویشناک ہیں، مجھے لوگوں کے مرتد ہو جانے کا خوف دامن گیر ہے۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پھر گئے تو سب سے پہلے میں انہی لوگوں سے جنگ کروں گا اور اگر مرتد نہ ہوئے تو پھر میں شام کی جانب روانہ ہو جاؤں گا۔ میرے ساتھ بڑے بہادر اور آزمودہ کار سپاہی ہیں۔"

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر میری جان بھی چلی جائے تو کچھ پروا نہیں لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔"

(تاریخ الخلفاء، السیوطیؒ)

اس کے ساتھ ہی حضرت عمر فاروقؓ انصار کا یہ پیغام لے کر خلیفۃ الرسولؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اگر آپ کو لشکر ضرور روانہ کرنا ہے تو اس کی امارت پر نوجوان اسامہؓ کے بجائے کسی معمر اور تجربہ کار آدمی کو مقرر کیجیے۔

صدیق اکبرؓ کو یہ پیغام سن کر جلال آگیا اور انہوں نے بڑے سخت لہجے میں حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔

"خطاب کے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور تم مجھ کو مشورہ دیتے ہو کہ میں ان کو معزول کر دوں؟"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ بہ نفس نفیس جرف کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ امیر لشکر حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار

ہوئے تو صدیق اکبرؓ اپنے گھوڑے کی باگ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاتھ میں تھما کر پا پیادہ حضرت اُسامہؓ کی مشایعت کے لیے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا: "اے خلیفۃ الرسولؐ یا تو آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھ کو بھی گھوڑے سے اتر کر پیادہ چلنے کی اجازت دیں۔"

صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

"تم کو خدا کی قسم جو اترو۔ میں بھی ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔ اگر کچھ دیر کے لیے میں اپنے قدم اللہ کی راہ میں خاک آلود کر لوں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں جو قدم رکھتا ہے اس کے عوض سات سو نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت اُسامہؓ سے فرمایا: "اگر نامناسب خیال نہ کرو تو عمرؓ بن خطاب کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو اس کے مشورے کی ضرورت ہوگی۔" حضرت اُسامہؓ نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے لشکر کو تھوڑی دیر کے لیے رکنے کا حکم دیا اور پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگو! میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو اچھی طرح یاد رکھنا۔ دیکھو خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، امیر کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے اعضاء مت کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھجور یا کسی اور پھلدار درخت کو مت کاٹنا اور نہ اس کو جلانا، بکری، گائے یا اونٹ کو کھانے کی ضرورت کے سوا ذبح نہ کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا سے الگ تھلگ عبادت خانوں میں گوشہ نشین ہوں گے ان سے کچھ نہ کہنا اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا، اور تم

کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں میں رکھ کر لائیں گے، ان کھانوں میں یکے بعد دیگرے جب کچھ کھاؤ تو اللہ کا نام لیتے جانا۔ اور تم ایسے لوگوں سے بھی دو چار ہو گے جن کے سر بیچ میں سے مُنڈے ہوں گے اور پیچھے چھوٹے ہوں گے تم ان کو تلوار سے کھٹکھٹانا۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔ اللہ تم کو دشمن کے حربے اور طاعون سے محفوظ رکھے۔"

(طبری ج ۲۔ ص ۴۶۳)

ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اُسامہؓ کو خاص طور پر مخاطب کرکے فرمایا:

"اے اُسامہؓ، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تم کو جیسا حکم دیا تھا ویسا ہی کرنا، حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں مطلق کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔"

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی وفات سے پہلے حضرت اُسامہؓ کو جیش کا افسر مقرر فرما کر حکم دیا تھا کہ "فلسطین (جو اس وقت شام کا ایک صوبہ تھا) کی سرزمین بلقا اور داروم کے علاقوں کو پامال کرکے آؤ۔" خلیفۃُ الرسولؓ نے حضرت اُسامہؓ کو حضورؐ کا حکم یاد دلا کر مزید تاکید کی کہ حضورؐ کے حکم سے سرِ مو انحراف نہ ہو اور ہر قیمت پر اس کی تعمیل کی جائے۔

جیشِ اُسامہؓ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کے انیس دن بعد مدینہ منوّرہ (جُرف) سے روانہ ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس لشکر کی تعداد سات سو سے تین ہزار ہو گئی تھی، جس میں ایک ہزار سوار فوج تھی۔ یہ لشکر وادی القریٰ سے ہوتا ہوا اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا اور دشمن پر کاری ضرب لگا کر اس کو کبھی نہ

بھولنے والا سبق دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا جس نے جنگِ مؤتہ (۸ ہجری) میں حضرت اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت اُسامہؓ کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا۔

لڑائی کے بعد حضرت اُسامہؓ نے ایک دن ابنی کے مقام پر قیام کیا اور مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا۔ دوسرے دن وہ وادی القریٰ ہی کے راستے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وادی القریٰ پہنچ کر اپنی مہم کی کامیابی کی اطلاع دربارِ خلافت میں بھیجی۔ اس مہم میں مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا اور سب مجاہدین بخیر و عافیت واپس آئے تھے اس لیے اہلِ مدینہ کو جیشِ اُسامہؓ کی کامیاب مراجعت پر بے پناہ مسرّت ہوئی اور انھوں نے حضرت ابو بکر صدّیقؓ کی قیادت میں اس لشکر کا والہانہ جوش و خروش سے استقبال کیا۔ حضرت اُسامہؓ اس شان سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے کہ اپنے والد حضرت زیدؓ شہیدِ مؤتہ کے گھوڑے "سبحہ" پر سوار تھے اور ان کے آگے آگے حضرت بریدہؓ بن حصیب اسلمی وہ پرچم اڑاتے ہوئے چل رہے تھے جو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت اُسامہؓ کو مرحمت فرمایا تھا۔

ابنِ عساکرؒ کا بیان ہے کہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ —— اگر ابو بکرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی پرستش نہ ہوتی۔"

فرطِ مسرّت میں انھوں نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے۔

اس مہم کی تکمیل تقریباً ستّر دن میں ہوئی۔ ایک روایت چالیس دن کی بھی ہے لیکن قولِ راجح یہی ہے کہ جیشِ اُسامہؓ تقریباً ستّر دن کے بعد مدینہ واپس آیا۔
(رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ نہایت نازک وقت میں اس لشکر کے بھیجنے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقصد یہ تھا کہ سرکشی پر آمادہ قبائلِ عرب پر مدینہ منورہ میں موجود مسلمانوں کی قوت کی دھاک بیٹھ جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیشِ اسامہؓ کا شام جانا اور وہاں سے مظفر و منصور واپس آنا قبائلِ عرب کو کسی قدر مرعوب کرنے کا باعث ضرور ہوا، لیکن یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقصد ہی یہ تھا صحیح نہیں ہے فی الحقیقت ان کا مقصد صرف ایک تھا اور وہ تھا:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل"

وہ عشقِ رسولؐ کے اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے جہاں کوئی سیاسی مصلحت (مضرت یا منفعت) ان کو نہ ارشادِ نبویؐ کی تعمیل سے روک سکتی تھی اور نہ کوئی اور مقصد اُن کے پیشِ نظر ہو سکتا تھا



امیرِ ملّت بیضا

وہ جس کے ہوش تھے قائم، اڑے جب ہوش یاروں کے
وہ جس کی گفتگو تھی اعتماد افزا سکوں پرور
محمدؐ ہو گئے رخصت مگر اللہ باقی ہے
یقیں جس کا نظر افروز تھا ربِّ محمدؐ پر
امانت سونپ دی جس کو دمِ آخر پیمبرؐ نے
امیرِ ملّتِ بیضا، ہمارے پیشوا، رہبر

غلام رسول ازہر

الرِّدَّة

یا

فِتنۂ اِرتِداد

الرِّدَّة یا فتنۂ ارتداد

الرِّدَّۃ کے لغوی معنی پھیرنا یا لوٹانا کے ہیں اور ارتداد کے لغوی معنی پھر جانا یا ہٹ جانا کے ہیں۔ شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں الرِّدَّۃ یا ارتداد سے مراد اسلام سے پھر جانا اور دوبارہ کُفر اختیار کر لینا ہے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی خلافت کے آغاز ہی میں فتنۂ ارتداد نے قریشِ مکّہ مہاجرین و انصارِ مدینہ، بنو ثقیف طائف اور قبائلِ مزینہ، غِفار، جہینیہ، بَلی، اشجع، اسلم اور خزاعہ کے سوا قریب قریب سارے قبائلِ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ کے قول کے مطابق کم و بیش عرب کے چوبیس قبائل مرتد ہو گئے اور انہوں نے ہر طرف شورش برپا کر دی۔ ”اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ“ میں متعدد کتابوں کے حوالے سے اس صورتِ حال کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

”جزیرہ عرب کے باشندوں کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اور کسی قسم کے سیاسی قانون کے عادی نہ تھے۔ علاوہ ازیں انہیں دین اور تہذیب سے بہرہ ور ہونے کا موقع پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا، وہ کفر و شرک کی زندگی کو چھوڑ کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے قدیم مالوف طریقِ زندگی کی طرف والہانہ رجوع کے لیے تیار رہتی ہے۔ اسلام نے انہیں ایک سیاسی نظام، عمدہ ضابطۂ اخلاق اور قوانینِ زندگی کا پابند بنا دیا تھا جن میں حدِ زنا، انتقام لینے کی ممانعت

اور شرک اور اعمالِ بد سے اجتناب سرِفہرست تھے۔ وہ ابھی تک اسلام کے احکام اس کے مزاج اور تقاضوں سے واقف نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔ آپؐ کی وفات کے بعد چند عرب قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ دشمنانِ اسلام نے اس کو بہت ہوا دی۔ کچھ مدعیانِ نبوّت بھی آ نمودار ہوئے۔ اس قسم کے عناصر مل کر قبائل کے ارتداد کا باعث ہوئے یہاں تک کہ سارا جزیرۂ عرب ایک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا اور چاروں طرف الحاد و ارتداد اور دینِ قیّم سے انحراف کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۱۰ ص ۲۳۲/۲۳۳)

علامہ طبریؒ، قاضی عیاضؒ اور بہت سے دوسرے اربابِ سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ مرتدین کے تین گروہ تھے:

(۱) وہ لوگ جنھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد دوبارہ شرک و کفر اختیار کرلیا جیسے اہالیٔ یمن، عمان، بحرین، حضرموت وغیرہ۔

(۲) دوسرے وہ قبائل جنھوں نے الاسود العنسی، مسیلمہ کذاب، سجاح اور طلیحہ جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے دعوائے نبوّت کو تسلیم کرلیا اور اُن کی پیروی کرنے لگے۔ ان کا زور ملک کے جنوب شمال وسط اور مشرق میں تھا اور ان میں مختلف قبائل شامل تھے۔

(۳) تیسرا وہ گروہ جو اسلام سے کُلّی طور پر تو منحرف نہ ہوا تھا لیکن اُس کا نظریہ یہ تھا کہ زکوٰۃ کی لازمی ادائیگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ادائے زکوٰۃ کے لیے

لوگوں کو مجبور کرے۔ چنانچہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ایسے قبائل میں عبس، ذبیان، کنانہ، فزارہ اور غطفان قابلِ ذکر ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اوپر جن قبائل کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض قبائل تو سارے کے سارے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہو گئے اور بعض جزدی طور پر اس فتنے سے متاثر ہوئے ان میں ایسے قبائل کے لوگ بھی تھے جن کے دل میں اسلام راسخ ہو گیا تھا (حالانکہ ان کا مسکن مدینہ منورّہ سے بہت دُور تھا اور تعلیماتِ نبویؐ کے حُصُول کا بھی انہیں کوئی خاص موقعہ نہ ملا تھا۔ بس یہ اللہ کی دین ہے جس کو چاہے ہدایت دے دے۔) ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ اسلام پر قائم رہنے والے ان سعید الفطرت اصحاب کی مساعی کی بدولت ان کے ہم قبیلہ متعدد لوگ اس فتنے میں ملوّث ہونے سے بچ گئے۔

شروع شروع میں اس فتنے کی حیثیت مذہبی تھی اور اس کی بنیاد نُبوّت کے جھوٹے دعووں پر رکھی گئی تھی لیکن بہت جلد اس نے سیاسی حیثیت بھی اختیار کر لی، اور ہر طرف بغاوت اور سرکشی کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کے پس منظر میں چار بڑے اسباب کارفرما نظر آتے ہیں:

(۱) دُور افتادہ قبائلِ عرب (اعراب) کے دلوں میں اسلام نے پوری طرح گھر نہیں کیا تھا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے یہود کی سرکوبی اور فتحِ مکّہ سے متاثر و مرغوب ہو کر ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کی خبر سنی تو ان کے کمزور عقائد متزلزل ہو گئے ایسے لوگوں کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۚ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (سورۃ الحجرات)

(اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں (اے نبی) ان سے آپ کہہ دیجیے

کہ تم ایمان نہیں لائے ہو لیکن ہاں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کرلی ہے درآنحالیکہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے۔)

(۲) بعض قبائل قریش کی بہ نسبت اپنے آپ کو عربوں کی سیادت کا زیادہ مستحق سمجھنے لگے تھے لیکن ان کے راستے میں قریش کا یہ شرف حائل تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش سے تھا۔ چنانچہ ان قبیلوں کے قائدین نے نبوت کے جھوٹے دعوے کر کے اپنی قیادت کے لیے میدان ہموار کرنا چاہا۔ ان لوگوں نے بظاہر مذہب کا سہارا لیا لیکن فی الحقیقت ان کے عزائم میں صرف ہوسِ دنیا کارفرما تھی۔

(۳) شام اور عراق عرب کی سرحدوں کے قریب جو عرب قبائل آباد تھے وہ روم اور ایران کی طاقتور سلطنتوں کے زیرِ اثر تھے۔ ان کو روم اور ایران کی حکومتوں نے شہہ دی کہ وہ نئے دین (اسلام) سے کنارہ کش ہو جائیں اور مدینہ کی مرکزی (اسلامی) حکومت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔ ساتھ ہی اُن کو یہ تاثر دیا کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کو کچل دیا جائے گا۔ ان حکومتوں نے باغیوں کی کسی نہ کسی صورت میں عملی مدد بھی کی۔

(۴) جو قبائل نسبتاً مدینہ منورہ کے زیادہ قریب تھے وہ زکوٰۃ کے منکر تھے اور خلیفۃ الرسولؐ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان میں سے بعض تو فی الواقع شرارت پسند اور سرکش تھے اور بعض اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ زکوٰۃ کا حکم صرف عہدِ رسالت کے لیے تھا اور اگر اب بھی ہے تو ان کے لیے یہ لازم نہیں کہ زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجیں بلکہ وہ خود اپنا امیر بھی منتخب کر سکتے ہیں اور اپنے مالداروں سے زکوٰۃ بھی جمع کر کے اپنے قبیلوں کے غرباء و مساکین پر صرف کر سکتے ہیں۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے جس قوّتِ ایمانی، عزم و ہمت اور تدبر سے اس

ہولناک فتنے کا مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ اس سلسلے میں جو واقعات پیش آئے ان پر کئی مستقل کتابیں موجود ہیں۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ یہ واقعات بیان کریں گے ۔

فی الحقیقت فتنۂ ارتداد کا آغاز عہدِ رسالت کے اواخر میں اُسی وقت ہو گیا تھا جب عرب کے مختلف علاقوں میں کچھ مکّار آدمیوں نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ ان میں سے تین مکاروں الاسود العنسی ، مسیلمہ کذّاب اور طُلیحہ بن خویلد نے مسلمانوں کے لیے بڑی مشکلات پیدا کیں اور اسلامی حکومت کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ اس سے پہلے کہ ہم عہدِ صدیقی کے واقعاتِ رِدّہ قلمبند کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت کے آخر میں جو واقعات اس سلسلے میں پیش آئے ان کو بیان کردیں ۔



الاَسوَدُ العَنسی

علامہ ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے مؤرّخین کا بیان ہے کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا شخص ہے جو مرتد ہوا۔ اس کا اصل نام عبہلہ (یا عبہلہ) بن کعب تھا۔ وہ یمن کے قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ وہ ہر وقت عمامے کے اوپر چادر ڈالے رہتا تھا تاکہ اس کا چہرہ چھپا رہے چونکہ اوڑھنی یا دوپٹے کو عربی زبان میں خمار کہتے ہیں اس لیے وہ ذوالخمار کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا[1] اپنے اصل نام کے بجائے وہ " الاسود " کے نام سے غالباً اس لیے

---

[1] علامہ بلاذری نے " فتوح البلدان " میں لکھا ہے کہ اس کا لقب ذوالحمار (یعنی گدھے والا
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۷ پر)

مشہور ہوا کہ اس کا رنگ بہت سیاہ تھا اور خد و خال بھی کریہہ تھے (ہو سکتا ہے چہرے کو ہر وقت ڈھانپ کر رکھنے کا سبب بھی یہی ہو)۔ اسود عنسی یمن میں "کہف حضار" کے مقام پر پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ وہ بڑا کاہن، شعبدہ باز اور لسّان تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا خاص ملکہ رکھتا تھا اس لیے اپنے قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اہلِ یمن نے اسلام قبول کیا تو وہاں کا ایرانی گورنر باذان بھی مسلمان ہو گیا۔ (اس طرح یمن ایرانی حکومت کے حیطۂ اقتدار سے نکل گیا) حضورؐ نے باذانؓ کو یمن کی گورنری پر بحال رکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد باذانؓ کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ نے یمن کی حکومت باذانؓ کے فرزند "شہر" اور اپنے چند صحابہؓ میں تقسیم فرما دی۔ مؤرخین نے اس تقسیم کی تفصیل اس طرح دی ہے۔

صنعاء ——— شہرؓ بن باذانؓ

نجران ——— عمروؓ بن حزم

ہمدان ——— عامر بن شہرؓ

مارب ——— حضرت ابو موسیٰؓ

جند ——— حضرت یعلیٰؓ بن امیہؓ

نجران و زبید کا درمیانی علاقہ ——— حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص

علاقہ عک و اشعریین ——— حضرت طاہرؓ بن ابی ہالہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس ایک سدھایا ہوا گدھا تھا جب وہ اس کہتا کہ مجھے سجدہ کر تو وہ فوراً اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیا کرتا تھا۔ لیکن جمہور مؤرخین نے اس کا لقب "ذوالخمار" ہی لکھا ہے۔

سکون وسکاسک ـــــــ حضرت عکاشہؓ بن ثور

علاقۂ مراد ـــــــ حضرت فروہؓ بن مسیک

حضر موت ـــــــ حضرت زیادؓ بن لبید

ان عُمّال کے علاوہ آنحضورؐ نے اہلِ یمن کی تعلیم کے لیے چند معلّمین بھی بھیجے جن کا امیر آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو بنایا۔ وہ مختلف علاقوں میں گشت کر کے تبلیغ وتعلیم کا کام انجام دیتے تھے۔

سنہ ۱۰ ہجری کے آخر میں اسود عنسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ مذحج کو اپنے ساتھ ملا کر اسلامی اقتدار کے خلاف کھلم کھلا علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے نجران پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور حضرت عمروؓ بن حزم اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو نجران اور اس کے نواحی علاقوں سے نکال دیا۔ اس کے بعد وہ سات سو سواروں کے ساتھ صنعاء کی طرف بڑھا۔ شہر بن باذان اس کے مقابلے کے لیے نکلا لیکن میدانِ کارزار میں شہادت پائی اور اسود عنسی نے صنعاء پر قبضہ کر کے شہر بن باذان کی بیوہ آزاد کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ اسی زمانے میں قیس بن عبد یغوث مرادی جس کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ مراد کا محصلِ زکوٰۃ مقرر فرمایا تھا، اسود عنسی کے پنجۂ مکر کا اسیر ہو گیا۔ اس نے مرتد ہو کر علاقۂ مراد کے عامل حضرت فروہؓ بن مسیک کو علاقۂ مراد سے خارج کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے یمن کی فضا سخت ناساز گار ہو گئی اور ہر طرف الاسود عنسی کا طوطی بولنے لگا۔ ان پُر آشوب حالات میں حضورؐ کے مقرر کیے ہوئے عُمّال اور معلّمین ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اسود نے یمن کو ان اصحاب سے خالی پا کر بڑے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عمروؓ بن حزم اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص نے مدینہ منورہ پہنچ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کے حالات کی اطلاع دی۔

حضورؐ نے حضرت وبرؓ بن یحنس ازدی کے ہاتھ حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت طاہرؓ بن ابی ہالہ، اور حضرت معاذؓ بن جبل کو جو یمن کے بعض پہاڑوں میں پناہ گزیں تھے اسلام پر ثابت قدم رہنے والے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اسود عنسی سے لڑنے کا حکم بھیجا اور ساتھ ہی قیسؓ بن ہبیرہ کو کچھ فوج دے کر ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

یمن میں اہلِ ایران کا ایک گروہ رہتا تھا جسے ابناء کہتے تھے۔ یہ لوگ ایران کے شاہی اور بعض دوسرے معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور یمن میں بڑی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اسود عنسی نے ان لوگوں کے ساتھ بڑا تحقیر آمیز سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ سب اسود کے سخت خلاف ہو گئے۔ ان میں ایک مسلمان امیر فیروز دیلمیؓ بھی تھے ان کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور وہ شہر بن باذان کی بیوہ آزاد (جس کو اسود نے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا) کے چچازاد بھائی تھے۔ قیسؓ بن ہبیرہ یمن پہنچے اور انہیں ایرانی امراء کی اسود سے دشمنی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اسود کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ فیروز دیلمیؓ خفیہ طور پر آزاد سے ملے اور اس سے کہا کہ اسود نے تیرے شوہر اور تیری قوم کے لوگوں کو قتل کیا ہے تجھ پر انتقام لینا فرض ہے۔ آزاد نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسود سے ضرور بدلہ لوں گی۔ اس طرح آزاد کو ملا کر فیروز دیلمیؓ، قیسؓ بن ہبیرہ وردازدید نامی ایک اور ایرانی امیر رات کے وقت ایک خفیہ راستے سے اسود عنسی کے گھر میں گھس گئے۔ اسود عنسی شراب کے نشے میں مدہوش پڑا تھا صبح کے قریب حضرت فیروز دیلمیؓ نے موقع پا کر اس کو قتل کر ڈالا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فیروزؓ نے تلوار کے وار سے اس کو شدید زخمی کیا اور قیسؓ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ علامہ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اسود کے قتل کا سہرا حضرت فیروزؓ کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے کہ

اس شیر نے اسود کو مارا ہے۔

اسود عنسی کے قتل کے بعد قیس رضؓ بن ہبیرہ شہر کی فصیل پر چڑھ گئے اور باآوازِ بلند اعلان کیا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسود العنسی جھوٹا اور کاذب تھا۔ اللہ نے اسے ہلاک کر ڈالا ہے۔ یہ اعلان سُن کر اسود کے اکثر پیروؤں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے البتہ کچھ بدبختوں نے مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے ان سب کو ختم کر دیا۔ اسود کے مارے جانے سے صنعاء اور نجران کا علاقہ مرتدین سے صاف ہو گیا۔ اور اس پر پھر اسلامی اقتدار قائم ہو گیا۔

یہ واقعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پانچ دن پہلے پیش آیا تھا۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ ایک دن فجر کے وقت حضورؐ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا:

"کل مبارک گھرانے کے ایک مبارک فرد نے اسود کو قتل کر ڈالا ہے۔"

اسود کے قتل کی باقاعدہ اطلاع قاصد کے ذریعے مدینہ میں حضورؐ کی وفات کے دس دن بعد پہنچی۔ علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ خلافتِ صدیقی کے عہد کی یہ پہلی خوشخبری تھی اس لیے خلیفۃ الرسولؐ اس کو سن کر بہت خوش ہوئے۔

مسیلمہ کذّاب

دوسرا مدعیٔ نبوّت مسیلمہ بن حبیب یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا اسود عنسی کی طرح یہ بھی بڑا شعبدہ باز تھا۔ ۹ھ ہجری میں وہ بنو حنیفہ کے ایک بڑے وفد کے ساتھ مدینہ منوّرہ آیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری

کو ساتھ لے کر بہ نفسِ نفیس اہلِ وفد کے پاس تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو میں مسیلمہ نے کہا، "اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو ابھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔" آنحضورؐ کو یہ نامعقول شرط سن کر غصہ آگیا۔ آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی، اس کو اٹھا کر فرمایا:

- "جانشینی تو بڑی چیز ہے میں تو تمہیں یہ چھڑی دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ اللہ نے تیرے لیے جو مقدر کر رکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ تیرا انجام مجھے خواب میں دکھا دیا گیا ہے۔[1] کچھ اور پوچھنا ہو تو یہ ثابتؓ موجود ہیں، ان سے پوچھ، میں اب چلتا ہوں۔"

مسیلمہ بدبخت وفدِ بنو حنیفہ کے ساتھ اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو نُبُوّت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور یہ بے پر کی اڑا دی کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے اپنی نُبُوّت میں حصہ دار بنا لیا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اس جھوٹ کو خوب ہوا دی یہاں تک کہ ہزاروں لوگ اس کے دامِ فریب میں پھنس گئے۔ یہ مکار لوگوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتا تھا، چند لغو فقرے گھڑ کر ان کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اپنے گمراہ عقیدت کیشوں کی کثیر تعداد

---

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب اس طرح بیان فرمایا:
"مجھ کو زمین کے خزانے دیئے گئے اور میرے ہاتھ پر سونے کے دو کنگن رکھے گئے۔ مجھ کو ناگوار ہوا تو وحی آئی کہ ان کو پھونک دو۔ میں نے ان دونوں کو پھونکا تو وہ غائب ہو گئے اس سے میں نے یہ تاویل کی ہے کہ دو کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے دونوں جانب ہیں ایک صاحبِ صنعاء (الاسود العنسی) اور دوسرا صاحبِ یمامہ (مسیلمہ)
(بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ)

دیکھ کر اس کو یہاں تک جرأت ہو گئی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط لکھا:

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام
السلامُ علیکَ۔ میں آپ کی رسالت میں شریک ہوا نصف ملک میرا اور نصف قریش کا۔ لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خط کا یہ جواب بھیجا:

"محمدَ رسول اللہؐ کا خط مسیلمہ کذّاب کے نام
جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو —— اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ ملک اللہ کا ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے اور آخرت کی بہتری پرہیزگاروں کے لیے ہے"

اس مکتوبِ مبارک کے بھیجنے کے چند دن بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اب مسیلمہ کھل کھیلا اس نے اپنی شعبدہ بازیوں، ستم رانیوں اور ترغیب و تحریص کے بل پر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا شروع کر دیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ شرفائے بنو حنیفہ میں سے ایک شخص نہار الرجال بن عنفوۃ نے مسیلمہ کے دعوے کی شہادت دی کہ بے شک محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسیلمہ میری نبوّت میں شریک ہے۔ یہ شخص کچھ عرصہ پہلے مدینہ منوّرہ گیا تھا اور چند دن بارگاہِ رسالتؐ میں رہ کر قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی پھر حضورؐ نے اسے اہلِ یمامہ کا معلّم بنا کر بھیجا تھا یہاں آ کر وہ مرتد ہو گیا اور مسیلمہ کا ساتھی بن گیا۔ ان عوامل کی بدولت تقریباً ایک لاکھ نفوس جن میں چالیس ہزار جنگجو اعراب تھے مسیلمہ کے معتقد بن گئے۔

ابنِ خلدونؒ کا بیان ہے کہ جھوٹے مدعیانِ نبوّت میں اس کا گروہ سب سے بڑا تھا۔

علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کے ساتھیوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے

جو دل میں اس کو جھوٹا سمجھتے تھے لیکن قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔

مسیلمہ کذّاب بڑا سنگدل اور بے رحم شخص تھا۔ جو شخص اس کی نبوّت سے انکار کرتا، اس پر سخت ظلم ڈھاتا تھا۔ اس کی شقاوت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ خلافتِ صدیقی کے اوائل میں ایک دن حضرت حبیبؓ بن زید انصاری عمان سے مدینہ آ رہے تھے کہ مسیلمہ کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے ان سے پوچھا:

"محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا: "وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

مسیلمہ بولا: "نہیں یہ کہو کہ مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے۔"

حضرت حبیبؓ نے نہایت حقارت سے اس کی بات مسترد کر دی۔ ظالم مسیلمہ نے تلوار کے ایک وار سے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا اور ان سے کہا "اب میری بات مانو گے یا نہیں؟"

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں"

مسیلمہ نے اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید کر ڈالا اور کہا کہ اب بھی میری رسالت تسلیم کر لو۔

لیکن آفرین ہے اس مردِ جانباز پر ــــ بولے "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

اب مسیلمہ فرطِ غضب سے دیوانہ ہو گیا اور اس نے ان کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کیا۔ ظالم راہِ حق میں اُن کا رقصِ بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ حضرت حبیبؓ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن راہِ تسلیم و رضا سے ان کے قدم ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ڈگمگائے۔

نباکردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت حبیبؓ مشہور صحابیہ حضرت اُمِ عمارہؓ کے فرزند تھے۔ انہوں نے اپنے مجاہد فرزند کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو اُن کی ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجا لائیں لیکن دل میں عہد کر لیا کہ اللہ نے توفیق دی تو مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گی۔

حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کی سرکوبی کس طرح کی، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

طلیحہ بن خویلد اسدی

طُلیحہ بن خویلد بنو اسد بن خزیمہ کے سرداروں میں سے تھا اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے ۹ھ میں اپنے قبیلے کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اواخرِ عہدِ رسالت کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ اس کی قوم ایک بیابان سے گزر رہی تھی جہاں دُور دُور تک پانی کا پتہ نہ تھا۔ طلیحہ نے ایک جگہ کا پتہ بتایا جہاں سے پانی مل گیا۔ طلیحہ کے دماغ میں معلوم نہیں کیا خناس سمایا کہ اس نے اسی کو اپنا معجزہ بنا کر نبوّت کا دعویٰ کر دیا اور قبائلِ اَسد و طے وغیرہ کے بہت سے لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت ضرارؓ بن الازور اسدی کو بنو اسد کا عامل مقرر فرمایا اور اس ہدایت کے ساتھ بنو اسد کی طرف بھیجا کہ طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی کریں۔ حضرت ضرارؓ "واردات" کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ قریب

علاقوں کے عُمّال اور دوسرے مسلمان بھی ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ طلیحہ نے اس وقت "سمیرا" کو اپنا مستقر بنا رکھا تھا۔ ایک دن ایک مسلمان مجاہد نے اس کو کہیں دیکھ لیا اور اس پر تلوار چلادی۔ اتفاق سے وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گیا۔ اپنے ساتھیوں میں پہنچ کر ڈینگیں مارنے لگا کہ تلوار مجھ پر اثر نہیں کرتی۔ اس طرح اس کے حامیوں میں اور اضافہ ہوگیا ــــــ ایک دن وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر واردات کی طرف بڑھا۔ حضرت ضرارؓ بن الازور آگے بڑھ کر اس کے مقابل ہوئے اور اس کو عبرتناک شکست دی۔ اسی اثناء میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ضرارؓ مدینہ منوّرہ واپس آگئے۔ ان کے واپس آنے کے بعد طُلیحہ نے پھر زور پکڑلیا۔ اس کا ایک پُرجوش ساتھی عیینہ بن حصن الفزاری یہ کہہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتا تھا کہ دیکھو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوگیا لیکن ہمارا نبی زندہ ہے ــــــ اس طرح قبیلہ غطفان بھی طلیحہ کا پیرو ہوگیا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کو مقام ابرق میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور دوسرے کو ذوالقصّہ کی طرف بھیج دیا جو مدینہ منوّرہ کے قریب نجد کے راستے پر واقع ہے۔ خود اس نے بُزاخہ کو اپنا مستقر بنایا۔



مانعینِ زکوٰۃ

مدینہ منوّرہ کے علاقوں میں دُور دُور تک جو قبائل (اعراب) آباد تھے ان میں سے بنو غطفان، بنو فزارہ، بنو مُرّہ، بنو عبس، بنو ذبیان اور بنو کنانہ کے نام خصوصیّت سے قابلِ ذکر ہیں۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کی خبر سنتے ہی ان لوگوں نے خلیفۃُ الرّسول کو زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم لوگ نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ خلیفۂ رسول اللہ کو نہیں دیں گے۔ ان میں چار یا پانچ گروہ تھے جن کے انکارِ زکوٰۃ کی وجوہ الگ الگ تھیں۔ ایک گروہ بربنائے بُخل سرے سے زکوٰۃ کا منکر ہو گیا، دوسرا گروہ اس کو خراج سمجھ کر اپنی آزادی کی توہین خیال کرتا تھا، تیسرا گروہ یہ سمجھتا تھا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ان پر عہدِ رسالت ہی میں فرض تھی اب نہیں رہی۔ چوتھا گروہ کہتا تھا کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے لیکن اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ خود اپنے قبیلہ کے مستحقینِ زکوٰۃ میں تقسیم کریں گے۔ پانچواں گروہ طلیحہ اسدی کا پیرو ہو گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو اسی کے احکام کا پابند سمجھتا تھا۔ ان سب لوگوں نے متحد ہو کر مدینہ منوّرہ کے ارد گرد مختلف مقامات پر ڈیرے ڈال دیئے (بظاہر اس کا مقصد اہلِ مدینہ پر دباؤ ڈالنا تھا) پھر انہوں نے اپنا ایک وفد خلیفۃُ الرّسول سے گفت و شنید کے لیے مدینہ منوّرہ بھیجا۔ یہ وفد بیعتِ خلافت کے دسویں دن مدینہ منوّرہ پہنچ گیا اور اس کے ارکان مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہوئے۔ ان لوگوں نے پہلے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے گفتگو کی جن کے یہاں قیام کیا تھا۔ اس کے بعد سب مل کر

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قبائل کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ ہم سے نماز پڑھوالیں مگر زکوٰۃ معاف کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے صحابۂ کرام رضؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے متواتر ملنے والی تشویشناک خبروں کے پیش نظر مشورہ دیا کہ اس وقت ان لوگوں سے نرم رویہ ہی مناسب ہے۔ یہ جدید الاسلام ہیں جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا تو خود بخود ہی زکوٰۃ دیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے صحابۂ کرامؓ کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کیا:

"یا خلیفۃ رسول اللہؐ تالف النّاس و ارفق بہم"

صدیق اکبر رضؓ کو حضرت عمر رضؓ کا مشورہ سن کر جلال آگیا۔ انہوں نے بڑے جوش سے فرمایا:

"اے ابن خطّاب تم زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے جبّار تھے مسلمان ہو کر بودے اور پست ہمت (خوار) بن گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، دین کمال کو پہنچ چکا۔ کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کی جائے گی۔ خدا کی قسم اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسّی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کر دوں گا۔"

حضرت عمر رضؓ نے مکرر عرض کیا کہ یہ لوگ تو توحید کے قائل ہیں آپ ان سے کس بناء پر لڑیں گے۔

صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا:-

"خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا میں اس سے لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بکری کا ایک بچہ دیتے تھے اور مجھے نہ

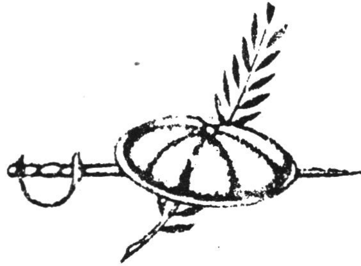
دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔" (صحیح بخاری)

"صحیح مسلم" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، آپ ان لوگوں (مانعین زکوٰۃ) سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرلیں تو جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کر لیا اس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو بچا لیا سوائے حقِ اسلام کے اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جسے ادا کرنا اللہ نے فرض کیا ہے) خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی ایک رسّی بھی مجھے دینے سے انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں ان سے اس کے نہ دینے پر جنگ کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا واللہ بات یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے ابوبکرؓ کا سینہ لڑائی کے لیے کھول دیا ہے۔ چنانچہ میں بھی سمجھ گیا کہ ان کا موقف ہی حق ہے (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب ۵)

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہی جواب اعراب کے وفد کو دے کر ناکام واپس کر دیا۔ وفد کو رخصت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے بسرعت تمام مدینہ منوّرہ کی حفاظت کا بندوبست کیا کیونکہ وہ اپنی فراستِ ایمانی سے بھانپ گئے تھے کہ مرتدین کسی بھی وقت مدینہ منوّرہ پر دھاوا بول سکتے ہیں۔ انہوں نے اکابر صحابہؓ

حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی سرکردگی میں شہر کے ناکوں پر حفاظتی دستے متعیّن کر دیے۔ عام اہلِ مدینہ کو جمع کر کے حکم سنایا کہ اَعراب میں اِرتداد پھیل گیا ہے اور انھوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی ہے۔ ان کا وفد مدینہ کی صورتِ حال اپنی آنکھوں سے دیکھ گیا ہے۔ دشمن کے بعض جتھے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہیں معلوم نہیں کس وقت مدینہ منوّرہ پر یلغار کر دیں ان کو امید تھی کہ ہم ان کا مطالبہ منظور کر لیں گے مگر وہ رَدّ کر دیا گیا۔ لہٰذا تم کو ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیے اور مسلّح ہو کر مسجدِ نبوی کے اندر اور اس کے قریب موجود رہنا چاہیئے۔



مدینہ منوّرہ پر مرتدین کا حملہ

وفدِ اَعراب کی واپسی کے تیسرے دن غطفان، اَسَد وغیرہ بدوی قبائل نے جو طلیحہ کے زیرِ اثر تھے اپنے آپ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ ذوحسیٰ کے مقام پر ٹھہر گیا جو نجد کے راستے پر واقع تھا اور دوسرے نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کر دیا۔ ناکوں پر متعیّن دستوں نے دشمن کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو حضرت اَبُوبکرؓ کو اطلاع بھیجی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ تم اپنی جگہ پر قائم رہو میں ابھی موقع پر پہنچتا ہوں پھر وہ اہلِ مدینہ کی جمعیّت کو ساتھ لے کر حملہ آور مرتدین کے مقابل ہوئے اور ان کو شکست دے کر بھگا دیا۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ذوحسیٰ تک جا پہنچے جہاں مرتدین اپنے لشکر کا دوسرا حصّہ چھوڑ آئے تھے۔ اب یہ حصّہ مسلمانوں کے مقابلے پر آ گیا۔ ان لوگوں نے مَشکوں میں ہوا بھر کر ان کو مسلمانوں کے اونٹوں کے سامنے پھینکنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی دف باجے اور ڈھول بجا بجا کر خوب ہنگامہ برپا کیا۔ مسلمانوں کے اونٹ بدک کر پیچھے کی طرف بھاگے اور مدینہ پہنچ کر دم لیا۔ مرتدین نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے ہیں۔ اب اُن کے حلیف قبائل بنو عبس، بنو ذبیان، بنو مرہ اور بنو کنانہ وغیرہ بھی ان کے ساتھ آ ملے، ان سب نے مدینہ منوّرہ پر دوبارہ یلغار کرنے کے ارادہ سے ذوالقصّہ میں مقیم مرتدین کو بھی آگے بلا لیا، ان کا سردار طلیحہ کا بھائی حبال تھا۔ اس طرح ذی حسیٰ میں مرتدین کا بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اُدھر حضرت اَبُوبکر صدیقؓ

نے راتوں رات ایک لشکر مرتب کیا جس کے میمنہ پر حضرت نعمانؓ بن مقرن کو، میسرہ پر حضرت عبداللہؓ بن مقرن کو اور پچھلے حصّے پر حضرت سویدؓ بن مقرن کو افسر مقرر کیا، پھر اس لشکر کو ساتھ لے کر رات کے پچھلے پہر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور پو پھٹنے سے پہلے دشمن کے سر پر پہنچ گئے۔ مرتدین خواب غفلت میں پڑے تھے۔ مسلمانوں نے ان کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ انہوں نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا لیکن جلد ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سردارِ لشکر حبال مارا گیا۔ مسلمانوں نے ذوالقصّہ تک مرتدین کا تعاقب کیا، وہاں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو ایک دستہ فوج کے ساتھ متعیّن کر دیا اور خود باقی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ مرتدین کی اس شکست کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ مختلف قبائل میں جو لوگ، اسلام پر قائم تھے وہ اپنے عقیدے میں اور پختہ ہو گئے اور ان میں تازہ جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ ان میں سے بعض قبائل نے زکوٰۃ کا روپیہ فوراً مدینہ بھیج دیا، جس سے مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ ان قبائل کے برعکس ذبیان وعبس کے مرتدین نے اپنے قبیلوں کے مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے شہید کر ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کیا، ان کے اعضاء کاٹے اور آگ میں جلایا۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض دوسرے قبائل کے مرتدین نے بھی ایسی ہی سفاکانہ حرکت کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان مظالم کی خبر ملی تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب تک مرتدین سے مسلمانوں کا انتقام نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اسی اثناء میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اپنی مہم کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مدینہ منورہ کی حفاظت

پر مامور کیا اور فرمایا: "اب تم لوگ آرام کرو میں دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر دشمن کے مقابلہ پر جاتا ہوں۔" اس کے بعد لشکر مرتب کیا اور خود اپنی قیادت میں اسے لے کر ذوالقصّہ کا قصد کیا تاکہ مرتدین کو ان کے مظالم کی قرار واقعی سزا دیں۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہؐ آپ خود اس مہم پر نہ جائیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہیں رہے گا۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کسی دوسرے کو امیر بنا کر بھیجیں اگر وہ شہید ہو گئے تو آپ ان کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر سکیں گے۔"

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ نہ مانا۔ (طبری)

دار قطنیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے اور حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ جہاد پر روانہ ہونے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوئے اور تلوار میان سے باہر نکالی تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا، اے خلیفۂ رسول اللہؐ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ سے کہا تھا کہ تلوار نیام میں کیجئے اور اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیے۔ براہِ کرم آپ مدینہ لوٹ چلیے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا اور میں اپنے نفس کے ساتھ تمہاری غمخواری قبول نہیں کر سکتا۔" [1] مدینہ منوّرہ سے چل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سیدھے

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کا مشورہ قبول کر لیا۔ خود واپس آ گئے اور لشکر روانہ کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ صفحہ ۳۱۵) لیکن طبری اور دوسرے مؤرخین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ قبول نہ فرمایا اور خود ہی لشکر کی قیادت کی۔

ذوالقصہ پہنچے اور وہاں سے نواحِ ربذہ کے ایک مقام ابرق کی طرف بڑھے جہاں قبائل عبس، ذبیان، بکر اور ثعلبہ کے مرتدین جمع تھے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو شکست دے کر بھگا دیا اور حکم دیا کہ ابرق کو مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا جائے۔ چند دن ابرق میں قیام کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بنو ذبیان کے علاقے کا رُخ کیا اور اس پر قبضہ کر کے ایسے لوگوں کو تلاش کرنے کا حکم دیا جنھوں نے مسلمانوں کو ناحق شہید کیا تھا۔ بیشتر ایسے لوگ بھاگ گئے تھے تاہم اگر کوئی ہاتھ آگیا تو اس کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

جن مرتد قبائل کو حضرت ابو بکرؓ نے شکست دی۔ انہوں نے اپنی ہزیمت سے کوئی عبرت حاصل نہ کی اور ان قبائل سے جا ملے جو اسلام اور خلافتِ اسلامیہ سے یکسر باغی ہو گئے تھے۔



اِرتدادِ عام اور بغاوت

جیساکہ پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ فتنۂ ارتداد کی ابتدا (جھوٹے مدعیانِ نبوت کی شکل میں) عہدِ رسالت کے اواخر ہی میں ہو چکی تھی لیکن حضورؐ کی وفات تک اس نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ کے پاس چلے گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو فتنۂ ردہ کی آگ اتنی تیزی سے بھڑکی کہ دیکھتے ہی دیکھتے چنگاری سے شعلہ بن گئی اور چند مستقیم الفطرت قبائل کے سوا سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بقول محمد حسین ہیکل (مشہور مصری مؤرخ) اس موقع پر ایک ایسے حکمران کی ضرورت تھی جو حزم و تدبر کے ساتھ قطعی ارادے اور فیصلہ کن عزمیت کا مالک ہو اور اس کے علاوہ اسلام پر پختہ ایمان اور اللہ کی نصرت پر پورا یقین بھی رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی خاطر خلیفۂ رسول اللہؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں ایسا ہی حکمران مہیا کر دیا تھا۔

(الصدیق ابوبکرؓ ص۔ ۸۱)

ایک اور نامور مؤرخ ابو زید شلبی نے اس موضوع پر اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر، جب صحابہؓ مارے غم کے دیوانے ہو چکے تھے اور حضرت عمرؓ جیسے شخص تلوار کھینچے یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہؐ فوت ہو گئے ہیں میں اس تلوار

سے اُس کی گردن اڑا دوں گا، یہ حضرت صدیقؓ ہی کی شخصیت تھی جس نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا اور جب کہ سارا عرب ارتداد کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا آپؓ نے مرتدین کے مقابلے میں جو مدبرانہ کارروائی کی اور جس بے نظیر لیاقت کے ساتھ ملک کو اس تباہ کن فتنے سے نجات دلائی اس نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ اس وقت صرف آپؓ ہی کی ذاتِ والاصفات خلافت کے بارِ گراں کو اٹھانے اور سنبھالنے کے قابل تھی۔"

(خالد سیف اللہؓ ص ۱۳۷-۱۳۸)

نواحِ مدینہ کے مانعینِ زکوٰۃ وغیرہ کی سرکوبی کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوسرے مرتدوں، باغیوں اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیروؤں کی طرف توجہ کی جو ملک کے طول و عرض میں جگہ جگہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہر جگہ فتنہ و فساد برپا کر دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد عرب کے ان گنت لوگ فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس فتنے کی وسعت اور شدت کی کوئی انتہا نہ رہی تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابھی مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، طائف اور بعض سعید الفطرت قبائل میں ایسے ہزاروں اصحاب بھی موجود تھے جنہوں نے اپنی آنکھیں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے روشن کی تھیں، جو فیضانِ نبویؐ سے براہِ راست بہرہ یاب ہوئے تھے اور جو اپنی جانیں، مال اور اولاد غرض ہر شے راہِ حق میں (اسلام کی خاطر) قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنۂ ارتداد سے نبٹنے کے لیے انہی مردانِ حق کو آواز دی، انہوں نے خلیفۃ الرسولؐ کی آواز پر لبیک کہا اور بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ نے مجاہدین کے گیارہ لشکر (دستے) مرتّب فرمائے اور ہر لشکر (دستے) کا الگ الگ سردار (سپہ سالار) مقرر فرمایا۔ پھر ہر سردار کو الگ الگ عَلَم عطا فرمایا اور جو کام اس کو انجام دینا تھا اس کے بارے میں ہدایات دیں۔ ذیل میں ہر سردار (سپہ سالار) اور اس کی منزلِ مقصود کی تفصیل درج ہے:

۱۔ حضرت خالدؓ بن ولید، سیف اللہ ——— ان کو حکم دیا گیا کہ پہلے بُزاخہ جاکر طلیحہ اسدی سے نبرد آزما ہوں۔ اس کے بعد مالک بن نُوَیرہ کی سرکوبی کریں۔

۲۔ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل ——— ان کو حکم دیا گیا کہ یمامہ جاکر مسیلمہ کذّاب اور بنو حنیفہ کی سرکوبی کریں۔

۳۔ حضرت شرُحبیلؓ بن حسنہؓ ——— انہیں حضرت عکرمہؓ کی مدد کے لیے ان کے پیچھے روانہ کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی سے فارغ ہو کر کندہ اور حضرموت کے مرتدوں کی سرکوبی کریں۔

۴۔ حضرت مہاجرؓ بن ابی امیّہ ——— انہیں اسود عنسی کے پیروؤں کی سرکوبی کے لیے صنعاء جانے کا حکم دیا گیا۔

۵۔ حضرت حُذَیفہؓ بن محصن ——— انہیں عمان جاکر مرتدینِ دبا کو مغلوب کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۔ حضرت سوُیدؓ بن مقرّن ——— انہیں یمن جاکر اہلِ تہامہ (یمن کے نشیبی علاقے کے مرتدین) سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۷۔ حضرت عمروؓ بن العاص ——— انہیں عرب و شام کی سرحد کے قریب آباد بنو قضاعہ وغیرہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

۸۔ حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ ——— انہیں اہلِ مہرہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ حضرت عرفجہؓ اور حضرت حذیفہؓ بن محصن کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ جب عمان میں ہوں تو حذیفہؓ امیر ہوں گے اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہؓ امیر ہوں گے۔

۹۔ حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص ——— انہیں ملکِ شام کی سرحد کی طرف بھیجا گیا۔

۱۰۔ حضرت طریفہؓ بن حاجز ——— انہیں بنو سُلیم اور بنو ہوازن کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

۱۱۔ حضرت علاءؓ بن الحضرمی ——— انہیں بحرین کے مرتدوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔

ان لشکروں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دو فرمان لکھوائے۔ ایک باغیوں اور مرتدوں کے نام اور دوسرا سرداران لشکر کے نام۔

پہلا فرمان اتمامِ حجت کے لیے تھا اور خلیفۃ الرسولﷺ کی ہدایت کے مطابق کسی قبیلے پر حملہ کرنے سے پہلے لوگوں کے مجمع عام میں اس کو پڑھ کر سنانا ضروری تھا۔ یہ فرض خاص نامہ برداروں کو انجام دینا تھا جو ہر لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے۔ دوسرے فرمان میں امراء لشکر کو ان کے فرائض و واجبات بتائے گئے تھے اور لڑائی کے سلسلے میں خاص ہدایات دی گئی تھیں۔ یہ دونوں فرمان بہت اہم ہیں اور صدیق اکبرؓ کی سیاسی بصیرت، تدبر و حکمت اور عزم و ہمت کے عکاس ہیں۔ اس لیے ہم ان کا پورا ترجمہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

پہلا فرمان

مرتدوں، باغیوں اور قبائل کے دوسرے افراد کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان تمام خاص اور عام لوگوں کے نام ہے جن کے پاس یہ پہنچے خواہ وہ اسلام

پر قائم ہوں یا اس سے پھر گئے ہوں۔ سلامتی ہو ان پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور ہدایت پانے کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں کی۔ میں تمہارے سامنے اس معبودِ حقیقی کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو آپ لے کر آئے اور جو شخص اس سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں اور اس سے جہاد کریں گے۔

اَمّا بعد ! اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جانب سے حق کے ساتھ اپنی مخلوق کے لیے بشارت دینے والا، ڈرانے والا، حق کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا تاکہ جو لوگ زندہ ہوں ان کو اللہ کا خوف دلائیں اور منکرین پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ اللہ نے جس کو توفیق دی اس نے امرِ حق کو بخوشی قبول کر لیا اور جس نے انکار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اچھی طرح سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا بادلِ ناخواستہ اسلام لے آیا۔ پھر اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلا لیا مگر آپؐ اللہ کے حکم کو پوری طرح نافذ کر چکے تھے اور جو کچھ آپؐ پر فرض تھا اس کو پورا کر چکے تھے۔ اللہ نے آپؐ کی وفات کی اطلاع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب میں دے دی تھی۔ اس نے رسول اللہؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا: (ترجمہ) ”بے شک (اے نبی!) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور دوسرے بھی فوت ہونے

والے ہیں۔" نیز فرمایا (ترجمہ) "ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی حیات دوام نہیں دی تو کیا جب آپ فوت ہو جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟"

اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنے پچھلے پیروں پلٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔" پس جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے ان کو جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے تھے تو اللہ ان کا نگران ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے نہ اسے موت ہے اور نہ اسے اونگھ اور نیند آتی ہے۔ وہ اپنے امر کا محافظ ہے اور اپنے دشمن سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اس سے اور جو چیز تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

"جسے اللہ ہدایت دے وہ راہ پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے وہ گم کردہ راہ ہو گیا۔"

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام لائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے روگرداں ہو گئے۔ ان کو یہ جسارت اس لیے

ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا اور شیطان کے اغوا کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جن تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو اب کیا تم اسے اور اس کی جماعت کو میرے سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ راہِ راست سے ہٹنے والوں کو برا بدلہ ملے گا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم اسے اپنا دشمن ہی سمجھو وہ اپنے فرمانبردار گروہ کو دوزخی ہونے کی دعوت دیتا ہے۔''

میں نے فلاں شخص کو مہاجرین، انصار اور تابعین باحسان کی جماعت کا امیر (سالارِ لشکر) بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اللہ کا پیغام تم تک نہ پہنچا دیں نہ کسی سے جنگ کریں اور نہ کسی کو قتل کریں۔

پس تم میں سے جو شخص اُن کی دعوت کو قبول کرے گا اور اُن کے کہنے کو مانے گا اور اپنی سرکشی سے باز آجائے گا اور نیک عمل کرے گا اُس کے قبولِ حق کو تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کی ہر طرح مدد کی جائے گی اور جو شخص انکار کرے گا، اس کے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے جنگ کی جائے اور جو قابو میں آجائے تو اس کو آگ میں جلا کر یا قتل کر کے ختم کر دیا جائے اور اس کے اہل و عیال کو غلام بنا لیا جائے اور اسلام کے سوا کسی بات کو اس سے قبول نہ کیا جائے پس جو شخص میرے نمائندوں کی بات مان کر اسلام کا اتباع کرے اسس

کے لیے بہتر ہے اور جو انکار (نافرمانی) کرے اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خدا کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے قاصد کو ہدایت کی ہے کہ وہ تمہارے مجمع میں میرے فرمان کو سنا دے اور تم کو اذان کی طرف بلائے۔ پس مسلمانوں کی اذان سن کر جو لوگ اذان دیں گے مسلمان ان کی جان اور مال کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے اور جو لوگ اذان نہ دیں گے ان سے اس کی وجہ دریافت کریں گے اگر وہ اس کی معقول وجہ بیان نہ کریں گے تو مسلمان بلا پس و پیش ان سے لڑیں گے اور اگر وہ کوئی معقول وجہ بیان کریں گے تو اس کو قبول کر لیں گے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس کے وہ سزاوار ہوں گے۔

میں نے اپنے نامہ بروں کو ہدایت کی ہے کہ میری یہ تحریر تم لوگوں کے ہر مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے۔"

(طبریؒ و ابن خلدونؒ وغیرہ)

دوسرا فرمان امرائے عساکر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

"ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فلاں شخص کے نام جو مرتدین سے لڑنے والی فوج کا امیر (سالارِ لشکر) بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ یہ منصب اس کو اس شرط پر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں ظاہر و باطن حتی الامکان اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے کام میں کوشش کرے اور جنہوں نے خدا سے روگردانی کی ہے اور اسلام سے منحرف ہو کر شیطان سے امیدیں

باندھی ہیں ان سے لڑے۔ اتمام حُجّت کے لیے پہلے ان کو اسلام کی طرف بُلائے اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے ہاتھ روک لے اور اگر قبول نہ کریں تو فوراً ان پر یورش کر دے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں۔ پھر ان پر اسلام کے جو حقوق و فرائض ہیں وہ انہیں بتائے اور ان کے جو حقوق اسلام پر ہیں ان سے ان کو آگاہ کرے۔ پھر ان پر جو حُقُوق ہیں اُن سے لے اور اُن کے جو حُقُوق ہیں اُن کو دے اس میں کسی قسم کی رو رعایت نہ کرے نہ مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے لڑنے سے روکے۔ پھر جو خدائے عزّ وجلّ کے حکم کو ماننے اور اس کا اقرار کرے تو اس کے اقرار کو تسلیم کرلیا جائے اور اچھی طرح اس کی اعانت کی جائے اور جس نے اللہ کے ہاں سے آئی ہوئی شریعت کا اقرار کرکے پھر انکار کیا اس سے ضرور جنگ کی جائے لیکن جب وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرلے اور اس کے بعد اپنے دل میں کچھ پوشیدہ نہ رکھے تو اس پر میری طرف سے کچھ مواخذہ نہیں اس کا محاسب اللہ تعالیٰ ہے البتہ جو شخص علانیہ طور پر اسلام کی دعوت کو رَدّ کر دے اس سے جنگ کی جائے اور اسے ذلت سے قتل کیا جائے چاہے وہ کہیں ہو اور کہیں بھاگ کر جائے۔ اور اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شرط اس کی قبول نہ کی جائے لیکن جو شخص اسلام کی دعوت قبول کرے اور اس کے حق کو مان لے تو اس کے اقرار کو تسلیم کرلیا جائے اور اس کی مدد کی جائے اور جو شخص انکار کرے اس سے جنگ کی جائے پس اگر خدائے عزّ وجلّ غلبہ دے تو ہتھیار سے یا آگ سے جس طرح ہو اس کو ہلاک کر ڈالا جائے

اور خدا جو مالِ غنیمت دلائے اس میں سے پانچواں حصّہ میرے پاس بھیج کر باقی کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

امیر کو لازم ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور جھگڑے سے باز رکھے۔ کسی غیر آدمی کو جسے مسلمان جانتے پہچانتے نہ ہوں مسلمانوں میں نہ آنے دے اس لیے کہ ممکن ہے وہ جاسوس ہو۔ سفر اور قیام میں مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور میانہ روی اختیار کرے۔ ان کی خبر گیری کرتا رہے۔ ان کے ساتھ خود بھی حُسنِ سلوک اور نرم گفتاری سے پیش آئے اور ان کو دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہدایت کرتا رہے۔" (ابنِ خلدون)

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے یہ تمام لشکر ذوالقصّہ جا کر مرتب فرمائے اور ان کو رخصت کرنے کے بعد واپس مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے۔

فتنۂ ردّہ کا مکمل استیصال کرنے میں مجاہدینِ اسلام کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں راہِ حق میں بہت سی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں مظفّر و منصور کیا۔ اس سلسلے میں جو اہم واقعات پیش آئے ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کریں گے۔

قبیلۂ طے کی توبہ

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ بنو اسد کی طرح عرب کا مشہور قبیلہ طے بھی طلیحہ بن خویلد اسدی کے دامِ فریب میں آکر مرتد ہو گیا تھا اور اس کے بہت سے آدمی طلیحہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ خوش قسمتی سے قبیلہ طے کے سردار حضرت عدیؓ بن حاتم طائی نہایت استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔ انہوں نے مدینہ منوّرہ پہنچ کر حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کو اپنے قبیلے کی گمراہی سے آگاہ کیا۔ حضرت ابُوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کی روانگی سے

پہلے حضرت عدیؓ کو ان کے قبیلے میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر اسلام میں واپس لانے کی کوشش کریں ورنہ خالدؓ بن ولید ان کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

حضرت خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ ذوالقصہ سے چلنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بطورِ خاص ہدایت کی کہ اپنی مہم کا آغاز بنو طے سے کرو۔ پھر بزاخہ جا کر طلیحہ کی سرکوبی کرو اور اس سے فارغ ہو کر بطاح کا رُخ کرو۔

صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو اپنی مہم کا آغاز "طے" سے کرنے کے لیے کیوں حکم دیا؟ قیاس یہ ہے کہ ان کو امید تھی کہ حضرت عدیؓ کے سمجھانے بجھانے سے یہ لوگ توبہ کر لیں گے اور طلیحہ سے الگ ہو جائیں گے یوں وہ تباہ ہونے سے بھی بچ جائیں گے اور حضرت خالدؓ کے لشکر کی تقویت کا باعث بھی بن جائیں گے۔

حضرت عدیؓ نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کو فہمائش کی کہ اسلامی لشکر یہاں بہت جلد پہنچنے والا ہے تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ اس کے پہنچنے سے پہلے تم توبہ کر لو اور طلیحہ سے الگ ہو جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

پہلے تو ان لوگوں نے ردّ و قدح کی اور حضرت عدیؓ کو بزدلی کا طعنہ دیا لیکن جب انھوں نے ان کو بتایا کہ اسلامی لشکر کی قیادت خالدؓ بن ولید کر رہے ہیں، تو وہ لرز اٹھے فوراً حضرت عدیؓ کی بات مان لی اور وعدۂ اطاعت کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ ہم کو تین دن کی مہلت لے دیں تاکہ ہم اپنے قبیلے کے لوگوں کو طلیحہ کے لشکر سے واپس لے آئیں ورنہ اس وقت ہمارے اعلانِ اطاعت کا خمیازہ انھیں بھگتنا پڑے گا، طلیحہ ان کو کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ حضرت عدیؓ ان کے کہنے کے مطابق حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے تین دن کی مہلت

لے لی۔ اس اثناء میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے ساتھیوں کو طلیحہ کے لشکر سے کوئی حیلہ بنا کر واپس لے آئے اور پھر سب اپنے اسلام کا اعلان کر کے حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے (حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ بنو طے کے ایک ہزار شہسوار حضرت خالدؓ کی فوج میں شامل ہوئے)۔

بنو جدیلہ بھی تائب ہو گئے

قبیلہ طے کی توبہ کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ ان کی اطلاع کے مطابق اس قبیلے کے بھی بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم نے ان سے کہا "قبیلہ طے ایک پرندہ کی مانند ہے جس کا ایک بازو (پر) جدیلہ ہے ان پر حملہ کرنے سے پہلے آپ مجھے موقع دیں کہ ان کو بھی اسلام میں واپس لانے کی کوشش کروں جس طرح قبیلہ طے کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے شاید ان کو بھی دے دے"۔

حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی چنانچہ وہ بنو جدیلہ کے پاس گئے اور ایسے احسن طریقے سے ان کو تبلیغ کی کہ انہوں نے بھی ارتداد سے تائب ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ بنو جدیلہ کے بھی ایک ہزار سوار حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

دو جلیل القدر صحابہؓ کی شہادت

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت عکاشہؓ بن محصن اور حضرت ثابتؓ بن اقرم انصاری کو دشمن کی ٹوہ لینے کے لیے بزاخہ کی طرف بھیجا جسے طلیحہ نے اپنا مستقر بنا رکھا تھا۔ اتفاق سے ان کی مڈبھیڑ طلیحہ کے ایک بھائی سے ہو گئی جسے انہوں نے قتل کر ڈالا۔ طلیحہ کو اطلاع ملی تو وہ اپنے دوسرے بھائی سلمہ کو لے کر نکلا، سلمہ نے حضرت ثابتؓ کو اور طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ

کو شہید کر ڈالا۔ حضرت خالدؓ پیش قدمی کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو ان دونوں کی لاشیں دیکھ کر بہت غمزدہ ہوئے اور وہاں سے بنو طے کی طرف واپس چلے آئے کیونکہ طلیحہ کی طاقت کا اندازہ کیے بغیر اس پر کاری ضرب نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ چند دن بنو طے میں قیام کے بعد انہوں نے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر لیا اور قبیلہ طے سے مزید مدد مانگی۔ انہوں نے کہا، بنو قیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو مزید مدد دے سکتے ہیں لیکن بنو اسد ہمارے حلیف ہیں ان سے آپ خود لڑیں۔

حضرت عدیؓ نے اپنے قبیلے کی بات کو ناپسند کیا اور فرمایا، خدا کی قسم میں تو بنو اسد کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جب وہ اسلام کے دشمن ہو گئے تو ہمارے حلیف کہاں رہے؟

حضرت خالدؓ نے حضرت عدیؓ سے کہا، اے عدی تمہارا جذبہ قابلِ قدر ہے لیکن بنو قیس اور بنو اسد کسی سے بھی لڑنا جہاد ہی ہے اس لیے تم اپنی قوم کی مخالفت نہ کرو اور جس قبیلہ سے وہ خوشی کے ساتھ لڑنا چاہے اس کے مقابلے پر جاؤ۔



جنگِ بُزاخہ

اب حضرت خالدؓ طُلَیحہ کی سرکوبی کے لیے بُزاخہ کی طرف بڑھے۔ طلیحہ کے لشکر میں عیینہ بن حصن فزاری بھی بنو فزارہ کے سات سو مرتدین کے ساتھ شریک تھا۔ حضرت خالدؓ بزاخہ پہنچے تو عیینہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابل ہوا اور فریقین میں خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔ طلیحہ وحی کے انتظار کے حیلہ سے چادر اوڑھ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب عیینہ نے اپنے ساتھیوں میں کمزوری کے آثار دیکھے تو دوڑتا ہوا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا:

"جبریل آئے یا نہیں؟"

اس نے کہا، "نہیں"

عیینہ یہ سن کر پھر لڑنے چلا گیا۔ جب مسلمانوں کا دباؤ اور بڑھ گیا تو پھر طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا، جبریل آئے؟ طلیحہ نے کہا، ابھی تک نہیں آئے۔ عیینہ نے کہا، ہماری مصیبت انتہا کو پہنچ گئی آخر جبریلؑ کب تک آئیں گے؟ یہ کہہ کر پھر لڑنے چلا گیا۔ اب مرتدین پر مسلمانوں کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ عیینہ کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ وہ تیسری مرتبہ دوڑا دوڑا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا، اب بھی جبریل آئے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا، ہاں آئے تھے۔

عیینہ نے پوچھا، کیا وحی لائے؟

طلیحہ نے کہا، وحی لائے ہیں کہ "اِنَّ لَکَ رَحًا کَرَحَاہُ وَحَدِیْثًا لَا تَنْسَاہٗ" (یعنی تیرے پاس بھی اسی قسم کی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے

اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہیں بھولے گا یا بالفاظِ دیگر تمہیں بھی ایسا ہی معرکہ درپیش ہے جیسا مسلمانوں کو، اور اس لڑائی کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے)

عیینہ یہ سن کر غضب ناک ہو گیا اور کہا:

"قَدْ عَلِمَ اللّٰہُ سَیَکُوْنُ حَدِیْثًا لَا تَنْسَاءُ"

(بے شک اللہ جان گیا کہ عنقریب ایسی بات ہونے والی ہے جس کو تو کبھی نہیں بھولے گا۔)

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں آیا اور چلا کر کہا:

"اے بنی فزارہ، خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ محض ایک جھوٹا آدمی ہے، میں لڑائی سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تم بھی ایسا ہی کرو اور اپنے قبیلے میں واپس جاؤ۔"

بنو فزارہ اُس کی آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے باقی لوگوں میں سے کچھ شکست کھا کر بھاگے اور کچھ مسلمان ہو گئے۔ طلیحہ نے پہلے سے بھاگنے کی تیاری کر رکھی تھی، اپنی بیوی کو ساتھ لے ایک گھوڑے (یا الگ الگ دو گھوڑوں) پر سوار ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور اپنے پیروؤں سے کہتا گیا کہ تم میں سے جو بھی اپنے اہل و عیال کو لے کر بھاگ سکے وہ بھاگ جائے۔ اس طرح دم کے دم میں میدان صاف ہو گیا۔ طلیحہ نے شام جا کر بنو کلب میں پناہ لی جب اس نے سنا کہ بنو اسد اور بنو غطفان مسلمان ہو گئے تو اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ایک مرتبہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ جاتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گزرا تو کسی نے حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا "اب میں کیا کروں وہ مسلمان ہو گیا ہے۔" حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو طلیحہ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی پھر اپنے قبیلے میں واپس آ گیا، وہاں سے مجاہدینِ اسلام کے ساتھ فارس گیا اور ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں

میں دادِ شجاعت دی۔ ایسے ہی کسی معرکے میں بڑی بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ ابنِ خلدونؒ اور ابنِ اثیرؒ نے تخصیص کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوا۔

طُلیحہ کی شکست کے نتائج

بُزاخہ سے طُلیحہ کا فرار بڑے دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا اور متعدد قبائل (بنو اسد، بنو قیس، بنو فزارہ، بنو عامر بن صعصعہ، بنو سُلیم، بنو ہوازن اور بنو کعب) نے ارتداد سے توبہ کر لی اور دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے کچھ قبائل (بنو اسد، بنو قیس، بنو غطفان اور بنو فزارہ) نے عملی طور پر طلیحہ کی مدد کی تھی لیکن ان کے تائب ہونے پر حضرت خالدؓ نے ان کو امن دے دیا۔ دوسرے قبائل تذبذب کی حالت میں تھے، ان کی نظریں طلیحہ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کونسا فریق غالب آتا ہے (تاکہ اس کا ساتھ دیں)۔ طلیحہ کی شکست سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت کا اظہار کیا پھر اس حلفیہ عہد پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ:

> "ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ انہی امور پر ہم اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں۔"

حضرت خالدؓ نے ان لوگوں کو اس شرط پر معافی دے دی کہ وہ اپنے

ان آدمیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں جنھوں نے مرتد ہو کر بہت سے مسلمانوں کو نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا تھا (ان کے اعضاء کاٹے تھے اور زندہ آگ میں جلا دیا تھا۔) چنانچہ ایسے لوگ حضرت خالدؓ کے سامنے حاضر کیے گئے انہوں نے ان کو قتل کرا ڈالا البتہ ان کے چند سرداروں عیینہ بن حصن الفزاری، قرہ بن ہبیرہ اور علقمہ بن اثاثہ کو گرفتار کر کے مدینہ منوّرہ بھیج دیا۔ عیینہ اور علقمہ کے توبہ کرنے پر اور دوبارہ اسلام قبول کر لینے پر حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے انہیں معاف کر دیا۔ قرۃ بن ہبیرہ نے کہا کہ میں کبھی مرتد نہیں ہوا البتہ میرا قبیلہ زکوٰۃ دینے میں متردّد تھا اور میں نے اسی کی طرف سے اس کا اظہار کیا تھا۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے اس کی بات کی تصدیق کی تو حضرت ابُوبکرؓ نے اسے بھی معاف کر دیا۔[1]

قبائل کے جن سربرآوردہ آدمیوں کو گرفتار کر کے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے پاس بھیجا گیا تھا ان میں سے ایک شخص الفجاءۃ ایاس بن عبد یالیل سلمی بھی تھا۔ یہ شخص انتہا درجے کی دغابازی کا مرتکب ہوا تھا۔ ابن خلدونؒ کا بیان ہے کہ فتنۂ اِرتداد کے آغاز میں الفجاءۃ مدینہ منوّرہ جا کر حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی خدمت میں

---

[1] حضرت عمرؓو بن العاص، خلیفۃ الرّسُولؐ کے طلب کرنے پر عمان سے مدینہ واپس آ رہے تھے تو راستے میں قرۃ بن ہبیرہ کے ہاں قیام کیا۔ قرۃ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی اور تخلیہ میں کہا کہ میری قوم زکوٰۃ کو تاوان سمجھتی ہے آپ خلیفۃ الرسولؐ کو مشورہ دیں کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت قبول نہ کریں گے ہاں اگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو وہ فرمانبردار رہیں گے حضرت عمرؓو بن العاص نے اس کی باتیں سن کر فرمایا "قرۃ کیا تم کافر ہو گئے ہو جو ایسا کہتے ہو اور مجھے عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم میں منکرین زکوٰۃ کو گھوڑے کی ٹاپوں سے مسل ڈالوں گا۔"

حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں مجھے سامانِ جنگ دیجئے تاکہ میں مرتدوں سے جا کر لڑوں۔ حضرت ابُوبکرؓ نے اس کو کچھ اونٹ یا گھوڑے اور لڑائی کا سامان دیا۔ (ایک روایت کے مطابق دس مسلح آدمی بھی اس کے ساتھ کر دیئے۔ بقولِ بعض اسے تیس اونٹ اور تیس سپاہیوں کے ہتھیار دیئے گئے) یہ بدبخت مدینہ سے نکل کر مقام جوا میں پہنچا تو قبیلہ بنو شرید کے ایک شخص نخبہ بن ابی میثاء کو (جو اس کا پرانا ساتھی تھا) بنو سُلیم و بنو ہوازن کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ (حضرت ابُوبکرؓ نے جو مسلمان اس کے ساتھ بھیجے تھے اس نے اُن کو شہید کر ڈالا۔) اس طرح اس نے مرتدوں پر حملہ کرنے کے بجائے مسلمانوں پر یورش کر دی اور سخت غداری کا مرتکب ہوا۔ حضرت ابُوبکرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت طریفہؓ بن حاجز کو الفجاءۃ اور نخبہ کی سرکوبی کا حکم دیا اور عبداللہ بن قیس حاشی کو طریفہؓ کی مدد کے لیے بھیجا۔ جوا کے باہر مسلمانوں اور مرتدوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں نخبہ مارا گیا اور الفجاءۃ ایاس بھاگا لیکن حضرت طریفہؓ نے تعاقب کر کے اس کو گرفتار کر لیا اور پابجولاں کر کے مدینہ بھیج دیا جہاں حضرت ابُوبکرؓ نے اس کو آگ میں ڈلوا کر مار ڈالا۔[1]



---

[1] اگرچہ الفجاءۃ اپنی غداری کی وجہ سے اس عبرتناک سزا کا پوری طرح مستحق تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی نرم دلی کی بنا پر اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں نے اسے آگ میں جلانے کے بجائے قتل کر دیا ہوتا۔
(کتاب الاموال۔ ابو عبید ص ۱۳۱)

اُمِّ زمل کا خروج اور اس کی سرکوبی

حضرت خالدؓ بن ولید نے بزاخہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اس عرصے میں وہ امن و امان قائم کرنے اور زکوٰۃ جمع کرنے میں مصروف رہے۔ اسی دوران میں ان کو اطلاع ملی کہ بنو فزارہ کی ایک عورت اُمِّ زمل سلمیٰ بنتِ مالک ایک جمعیّت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہی ہے[1] طلیحہ کے شکست خوردہ لشکر کے بھی کچھ لوگ بھاگ کر اس کے پاس چلے گئے ہیں اور اس طرح حواب کے مقام پر ایک بڑا لشکر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا ہے حضرت خالدؓ اس کی سرکوبی کے لیے حواب پہنچے تو وہ خود اونٹ پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے نکلی۔ مرتدین نے اس کے اونٹ کے گرد جمع ہو کر سخت مقابلہ کیا۔ اُمِّ زمل بھی بڑی بہادری سے لڑی اور اس کے جوش دلانے پر کم و بیش ایک سو شہسواروں نے اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں

---

[1] اُمِّ زمل سلمیٰ کی ماں اُمِّ قرفہ فاطمہ بنتِ ربیعہ بن بدر تھی اس کو اپنی قوم بنو فزارہ میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اسی نے اس کا دماغ خراب کر دیا اور اس نے عہدِ رسالت میں دو مرتبہ عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی سرکوبی کی اور دوسری مرتبہ حضرت زیدؓ بن حارثہ نے۔ حضرت زیدؓ بنو فزارہ کو شکست دے کر اُمِّ قرفہ اور اس کی بیٹی اُمِّ زمل کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ اُمِّ قرفہ کو تو بار بار بغاوت کرنے کے جرم میں قتل کرا دیا گیا اور اُمِّ زمل حضرت عائشہؓ کو دے دی گئی۔ انھوں نے اسے آزاد کر دیا (ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ان کی سفارش پر رہا کی گئی) اُمِّ زمل نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر سرکشی اختیار کر لی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔

بالآخر مسلمانوں نے اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا اور اُمِ زمل کو قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی تمام مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے ——— اب حضرت خالدؓ بن ولید مالک بن نُوَیرہ سے نبٹنے کے لیے بطاح کی طرف بڑھے۔

مالک بن نُوَیرہ کی روش

مالک بن نُوَیرہ، بنو تمیم کی شاخ بنو ثعلبہ بن یربوع کا سردار تھا۔
یہ شخص ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی اپنی سخاوت، مروت، شاعری اور بہادری کی وجہ سے عرب میں بہت مشہور ہو چکا تھا۔ اس کی بہادری تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اعراب کسی کی بہادری کا ذکر کرتے تو کہتے :-

"فَتیً وَلَا کَمَالِکٍ"

یعنی فلاں بہادر تو ضرور ہے لیکن مالک جیسا نہیں۔
مالک بن نُوَیرہ نے اواخر عہدِ رسالت میں مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کر لیا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کی مختلف شاخوں کے امیر اور محصّلِ زکوٰۃ مقرر فرمائے تو مالک بن نُوَیرہ کو بنو یربوع کا امیر اور محصّلِ زکوٰۃ مقرر فرمایا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑکی تو مالک بن نُوَیرہ نے عجیب روش اختیار کی وہ نہ بالکل مرتد تھا اور نہ پکا مسلمان۔ بظاہر اس کی خواہش یہ معلوم ہوتی تھی کہ مسلمان کامیاب ہوں تو مسلمان ہی رہے اور مرتدین کو کامیابی ہو تو کھلم کھلا مرتد ہو جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کے خلاف کارروائی کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ اس نے زکوٰۃ نہیں بھیجی تھی حالانکہ بنو تمیم کی دوسری شاخوں کے

سرداروں نے زکوٰۃ کی رقمیں بارگاہِ خلافت میں ارسال کر دی تھیں۔ مالک بن نویرہ نے چند دن پہلے نبوّت کی ایک جھوٹی دعویدار "سجاح" کا ساتھ بھی دیا تھا[1] اور مرتدین کی آمد و رفت بھی اس کے پاس رہتی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس نے رحرحان کے چشمے کے قریب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا تھا۔ حملے کے وقت وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

"یہ اونٹ تمہارا مال ہیں انہیں لوٹ لو اور کچھ پروانہ کرو کہ کل کیا ہو گا۔"

---

[1] اُمِ صادر سَجاح بنتِ حارث (بروایتِ دیگر بنتِ اوس) کا نسبی تعلق بنو تمیم سے تھا۔ اس کی ماں بنو تغلب کے عیسائی قبیلے سے تھی اور اکثر روایات کے مطابق وہ خود بھی عیسائی مذہب رکھتی تھی۔ اس کو کہانت اور خطابت میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ اسی کے بَل پر اس نے نبُوّت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور بنو تغلب، بنو ربیعہ، بنو النمر، بنو ایاد اور بنو شیبان کے ہزاروں ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد وہ اپنے وطن الجزیرہ (عراق) سے ہزاروں مریدوں کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب میں داخل ہوئی اور بنو تمیم میں پہنچ کر مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت بنو تمیم میں سخت پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور اس کی مختلف شاخیں ایک دوسرے کی دشمن تھیں۔ مالک بن نُویرہ نے سجاح سے مل کر اس کو مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے حریف قبیلے (غالباً بنو رباب) پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا پہلے تو اس قبیلے کو ہزیمت ہوئی لیکن جب ایک طاقتور سردار وکیع بن مالک ان کی مدد کو پہنچ گیا تو انہوں نے سجاح کو شکست دی۔ النباج (یمامہ) کو مراجعت کرتے ہوئے سجاح نے بنو عمرو کے ہاتھوں ایک دوسری شکست کھائی اور وہ یہ عہد کرنے پر مجبور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اقرعؓ بن حابس اور قعقاع بن معبد دارمی نے مالک بن نویرہ کو اس ڈاکہ زنی سے روکا اور کہا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا لیکن مالک نے ان کا مشورہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ـــــ ہو گئی کہ بنو تمیم کے علاقے کو چھوڑ دے گی۔ اب اس نے مسیلمۂ کذاب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مسیلمہ کو پتہ چلا تو وہ بہت گھبرایا کیونکہ اسلامی لشکر بھی اس کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا۔ اس نے بہت سے تحفے اور ہدیے بھیج کر سجاح کو صلح کا پیام دیا، اور کہلا بھیجا کہ پہلے نصف عرب ہمارا تھا اور نصف قریش کا لیکن قریش نے بدعہدی کی اس لیے خدا نے قریش کا حصہ تجھے دے دیا۔ سجاح اس پر راضی ہو گئی اور دوستانہ طور پر مسیلمہ سے ملنے گئی۔ وہاں ایک خیمے میں دونوں نے خلوت میں ملاقات کی۔ باہمی گفتگو کے نتیجے میں دونوں میاں بیوی بن گئے۔ تین دن مسیلمہ کے پاس رہ کر سجاح اپنی فوج میں واپس آئی تو سرداران لشکر نے اس سے پوچھا، تو نے مسیلمہ کو کیسا پایا؟ اس نے کہا میری طرح وہ بھی سچا نبی ہے اس لیے میں نے اس سے شادی کر لی۔ انہوں نے پوچھا، مہر کیا لیا؟ سجاح نے کہا، کچھ نہیں۔ اس پر سرداروں نے برافروختہ ہو کر کہا، جا اپنا حق مہر اس سے مانگ۔ سجاح پھر مسیلمہ کے پاس گئی وہ قلعہ کا دروازہ بند کر کے اندر جا چکا تھا، قلعہ کے اوپر سے پوچھا، کس لیے آئی ہو؟ سجاح نے کہا، میرا مہر دے۔ مسیلمہ نے پوچھا، تیرا وکیل کون ہے؟ اس نے کہا شیث بن ربعی۔ مسیلمہ نے شیث بن ربعی کو بلا کر کہا، "جا اپنی قوم میں اعلان کر دے کہ مسیلمہ نے سجاح کے مہر میں فجر اور عشا کی نمازیں تمہارے لیے معاف کر دیں۔"

اس کے بعد سجاح صلح کی شرط کے مطابق یمامہ کی نصف پیداوار لے کر اپنے وطن الجزیرہ واپس چلی گئی اور بنو تغلب میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں اس نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام پر ہی بصرہ میں فوت ہوئی۔ (ابن خلدون و ابن اثیر)

رَدّ کردیا اور یہ اشعار کہے :

أرانی اللّٰہ بالنعم المندی
ببرقۃ رحرحان وقد أرانی
أان قرت عیون فاستفیئت
غنائم قد یجود بہا بنانی
حویت جمیعہا بالسیف صلتا
ولم ترعد یدای ولا جنانی
تمشی یا ابن عوذۃ فی تمیم
وصاحبک الاقرع تلعنانی

(اللہ نے مجھے رحرحان کی زمین پر اپنی خاص نعمت سے نوازا۔ اس نعمت کو میں نے شمشیرِ برہنہ سے اکٹھا کیا اور ایسا کرنے میں نہ میرے ہاتھ کانپے اور نہ میرا دل دھڑکا۔ اے ابن عوذہ! تو بنو تمیم میں دیکھ لے تمام قبیلے میں میرے اس کارنامے کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لیکن تو اور تیرا ساتھی اقرع مجھے اس پر برا بھلا کہتا ہے)

(خالد، سیف اللہؓ ابوزید شبلی)

جب سجاح مسلیمہ کذّاب سے الگ ہو کر اپنے قبیلے میں واپس چلی گئی اور بنو تمیم کے بیشتر لوگ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئے تو مالک بن نُویرہ کو تشویش پیدا ہوئی اور اس نے ان مرتدین کو جو اس کے ہاں جمع رہتے تھے اپنے ہاں آنے جانے سے روک دیا لیکن زکوٰۃ اس نے اب بھی بارگاہِ خلافت میں نہ بھیجی۔

بطاح میں حضرت خالدؓ کا وُرُود

حضرت خالدؓ بن ولید بُزاخہ سے پیش قدمی کر کے علاقۂ بطاح

یں پہنچے تو انہوں نے مجاہدین کی چند چھوٹی چھوٹی جماعتیں مختلف دیہات کی طرف بھیجیں اور ان کو ہدایت کی کہ جس بستی میں پہنچو وہاں پہلے اذان دینا اگر جواب میں اس بستی کے لوگ بھی اذان دیں تو اُن سے کوئی تعرض نہ کرنا اور اگر کوئی جواب نہ دیں تو ان سے جنگ کرنا۔ ایسی ہی ایک جماعت گشت کرتی ہوئی مالک بن نویرہ کی بستی کے قریب پہنچی اور اذان دی تو بستی کے رَدِّ عمل کے بارے میں مجاہدین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ اصحاب کہتے تھے کہ جواب میں ہم نے بستی سے اذان کی آواز سنی ہے جبکہ بہت سے دوسرے اصحاب کا بیان تھا کہ بستی والوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ مالک بن نُوَیرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ کے پاس لائے اور تمام واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال ان لوگوں کو زیر حراست رکھو، کل صبح ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ ان کو ایک خیمے میں محبوس کر دیا گیا اور حضرت ضرارؓ بن الأزوَر کو ان کی نگرانی پر مامور کیا گیا۔

مالک بن نُوَیرہ کا قتل

رات کو سخت سردی پڑی۔ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ اِدفِئوا اَسراکُم (یعنی اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ) بنو کنانہ کے محاورہ میں اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ اپنے قیدیوں کو قتل کر دو حضرت ضرارؓ بن الازور نے حضرت خالدؓ کے حکم کا یہی مطلب سمجھا اور مالک بن نُوَیرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے شور و غُل سُنا تو پوچھا، یہ کیا ہے؟ جب انہیں بتایا گیا کہ قیدی قتل کر دیئے گئے ہیں تو انہوں نے کہا، اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ (طبری ج ۲ ص ۵۰۲)

علامہ ابن خلکانؒ نے " وفیات الاعیان " میں یہ واقعہ ایک دوسری صورت میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب مالک بن نُوَیرہ کو حضرت خالدؓ کے سامنے پیش

کیا گیا تو ان کے استفسار پر اس نے کہا: "میں نماز تو ادا کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل نہیں۔"

حضرت خالدؓ نے کہا: "کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت یکساں ہے اور ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں ہوتی۔"[1]

مالک نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا: "قَدْ کَانَ صَاحِبُکَ یَقُوْلُ ذَالِکَ" (ہاں تمہارا صاحب یونہی کہا کرتا تھا)

حضرت خالدؓ کو اس کے گستاخانہ لہجے پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے فرمایا: "کیا وہ تمہارے صاحب نہیں تھے؟[2] اگر تم زکوٰۃ دینے سے انکار کرو گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔"

اس پر مالک نے کہا—"اَوَبِذٰلِکَ اَمَرَکَ صَاحِبُکَ" (کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے)۔

حضرت خالدؓ نے غصہ سے کہا "پہلی گستاخی کے بعد دوبارہ پھر گستاخی—بخدا میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔" اس کے بعد ان کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کی بیوہ اُمِّ تمیم بنت منہال سے نکاح کر لیا۔

علّامہ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں ایک بالکل مختلف روایت لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"بطاح بنی اسد کے علاقہ میں ایک چشمہ کا نام ہے وہاں مسلمانوں اور

---

[1] یعنی نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں جب تک کوئی شخص ان دونوں کی فرضیت کا قائل نہ ہو اس کی کوئی ایک عبادت خواہ وہ زکوٰۃ ہو یا نماز قبول نہیں ہوتی۔

[2] یعنی کیا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا صاحب نہیں سمجھتا؟

مرتدین کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید تھے اور ضرارؓ بن الازور اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ مالک بن نُوَیرہ اپنے لشکر کے ساتھ بطاح کے قریب میدان میں مسلمانوں کے مقابل ہوا۔ ضرارؓ بن الازور نے کھلی جنگ میں اس کو قتل کر ڈالا۔"

(معجم البلدان ج۔۱ ص ۶۶۱)

اس سلسلے میں کچھ اور روایتیں بھی ملتی ہیں لیکن طبریؒ اور ابن خلکانؒ کی روایتوں کو خاص اہمیّت حاصل ہے کیونکہ بعض دوسرے نامور مؤرخین مثلاً ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر وغیرہ کے بیانات بھی ان کی تائید میں ملتے ہیں۔

حضرت خالدؓ کے لشکر میں جلیل القدر صحابی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ بھی شامل تھے ان کو مالک بن نُوَیرہ کا قتل ناگوار گزرا کیونکہ ان کے خیال میں مالک کی بستی سے اذان کی آواز آئی تھی اور وہاں کے لوگوں نے نماز بھی پڑھی تھی اس لیے مالک کا قتل جائز نہیں تھا، چنانچہ وہ خفا ہو کر مدینہ منوّرہ چلے گئے اور حضرت ابُوبکر صدّیقؓ سے حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کو مدینہ منوّرہ بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے ان سے بازپرس کی۔ انہوں نے سارا واقعہ بلاکم وکاست عرض کر دیا۔ صدّیق اکبرؓ نے ان کا عذر قبول کر لیا لیکن حضرت عمر فاروقؓ جو وہیں موجود تھے مطمئن نہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابو قتادہؓ کی شکایت کو درست قرار دیا اور حضرت خالدؓ کو معزول کرنے اور ان سے قصاص لینے پر اصرار کیا۔ اس پر حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا:

"ھَبْہُ یَا عُمَرُ تَاَوَّلَ فَاَخْطَاءَ فَارْفَعْ لِسَانَکَ عَنْ خَالِدٍ"

(اے عمر چھوڑو بھی، زیادہ سے زیادہ خالد نے تاویل کی اور اس میں اس سے خطا ہوئی۔)

جب حضرت عمرؓ پھر بھی نہ ملنے تو خلیفۃ الرسولؐ نے دو ٹوک الفاظ میں کہا: "لَا اَشِیْمُ سَیْفًا سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَی الْکَافِرِیْنَ" (جس تلوار کو اللہ نے کفار پر کھینچا ہو میں اس کو نیام میں نہیں کر سکتا)، البتہ انھوں نے مالک بن نُوَیرہ کے وارثوں کو بیت المال سے اس کا خون بہا ادا کر دیا۔ گویا حضرت خالدؓ سے اس معاملہ میں اگر بے احتیاطی ہوئی تھی تو وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے اس سے صرفِ نظر فرمایا اور حضرت خالدؓ کو اپنے منصب پر بحال رکھتے ہوئے محاذِ جنگ پر واپس بھیج دیا۔

مالک بن نُوَیرہ کے واقعۂ قتل پر ایک نظر

تاریخِ اسلام میں مالک بن نُوَیرہ کے واقعۂ قتل کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے تمام کردار نہایت قد آور شخصیتوں کے مالک تھے، مقتول مالک بن نویرہ عرب کا نامور آدمی تھا، اس کو قتل کرانے والے حضرت خالد سیف اللہؓ تھے۔ ان کی اس کارروائی پر اعتراض کرنے والے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ تھے جن کو بارگاہِ رسالت سے فارس (بہترین شہسوار) کا لقب عطا ہوا تھا۔ ان کی تائید کرنے والے حضرت عمر فاروقؓ تھے اور فیصلہ دینے والے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبرؓ تھے۔ اس واقعہ کی شہرت کا سبب یہ بھی ہوا کہ مالک بن نُوَیرہ کے بھائی مُتمّم بن نُوَیرہ نے (جو ایک نامور شاعر تھے) مالک کے قتل پر نہایت دلدوز مرثیے کہے جو آناً فاناً عرب کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ مُتمّم ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اُن سے مرثیہ سننے کی خواہش کی۔ جب مُتَمِّم نے مالک کے قتل پر کہا ہوا اپنا ایک مرثیہ پڑھا تو حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ "کاش میں بھی مرثیہ کہہ سکتا تو اپنے بھائی زیدؓ بن خطاب کا مرثیہ کہتا (حضرت زیدؓ جنگِ یمامہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔)

مُتَمِّم نے عرض کیا "امیر المومنین اگر میرا بھائی زیدؓ کی طرح لڑ کر شہید ہو جاتا تو میں ہرگز اس پر مرثیہ خواں نہ ہوتا۔"

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مُتَمِّم نے جس طرح میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مُتَمِّم بن نُوَیرہ، جو ایک مخلص مسلمان تھے، مالک بن نُوَیرہ کے قتل کو ناجائز یا مظلومانہ سمجھتے تھے؟ اکثر اہلِ علم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مُتَمِّم کو اپنے بھائی سے بے پناہ محبّت تھی۔ ان کو دُکھ اس بات کا تھا کہ ان کا محبوب بھائی، جو ایک بہادر اور دانا آدمی تھا، گمراہ ہو کر حالتِ ارتداد میں مارا گیا اور اس کا انجام خراب ہوا۔ اسی لیے انہوں نے کہا کہ اگر مالک زیدؓ بن خطّاب کی طرح (مرتدوں کے خلاف راہِ حق میں) لڑ کر شہید ہوتا تو وہ کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتے۔ ہو سکتا ہے مُتَمِّم کے مرثیوں کے محرّک کچھ دوسرے احساسات بھی ہوں لیکن ان کی نوعیت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ارباب سیر و تاریخ نے مالک بن نُوَیرہ کے واقعۂ قتل کے بارے میں طویل بحثیں کی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک بن نویرہ کا قتل "قتلِ عمد" نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو "قتلِ خطا" کہا جا سکتا ہے البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مالک فتنۂ ارتداد میں ضرور ملوّث ہوا۔ اسلامی لشکر کے آنے سے پہلے اس نے اپنی روش

تدریے تبدیل کرلی تھی اور حضرت ابو قتادہؓ کے بیان کے مطابق اس کی بستی کے لوگوں نے اذان بھی دی تھی اور نماز بھی پڑھی تھی لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی قائل ہو گیا تھا۔ اس کو مرتد سمجھنے کے لیے یہی بات کافی تھی کہ نہ اس نے زکوٰۃ کی رقم بارگاہِ خلافت میں بھیجی نہ حضرت خالدؓ کو دی اور نہ ان کے سامنے اس کی فرضیت کو تسلیم کیا۔ تاہم اگر حضرت خالدؓ اسے بھی اسی طرح بارگاہِ خلافت میں بھیج دیتے جس طرح فتنۂ ارتداد میں ملوّث دوسرے سرداروں کو بھیجا تھا تو یہ سارا قضیہ پیدا ہی نہ ہوتا لیکن قدرت کو جو منظور تھا وہی ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس معاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا اس کے بعد کسی بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ صحابۂ کرامؓ میں اُن سے بڑھ کر کسی کی رائے صواب نہیں ہو سکتی تھی اور پھر اس فیصلے کی ایک نظیر بھی موجود تھی وہ یہ کہ چند سال پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی قیادت میں بنو جذیمہ کی طرف ایک سریّہ بھیجا تھا۔ وہ لوگ مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی قواعد اور اصطلاحات سے ناواقف تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ زور زور سے کہنے لگے "صبانا صبانا" اس کے لفظی معنی ہیں ہم بے دین ہو گئے ہم بے دین ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ سے ان لوگوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے۔

مجاہدین نے ان کے اس مفہوم کو نہ سمجھا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ حضورؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ بہت ناراض ہوئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔"

اس کے بعد آپؐ نے ان مقتولین کی نصف دیت بیت المال سے ادا فرمائی لیکن

حضرت خالدؓ سے کوئی بدلہ نہیں لیا اور نہ ان کو فوجی خدمات سے معزول کیا۔

رہا یہ سوال کہ حضرت خالدؓ کے اُمِّ تمیم سے نکاح کے بارے میں سیّدنا صِدّیقِ اکبرؓ نے کیا فیصلہ دیا تو اس کا جواب بھی واضح ہے وہ یہ کہ جب انہوں نے حضرت خالدؓ کو اپنے منصب پر بحال رکھا تو ان کے نزدیک یہ نکاح بھی جائز تھا اور اس پر اعتراض کا کوئی وزن نہ تھا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں ایک روایت درج کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدنا صِدّیقِ اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اُمِّ تمیم سے مفارقت اختیار کر لیں لیکن متعدد دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اس سے مفارقت اختیار نہیں کی۔ اس لیے یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت خالدؓ نے صِدّیقِ اکبرؓ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور یا اس روایت کو رَدّ کرنا پڑے گا۔

ہمارے خیال میں صِدّیقِ اکبرؓ شریعتِ حقّہ کے احکام نافذ کرنے میں بڑے سخت تھے اور یہاں تو حلال اور حرام کا سوال تھا اگر وہ اس نکاح کو ناجائز یا فاسد سمجھتے تو کبھی اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں دو اور روایتوں کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ علّامہ ابنِ خلکانؒ نے "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ:

> "اُمِّ تمیم نے تین حیض گزار کر اپنی عِدّت پوری کی اور پھر حضرت خالدؓ نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔"

حافظ ابنِ کثیرؒ نے بھی "البدایہ والنّہایہ" میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

> "جب وہ (اُمِّ تمیم) شرعاً حلال ہو گئی تو انہوں نے (حضرت خالدؓ نے) اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔"

لیکن اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ شریعت میں ایک کافر اور مرتد

کے قتل کے بعد اس کی بیوی کو باندی بنایا جا سکتا ہے اس کے لیے عدت گزارنا ضروری نہیں البتہ استبراء رحم ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور وہ ایک حیض سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض راویوں کا یہ بیان کہ حضرت خالدؓ نے مالک کے قتل کے فوراً بعد ام تمیم سے نکاح کر لیا، غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ کی اصل صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خالدؓ نے مالک کے قتل کے بعد ام تمیم کو لونڈی کی حیثیت سے اپنے قبضے میں لے لیا لیکن اس نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ جب اس کی مدت طہر پوری ہو گئی تو اس سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کا محرک ان کا یہ جذبہ بھی ہو سکتا ہے کہ ام تمیم ایک سربرآوردہ شخص کی بیوی تھی۔ اس شخص کے قتل کے بعد اس کی دلجوئی اور سرپرستی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ وہ اس سے نکاح کر لیں چنانچہ انہوں نے شرعی طریقے سے یہی کیا اسی لیے صدیق اکبرؓ نے ان کے اس فعل سے صرف نظر کیا۔

حضرت عکرمہؓ اور مسیلمہ کی جنگ

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا تھا اور ان کی مدد کے لیے حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عکرمہؓ کے ذوالقصہ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو تاکید فرمائی تھی کہ شرحبیلؓ کے پہنچنے سے پہلے مسیلمہ سے لڑائی نہ چھیڑنا۔ حضرت عکرمہؓ یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کذاب کی خوفناک جنگی طاقت کا اندازہ نہ کر سکے اور جوش تہور میں حضرت شرحبیلؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس کا نتیجہ ان کی پسپائی کی صورت میں نکلا۔ حضرت شرحبیلؓ وہاں پہنچے تو ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی لیکن انہوں نے پیچھے ہٹ کر مسیلمہ سے

چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت شرحبیلؓ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ان کو حضرت عکرمہؓ کی پسپائی کی خبر ملی۔ وہ اسی جگہ ٹھہر گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو عکرمہؓ کی پسپائی اور مسیلمہ کی جنگی قوت اور تیاریوں سے آگاہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عکرمہؓ پر اس قدر غصہ آیا کہ انہوں نے ان کو ایک نہایت سخت خط بھیجا جس میں لکھا کہ :

"تم نے شرحبیلؓ کے پہنچنے سے پہلے مسیلمہ سے کیوں لڑائی چھیڑ دی؟ خیر جو ہوا سو ہوا لیکن اب مدینہ کا رُخ نہ کرنا تاکہ نہ میں تمہاری شکل دیکھوں اور نہ تم میری شکل دیکھو۔ وہیں سے حُذیفہ اور عرفجہ کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ ہو کر مہرہ اور عمان کے مرتدوں سے لڑو۔ وہاں سے فرصت پا کر مہاجر بن ابی امیہ کے پاس چلے جانا اور حضرموت اور یمن کے مرتدین سے لڑنا۔"

مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالدؓ کی نامزدگی

حضرت عکرمہؓ کو یہ خط بھیجنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ یمامہ جا کر مسیلمہ کا مقابلہ کرو۔ ساتھ ہی حضرت شرحبیلؓ کو لکھا کہ تم اپنے لشکر کو لے کر خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خالدؓ مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلہ میں جواب دہی کر کے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں یمامہ جا کر مسیلمہ سے لڑنے کا حکم دیا۔ حضرت خالدؓ کی مدد کے لیے

حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین اور انصار کی ایک جمعیت روانہ کی مہاجرین کے امیر حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت زیدؓ بن خطاب تھے اور انصار کے امیر حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری تھے۔ ان مہاجرین و انصار میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ حُفاظ اور قُراء شامل تھے جو بدر، اُحد، احزاب اور حنین وغیرہ کے معرکوں میں شریک ہو چکے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے یمامہ کا عزم کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک اور دستۂ فوج ان کے عقب میں روانہ کیا تاکہ حضرت خالدؓ کے لشکر پر مرتدین کا کوئی گروہ پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔



جنگِ یمامہ

حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی طرف بڑھے تو راستے میں ان کی مڈبھیڑ مرتدین بنو حنیفہ کے ایک دستے سے ہو گئی۔ یہ دستہ بنو حنیفہ کے ایک با اثر سردار مجاعہ بن مرارہ کی سرکردگی میں بنو عامر اور بنو تمیم پر شب خون مار کر واپس آ رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس سارے دستے کو گرفتار کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ مجاعہ کے سوا باقی سب لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ان سب کو قتل کر دیا گیا البتہ مجاعہ کو جنگی مصلحت کے پیشِ نظر حضرت خالدؓ نے پابزنجیر کر کے ایک خیمے میں قید کر دیا اور اپنی اہلیہ اُمِ تمیم کو اس کا نگران بنا دیا۔ یہاں سے اسلامی لشکر یمامہ پہنچا تو مسیلمہ کو چالیس ہزار جنگجو اعراب کے ساتھ عقربا کے مقام پر خیمہ زن پایا۔ حضرت خالدؓ نے بھی اس کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔

دوسرے دن لڑائی کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے نہار الرجال بن عنفوۃ مرتدین کی طرف سے میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت زیدؓ بن خطاب اس کے مقابل ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں اس کو قتل کر ڈالا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کے بیٹے شرحبیل نے اپنے قبیلے کو یہ کہہ کر جوش دلایا کہ:

"اے بنو حنیفہ آج قومی غیرت و حمیت کا دن ہے سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑو، اگر مسلمان تم پر غالب آ گئے تو تمہارے اہل و عیال ان کے

قبضے میں چلے جائیں گے اس لیے اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرو اور مسلمانوں کو تباہ کر دو۔"

شرحبیل کی تقریر نے مرتدین بنو حنیفہ کو شعلۂ جوّالہ بنا دیا اور وہ اس جوش سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ ہزار جتن کے باوجود اپنی صفیں قائم نہ رکھ سکے اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔[1] اس نازک موقعہ پر ان صحابۂ کرامؓ نے جو لشکر میں کافی تعداد میں موجود تھے اور جن میں سے بعض مختلف دستوں کی قیادت کر رہے تھے، محیّر العقول شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور عہدِ رسالت کے معرکوں کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے مسلمانوں کو للکارا: "اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کی زینت بڑھاؤ۔" یہ کہہ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت زیدؓ بن خطاب نے پیچھے ہٹتے ہوئے

---

[1] بعض مؤرّخین نے لکھا ہے کہ مرتدین مسلمانوں کو دباتے دباتے حضرت خالدؓ کے خیمے تک آ پہنچے اور ان کی بی بی اُمِ تمیم کو قتل کرنا چاہا لیکن مجاعہ جو ساتھ کے خیمے میں مقید تھا اس نے ان کو روکا اور کہا، یہ بہت اچھی آزادی بی بی ہیں، عورتوں کو کیا مارتے ہو مردوں کا مقابلہ کرو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُمِ تمیم نے مجاعہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ اس کی بات سن کر مرتدین نے اُمِ تمیم کو تو چھوڑ دیا البتہ انہوں نے خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں (یا اس کو تباہ کر دیا) لیکن اس روایت کی صحت درایت کی رو سے محلِ نظر ہے۔ کیونکہ یہی مؤرّخین کہتے ہیں کہ مجاعہ لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی حضرت خالدؓ کے پاس مقید تھا۔ اگر مرتدین حضرت خالدؓ کے خیمے تک پہنچ سکتے تھے اور مجاعہ اُمِ تمیم کو قتل ہونے سے بچا سکتا تھا تو کیا مرتدین مجاعہ کی زنجیریں کاٹ کر اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے؟ یہ شخص بنو حنیفہ کے معزز ترین لوگوں میں سے تھا۔ اگر مرتدین اس تک پہنچ جاتے تو اس کے مقید رہنے کی کیا تُک ہو سکتی تھی۔

مسلمانوں کو پکار کر کہا:

"مسلمانو! خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے، واللہ آج میں اس وقت تک نہیں بولوں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے دوں یا اللہ کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت نہ پیش کر دوں۔

اے لوگو! سختیاں برداشت کرو، ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر لوٹ پڑو۔ آگے بڑھو، مسلمانو! تم خدا کی جماعت ہو اور تمہارے دشمن شیطانی لشکر۔ عزت اللہ کے لیے، اللہ کے رسولؐ کے لیے اور اس جماعت کے لیے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو۔"

یہ کہہ کر تلوار کھینچی اور دشمن پر لوٹ پڑے یہاں تک کہ جامِ شہادت پی کر خُلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

حضرت قیسؓ بن ثابت انصاری نے للکار کر کہا:

"اے مسلمانو! تم نے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی۔ اے اللہ میں اہلِ یمامہ کے معبود سے اور مسلمانوں کی پسپائی سے برّیت کا اظہار کرتا ہوں۔ مسلمانو! دیکھو حملہ یوں کرتے ہیں"

یہ کہہ کر دشمن پر لوٹ پڑے۔ ایک دشمن کے وار سے ان کا پاؤں کٹ گیا وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کو ہلاک کر ڈالا اور خود بھی شہید ہو گئے۔

حضرت عمّارؓ بن یاسرؓ کا ایک کان لڑائی میں شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پروائی کے ساتھ حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے قدم اُکھڑتے دیکھے تو ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارے:

"اے مسلمانو! کیا جنّت سے بھاگ رہے ہو۔ دیکھو میں عمّار بن یاسر ہوں، آؤ میری طرف آؤ۔"

یہ کہہ کر اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اکھڑتے ہوئے قدم پھر جم گئے مہاجرین کے عَلَمبردار حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے اور للکارے:

"مسلمانو! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی میں تو ہم اس طرح میدان نہیں چھوڑتے تھے۔"

اتنے میں مرتدوں کا ایک زبردست ریلا آیا۔ حضرت سالمؓ اس جوش سے لڑے کہ کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے۔ ایک ہاتھ شہید ہو گیا تو دوسرے میں عَلَم تھام لیا۔ دوسرا بھی کٹ گیا تو دست بریدہ بازوؤں کا حلقہ بنا کر عَلَم کو سینے سے چمٹا لیا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔

علاّمہ طبری نے لکھا ہے لَمْ يَلْقَ الْمُسْلِمُوْنَ حَرْبًا مِّثْلَهَا قَطُّ یعنی مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن جب بہت سے صحابۂ کرامؓ نے مردانہ وار لڑتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ راہِ حق میں پیش کر دیا تو مسلمان سنبھلے اور تازہ جوش اور ولولے کے ساتھ مرتدین کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے اس زور کا حملہ کیا کہ مرتدین کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں مسلیمہ کا ایک نامی سردار محکم بن طفیل اپنی قوم کو لیے کھڑا تھا اس نے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر بڑے زور کا جوابی حملہ کیا۔ عین اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ نے اس پر تاک کر تیر چلایا جو اس کی گردن میں پیوست ہو گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، اس سے مسلمانوں کی ہمت دوچند ہو گئی اور انہوں

نے حملہ کر کے مرتدین کو بہت پیچھے دھکیل دیا۔ لڑائی کی اب یہ کیفیت تھی کہ دونوں فریق سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ کبھی ایک پیچھے ہٹ جاتا کبھی دوسرا۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو جائے اور اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ معلوم ہو کہ ہماری کمزوری کس قبیلے کی وجہ سے ہے۔ اس تدبیر کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ ہر قبیلہ اپنی غیرت و حمیت برقرار رکھنے کے لیے نہایت بے جگری سے لڑنے لگا لیکن مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود مسیلمہ محافظوں کے گھیرے میں جم کر کھڑا تھا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھ لیا کہ جب تک مسیلمہ نہ مارا جائے گا کامیابی مشکل ہے۔ وہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے مسیلمہ کی طرف بڑھے یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ گئے۔ اب انہوں نے اس کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ اُس نے ادھر دیکھا تو حضرت خالدؓ نے اس کے سامنے شرائطِ صلح پیش کرنی شروع کیں کہ ہتھیار پھینک دو اور اسلام قبول کر لو وغیرہ۔ مسیلمہ ہر شرط پر منہ اس طرح پھیر لیتا یا جھکا لیتا گویا وحی کا منتظر ہے۔ حضرت خالدؓ اسی حالت میں اس پر جھپٹ پڑے، ساتھ ہی مسلمانوں کو للکارا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا اور اپنے قلعہ نما باغ "حدیقۃ الرحمٰن" میں گھس گیا۔ اس کے لشکر کا بیشتر حصہ بھی باغ میں داخل ہو گیا اور اس کی چار دیواری کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں میں حضرت انسؓ بن مالک (خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھائی حضرت براءؓ بن مالک بھی موجود تھے اُن کی عجیب عادت تھی۔ جب ان کو جوش آتا تو ان کے جسم پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا۔ کئی آدمی ان کو دبا لیتے یہاں تک کہ لرزہ ختم ہو جاتا، پھر وہ شیر کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ اس لڑائی میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوئی لرزہ ختم ہوتے کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے تاب تھے لیکن باغ کی چار دیواری ان کے راستے میں حائل تھی۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا، مجھ کو اٹھا کر باغ کے اندر

پھینک دو۔ مسلمانوں نے کہا، ایسا نہیں ہوسکتا اس طرح تو آپ دشمن کے قابو میں آجائیں گے۔ حضرت براءؓ نے انہیں قسم دے کر کہا، مجھے باغ میں اتار دو۔ آخر مسلمانوں نے ان کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ باغ میں کود پڑے۔ بے شمار مرتدین اُن پر لوٹ پڑے لیکن وہ لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک تک پہنچ گئے اور اس کو کھول دیا۔[1]

پھاٹک کھلتے ہی اسلامی لشکر جو باہر کھڑا تھا باغ کے اندر داخل ہوگیا اور فریقین میں خونریز جنگ ہونے لگی۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکار کر کہا:

"مسلمانو! ثابت قدم رہو بس تمہارے ایک اور ہلّے کی دیر ہے کہ دشمن تباہ ہوگیا۔"

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت براءؓ پر لرزہ اس وقت طاری ہوا جب مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر اُن کو سخت جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارے:

"اَیْنَ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَا الْبَرَاءُ بْنُ مَالِکٍ هَلُمَّ اِلَیَّ"

(اے جماعت مسلمین کدھر؟ میں براء بن مالک ہوں میری طرف آؤ)

یہ کہہ کر مرتدین پر لوٹ پڑے۔ ان کو مارتے کاٹتے آگے بڑھ رہے تھے کہ مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں نے باغ میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو قسم دے کر دیوار پر چڑھے۔ ان کے ساتھ ایک اور مجاہد حضرت ابودجانہ انصاریؓ بھی باغ کے اندر کود پڑے لیکن ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تاہم دونوں مجاہد دشمن کو مارتے کاٹتے پھاٹک تک پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ اس کے بعد لڑائی کا جو (آخری) دور شروع ہوا حضرت ابودجانہؓ نے اسی میں شہادت پائی۔

اس للکار پر مسلمانوں نے اس قیامت کا حملہ کیا کہ مرتدین کے قدم اکھڑ گئے۔ مسیلمہ بھاگنے لگا تو اس کے ساتھیوں نے کہا "تیرا وعدہ کیا ہوا جو خدا نے تیرے قول کے مطابق تجھ سے کیا تھا؟"

اس نے کہا "یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچا لو۔"

اس وقت دو حربے اس پر ایک ساتھ پڑے۔ ایک وحشیؓ بن حرب (قاتل حضرت حمزہؓ) نے پھینکا تھا اور دوسرا حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم انصاری نے جن کے بھائی حضرت حبیبؓ بن زید کو کچھ عرصہ پہلے مسیلمہ نے نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا تھا۔ ان کی بہادر والدہ حضرت اُمِّ عمارہؓ بھی ان کے ساتھ تھیں اور مسیلمہ سے بدلہ لینے کی خاطر میدانِ جنگ میں آئی تھیں۔ یہ حربے پڑتے ہی مسیلمہ ہلاک ہو گیا[1] اور مرتدین حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی میں مرتدین کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ جس جگہ وہ قتل ہوئے اس کا نام "حدیقۃ الموت" مشہور ہو گیا۔ مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی ان میں تین سو انصار و مہاجرین تھے اور سات سو کلام اللہ کے حفاظ تھے۔ بنو حنیفہ کے جن مرتدین نے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا حضرت خالدؓ نے انہیں معاف کر دیا اور پھر ایک قاصد کو فتح کی خوشخبری دے کر بنو حنیفہ کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وفد کے اراکین سے فرمایا ——— "افسوس تمہارے حال پر، تم کس طرح مسیلمہؑ کذاب

---

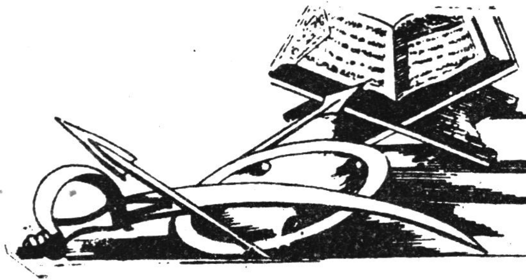
[1] لڑائی کے بعد حضرت خالدؓ نے مجاعہ کی مدد سے مسیلمہ کی لاش تلاش کی۔ پست قد لمبی ناک کا زرد رُو آدمی تھا۔

کے دامِ فریب میں پھنس گئے ؟" انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی کی التجا کی۔
حضرت ابُوبکرؓ نے پوچھا: "آخر اس کی تعلیم کیا تھی"
انہوں نے عرض کیا، "اس کی خود ساختہ وحی کا نمونہ یہ ہے:
يَا ضِفْدَعُ نَقِّيْ نُقِّيْ لَا الشَّارِبَ تَمْنَعِيْنَ وَلَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ - لَنَا نِصْفُ الْاَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفٌ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ -
(اے مینڈک تو پاک ہے پاک۔ نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی گدلا کرتا ہے۔ آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا لیکن قریش تو ایک زیادتی کرنے والی قوم ہے)
حضرت ابُوبکرؓ نے یہ خرافات سن کر فرمایا:
"سبحان اللہ —— تمہارے حال پر افسوس، یہ کلام جس کو کلامِ ربّانی سے کوئی نسبت ہی نہیں، تم کو کہاں کھینچ لے گیا۔"
یہ وفد مدینہ منوّرہ سے چلنے لگا تو صدّیق اکبرؓ نے ان لوگوں کو ہدایت کی کہ اب ہمیشہ اسلام پر قائم رہنا اور ایسے کام کرنا جن سے خدا اور رسولؐ راضی ہو جائیں[۱]
جنگِ یمامہ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ایک وادی "الوبر" میں

---

[۱] حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنّہایہ" میں لکھا ہے کہ بنو حنیفہ کے سینکڑوں لوگ ایسے تھے جنھوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا اور اپنے قلعوں کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے تھے۔ جنگِ یمامہ کے بعد حضرت خالدؓ نے ان قلعوں کا محاصرہ کیا تو مرد عورتیں سب ہتھیار پہن کر قلعوں کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے (یہ ترکیب
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۲۱۵ پر)

مقیم ہو گئے۔ اس اثناء میں ملک کے دوسرے حصوں میں بھی مرتدین بُری طرح کچل دیئے گئے تھے اور فتنۂ اِرتِداد کا مکمل استیصال ہو چکا تھا (اس کی تفصیل آگے آتی ہے)
جنگِ یمامہ کے سالِ وقوع کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۱ھ ہجری لکھا ہے اور کسی نے ۱۲ھ ہجری، لیکن مختلف روایتوں کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۱۱ھ ہجری کے آخر میں ہوئی۔



(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) انہوں نے مجاعہ کے خفیہ مشورے پر کی تھی، مقصد یہ تھا کہ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ معلوم ہو) ساتھ ہی انہوں نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ ہم نے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا ہے اور ہتھیار پھینکنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں معاف کر دیا جائے اور ہمارے جس مال و اسباب پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ہمیں واپس دے دیا جائے۔ چونکہ ان لوگوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا حضرت خالدؓ نے مزید خونریزی سے بچنے کے لیے انھیں معاف کر دیا اور ان کا مال و اسباب بھی انھیں واپس کر دیا۔ بعد میں مجاعہ نے انہیں بتایا کہ میں نے یہ ترکیب اس لیے اپنی قوم کو بتائی تھی کہ وہ تباہ و برباد ہونے سے بچ جائے۔

مرتدینِ عمان و مہرہ کی سرکوبی

عمان، بحرین کے قریب بحرِ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی مہرہ کا علاقہ ہے۔ فتح مکّہ کے کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابو زید انصاریؓ کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا۔ یہ خط وہاں کے رئیسوں عبید اور جیفر کے نام تھا۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور مجوسی المذہب تھے۔ دعوتِ اسلام کا خط ملنے پر دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کی ترغیب پر وہاں کے دوسرے لوگ بھی اسلام لے آئے۔ حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو عمان کا عامل (محصّلِ زکوٰۃ) مقرر کر دیا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا اور انھیں بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے عمان سے آنے کے بعد لقیط بن مالک ازدی ذو التاج نے نبوّت کا دعویٰ کر کے بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو بنا لیا، اور عمان پر بزور قبضہ کر لیا۔ جیفر اور عبید عمان سے نکل کر پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے۔ اہلِ عمان کو دیکھ کر اہلِ مہرہ بھی مرتد ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت حذیفہؓ بن محصن کو مرتدینِ عمان اور حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ کو مرتدینِ مہرہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اُدھر حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو حکم بھیجا کہ یمامہ سے فوراً حذیفہؓ اور عرفجہؓ کی مدد کے لیے روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ عمان پہنچ کر حضرت حذیفہؓ اور عرفجہؓ کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سالاروں کو یہ تاکید بھی کی تھی کہ عمان پہنچ کر جیفر اور عبید کو اپنے ساتھ لے لینا اور تمام امور ان کے مشورہ سے انجام دینا۔ اس لیے افسرانِ فوج نے وہاں جاکر اُن دونوں بھائیوں کو پہاڑوں سے اپنے پاس بلا لیا۔ لقیط بن مالک اپنے لشکر کے ساتھ شہر دبا میں مقیم تھا۔ اسلامی لشکر نے اپنے آپ کو اس طرح مرتّب کیا کہ مقدمۃ الجیش کے افسر حضرت عکرمہؓ تھے، میمنہ پر حضرت حذیفہؓ اور میسرہ پر حضرت عرفجہؓ افسر تھے۔ قلبِ لشکر کی قیادت حضرت جیفر کے سپرد تھی، ان کے ساتھ عمان کے مسلمان رؤسا بھی تھے۔ مسلمان نشیبی زمین پر تھے اور مرتدین بلندی پر لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ مرتدین کے قدم لڑکھڑا گئے۔ لقیط نے یہ حالت دیکھی تو ایک ہاتھ میں عَلَم اور دوسرے میں نیزہ لیے ہوئے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور فوج کو بھی آگے بڑھنے کے لیے للکارا۔ اس پر مرتدوں نے سنبھل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ عین اس وقت جب مرتدوں نے مسلمانوں پر سخت دباؤ ڈال رکھا تھا بنو ناجیہ اور بنو عبد القیس کی ایک بڑی جمعیّت مسلمانوں کی مدد کے لیے آپہنچی۔ اس تائیدِ غیبی سے مسلمانوں کے حوصلے دوچند ہو گئے اور انہوں نے ایک زبردست حملہ کر کے مرتدین کو شکستِ فاش دی۔ اس لڑائی میں تقریباً دس ہزار مرتدین مارے گئے اور چار ہزار قیدی بنا لیے گئے۔ کثیر مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس کا خمس حضرت عرفجہؓ کے ہاتھ مدینہ منوّرہ روانہ کر دیا گیا۔ حضرت حُذیفہؓ نے عمان میں قیام کیا اور حضرت عکرمہؓ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مہرہ کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ اہلِ مہرہ میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور ان کے دو گروہ ریاست و امارت کے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک فریق کا سردار سخریت تھا اور دوسرے کا مصبح۔ حضرت عکرمہؓ

نے ان دونوں کو دعوتِ اسلام دی۔ سخریت نے (جو نسبتاً کمزور تھا) یہ دعوت فوراً قبول کر لی اور اپنے حامیوں سمیت حضرت عکرمہؓ سے مل گیا۔

مصبح کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا اس نے یہ دعوت رَدّ کر دی۔ اس پر حضرت عکرمہؓ نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ فریقین میں نہایت سخت لڑائی ہوئی جس میں مصبح مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے بے شمار مرتدوں کو قتل کر ڈالا یا گرفتار کر لیا اور ان کے مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتح کے بعد حضرت عکرمہؓ نہایت تندہی سے تبلیغ اسلام میں مشغول ہو گئے۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں قرب وجوار کے تمام قبائل مسلمان ہو گئے اور نہ صرف عمان ومہرہ بلکہ ان کے قریبی علاقے بھی پختگی کے ساتھ اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گئے۔ (ابنِ خلدونؒ وابنِ اثیرؒ)



مُرتدینِ بحرین کی سرکوبی

بحرین کے ایرانی گورنر منذر بن ساویؓ نے عہدِ رسالت (۸ھ یا ۹ھ) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا اس کے ساتھ ہی اس کی کل عرب رعایا بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھی البتہ مجوسی اپنے مذہب پر قائم رہے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے چند دن بعد منذر بن ساویؓ نے بھی وفات پائی۔ اس وقت عرب میں فتنۂ ارتداد تیزی سے پھیل رہا تھا۔ بحرین بھی اس فتنے کی لپیٹ میں آگیا اور وہاں کے تمام عرب قبائل مرتد ہو گئے ان میں ایک بڑا قبیلہ عبدالقیس تھا اس کے سردار حضرت جارودؓ (بشر) بن عمرو بن معلی تھے جو دربارِ رسالت میں حاضر رہ کر دین کی تعلیم حاصل کر آئے تھے وہ دینِ حق پر سختی سے قائم رہے۔ جب مرتدین نے یہ کہنا شروع کیا کہ "اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے رسول ہوتے تو انتقال نہ کرتے۔" تو انھوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا:

"تم کو معلوم ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی خدا کے رسول تھے؟"

سب نے کہا "ہاں تھے" حضرت جارودؓ نے کہا "جس طرح پہلے سب رسول فوت ہو گئے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول تھے۔ تم میں جو اسلام سے پھر گیا ہو وہ پھر اسلام قبول کر لے اور جو اسلام پر قائم ہو وہ ثابت قدم رہے۔" حضرت جارودؓ کی تقریر ایسی

مؤثر اور دل نشین تھی کہ ان کا تمام قبیلہ (عبدالقیس) مسلمان ہو گیا لیکن بحرین کے دوسرے قبیلے بدستور ارتداد پر قائم رہے۔ ان میں سب سے اہم قبیلہ بنو بکر تھا، اس کے ساتھ دوسرے عرب قبائل اور مجوسی وغیرہ بھی مل گئے، اور ساتھ ہی ایران کی مجوسی حکومت نے بھی اس کو مدد بھیج دی ـــــ ان کی قیادت منذر بن نعمان بن منذر مغرور اور حطم بن ضبیعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے خروج کر کے غطیف اور ہجر کے درمیان قیام کیا اور چند آدمیوں کو بھیج کر قبیلہ عبدالقیس کو ارتداد کی دعوت دی لیکن عبدالقیس نے انکار کیا، اس پر مرتدین اور ان کے حلیفوں نے مقام جواثا میں بنو عبدالقیس کا محاصرہ کر لیا۔ محصور مسلمان حضرت جارودؓ کی قیادت میں کئی دن تک خوراک کی قلت اور محاصرے کی دوسری سختیاں بڑے عزم اور حوصلہ سے برداشت کرتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت علاءؓ بن الحضرمی جن کو حضرت ابوبکرؓ نے مرتدینِ بحرین کی سرکوبی پر مامور کیا تھا، بحرین پہنچ گئے اثنائے راہ میں حضرت ثمامہؓ بن اثال، حضرت قیسؓ بن عاصم منقری اور نجد کے بہت سے دوسرے مسلمان بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے[1]

---

[1] بہت سے مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت علاءؓ بحرین جاتے ہوئے دہنا کے ریگستان میں پہنچے تو آدھی رات ہو گئی، انہوں نے اس خیال سے کہ جنگل میں کہیں راستہ نہ بھول جائیں وہیں ایک مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ بدقسمتی سے جن اونٹوں پر خیمے، پانی کے مشکیزے اور رسد کا سامان لدا ہوا تھا وہ بھڑک کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس ناگہانی افتاد نے مسلمانوں کو سخت تشویش میں مبتلا کر دیا کیونکہ پانی، خوراک اور سائے کے بغیر اس بے آب وگیاہ صحرا میں زندہ رہنا محال تھا۔ حضرت علاءؓ نے مسلمانوں کو متفکر دیکھا تو ان سے کہا، ابھی تو سورج نکلنے میں کافی وقت ہے، تم مایوس کیوں ہو گئے ہو؟ تمہیں اللہ تعالیٰ نے راہِ حق

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت علاءؓ بحرین پہنچ کر سیدھے جواثا کی طرف بڑھے جہاں مرتدین نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ مرتدین نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ سب قلعۂ جواثا میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت علاءؓ نے حضرت جارودؓ اور ان کے اہلِ قبیلہ مسلمانوں سے مل کر جواثا کا محاصرہ کر لیا [۱]۔ مرتدین نے قلعہ میں خوراک کا کافی ذخیرہ جمع کر رکھا تھا اور انہیں اپنے دفاعی استحکامات پر بڑا ناز تھا اس لیے مسلمانوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن رات کے وقت قلعہ کے اندر سے شور و غل اور لڑنے جھگڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ حضرت علاءؓ کو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں جہاد کے لیے نکلنے کی توفیق عطا کی ہے۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ حضرت علاءؓ فجر کی نماز کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دعا مانگ رہے تھے کہ تھوڑے فاصلہ پر انہیں پانی چمکتا ہوا دکھائی دیا پہلے تو وہ سمجھے کہ یہ سراب ہے لیکن جب مسلمانوں نے قریب جا کر دیکھا تو واقعی پانی تھا۔ انہوں نے خوشی کا نعرہ بلند کیا اور سب اہلِ لشکر نے وہاں جا کر پانی پیا اور غسل کیا۔ مزید اللہ کا کرم یہ ہوا کہ آفتاب بلند ہونے سے پہلے مسلمانوں کے لدے ہوئے اونٹ بھی آنے شروع ہو گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت علاءؓ کے لشکر کو بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔

[۱] بعض روایات میں ہے کہ جواثا کے قریب مسلمان اور مرتدین کھلے میدان میں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہوئے اور اپنی حفاظت کے لیے اپنے گرد خندقیں کھود لیں۔ دن کے وقت دونوں لشکر خندقوں سے باہر آ کر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتے تھے اور شام کو خندقوں میں واپس چلے جاتے تھے۔ باقی واقعات وہی ہیں جو قلعۂ جواثا کے محاصرے کی روایتوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

مسلمان جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مرتدین شراب پی پی کر بدمست ہو رہے ہیں اور غل مچا مچا کر آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ حضرت علاءؓ نے اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ پر حملہ کر دیا۔ پہرے دار بھی شراب کے نشے میں مدہوش تھے مسلمانوں کی مزاحمت نہ کر سکے۔ چند بہادروں نے فصیل پھاند کر قلعہ کے دروازے کھول دیئے، اور اسلامی لشکر آناً فاناً قلعے میں داخل ہو گیا۔ نشۂ شراب میں بدمست مرتدین کی ایک کثیر تعداد ماری گئی کچھ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے اور کچھ دارین کی طرف بھاگ گئے۔ حطم بن ضبیعہ لڑائی میں کام آیا۔ ایک روایت کے مطابق مرتدین کا دوسرا بڑا سردار منذر بن نعمان بھی مارا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ گرفتار ہو گیا اور اسلام قبول کر کے رہائی پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ کسی طرح بچ کر نکل گیا۔

جو مرتدین جواثا سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے وہ دارین چلے گئے جو بحرین کے سامنے ایک جزیرہ تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے وہاں کی عیسائی آبادی سے مل کر پھر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی زور شور سے تیاری کی۔ حضرت علاءؓ اپنے لشکر کے ساتھ دارین کی طرف بڑھے تو راستے میں سمندر کو حائل پایا۔ مسلمانوں کو اپنے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ سمندر میں ڈالنے میں کچھ تردّد ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنّہایہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت علاءؓ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب لوگ یہ دعا پڑھتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے سمندر میں داخل ہو جاؤ:

"یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، یَا حَکِیْمُ یَا کَرِیْمُ یَا اَحَدُ، یَا صَمَدُ یَا حَیُّ یَا مُحْیِیَ الْمَوْتٰی، یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ یَا رَبَّنَا۔"

خدا کی قدرت تمام مسلمان سمند کو اس طرح عبور کر گئے جیسے ریت پر سے گزرتے ہیں دارین میں مسلمانوں اور مرتدین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جو ایک رات دن جاری رہا۔ بالآخر مرتدین کو عبرتناک شکست ہوئی۔ ان کے چھ ہزار سوار اور دو ہزار پیادے مارے گئے اور باقی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد حضرت علاءؓ نے بحرین کو مراجعت کی اور وہاں پہنچ کر اسلامی تسلط پوری طرح بحال کر دیا۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا جس میں تمام حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ـــــ یہ خط پا کر صدیق اکبرؓ کو بہت خوشی ہوئی۔

حضرت علاءؓ کے قیامِ بحرین کے دوران میں کسی نے افواہ اڑا دی کہ بنو شیبان مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ فی الحقیقت بنو شیبان کے مسلمان حضرت علاءؓ کی مدد کے لیے جمع ہو رہے تھے لیکن اس کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

مرتدینِ بنو قضاعہ کی تادیب

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدینِ بنو قضاعہ کی سرکوبی کے لیے حضرت عمروؓ بن العاص کو مقرر فرمایا تھا۔ وہ بڑے دانا اور صاحبِ تدبیر آدمی تھے۔ انہوں نے ایسی مؤثر تدابیر اختیار کیں کہ بنو قضاعہ کے تمام مرتدین تائب ہو کر دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے اور زکوٰۃ دینے پر بخوشی آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص ان سے زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ بنو قضاعہ کے علاقے میں مقیم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب شام پر لشکر کشی کا فیصلہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خط لکھ کر مدینہ منورہ بلا لیا اور ایک لشکر دے کر فلسطین کی تسخیر پر مامور کیا۔

حضرت خالدؓ بن سعید کی مہم

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو حضرت ابوبکرؓ نے دیارِ شام کی سرحد کی طرف بھیجا تھا۔ ان کی اس مہم کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ البتہ اس محاذ پر حضرت خالدؓ بن سعید کی عسکری سرگرمیوں کا سراغ اس وقت ملتا ہے جب فتنۂ ردّہ کے استیصال کے کچھ عرصہ بعد روم سے باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا۔

ابنِ اثیرؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنۂ ارتداد کے آغاز میں حضرت خالدؓ بن سعید نے یمن میں مرتدوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اُس وقت وہ وہاں نجران اور زبید کے درمیانی علاقہ کے عامل تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرتدین کے خلاف معرکوں میں ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن سعید کا مقابلہ (یمن کے مشہور بہادر) عمرو بن معدی کرب سے ہوگیا جو جھوٹے مدعیٔ نبوت، الاسود العنسی کے حلقے میں شامل ہوگیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن سعید نے اس کو زخمی کردیا اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا مگر وہ بچ کر بھاگ گیا۔ (الکامل۔ ج ۲ ص ۲۸۸)

مرتدینِ یمن کی سرکوبی

پیچھے بیان کیا جاچکا ہے کہ یمن میں الاسود العنسی کے مارے جانے کے بعد وہاں بڑی حد تک اِرتِداد کا خاتمہ ہوگیا تھا لیکن جب وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو بہت سے لوگ پھر مرتد ہوگئے۔ ان میں عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث جیسے نامور آدمی بھی تھے۔ انہوں نے سارے ملک میں فتنہ و فساد برپا کردیا اور یمن کے تمام راستے ان کی ترکتازیوں کا نشانہ بن گئے اس طرح جو لوگ اسلام پر قائم تھے وہ ایک بار پھر سخت خطرات میں گھر گئے۔ قیس بن عبدِ یغوث

نے حضرت فیروز دیلمیؓ اور دوسرے ابناء کو (جو مسلمان تھے) یمن سے نکالنے منصوبہ بنایا۔ اس نے فالہ کو جو الاسود العنسی کے پیروؤں کا سردار تھا لکھا کہ تم فیروز اور اس کی قوم کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لو میں تمہاری مدد کو تیار ہوں۔ فالہ کو یہ خط ملا تو اس نے ابناء کے خلاف لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت فیروزؓ کو اس کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس غلط فہمی کی بناء پر قیس سے مدد مانگی کہ وہ الاسود العنسی کے پیروؤں کے خلاف ہے۔ (کیونکہ قیس نے الاسود العنسی کے قتل میں حضرت فیروزؓ کی مدد کی تھی) قیس نے مدد کا وعدہ کیا اور جھوٹی محبت جتا کر حضرت فیروزؓ اور ان کے دو ساتھیوں داذویہ اور جشنش کو دعوت پر بلا بھیجا۔ داذویہ فیروزؓ سے پہلے قیس کے پاس چلا گیا۔ قیس نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حضرت فیروزؓ اور جشنش گئے ان کو دیکھ کر دو عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ جس طرح داذویہ کو قتل کر دیا گیا یہ دونوں بھی اسی طرح قتل کر دیئے جائیں گے۔ ان دونوں نے یہ باتیں سنیں تو وہاں سے نکل بھاگے۔ قیس بن عبد یغوث نے ان کا تعاقب کیا لیکن انہوں نے خولان کے پہاڑوں میں اپنے (حضرت فیروز کے) ماموں کے پاس پناہ لے لی۔ قیس نے تعاقب سے واپس آ کر صنعاء پر قبضہ کر لیا جہاں فالہ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر آ گیا۔ حضرت فیروزؓ نے ان حالات کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو دی۔ انہوں نے حضرت فیروزؓ کو یمن میں اپنا نائب مقرر کیا اور عک و اشعریین کے حاکم طاہر بن ابی ہالہ، سکون و سکاسک کے عامل عکاشہ بن ثور اور یمن کے مسلمان رئیسوں ذوالکلاع حمیری، حوشب ذی ظلیم اور عمر ذی مران وغیرہ کو حضرت فیروزؓ کی مدد کے لیے لکھا۔ یہ سب لوگ حضرت فیروزؓ کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ان سب کو ساتھ لے کر صنعاء کا رُخ کیا۔ راستے میں کئی مسلمان قبائل بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ صنعاء کے باہر کھلے میدان میں حضرت فیروزؓ اور قیس کا سخت

مقابلہ ہوا جس میں ایک دن رات کی معرکہ آرائی کے بعد قیس شکست کھا کر بھاگا اور صنعاء پر حضرت فیروز رضؓ نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح صنعاء میں مقیم ابناء کو قیس کے پنجۂ ستم سے نجات مل گئی۔ اسی اثناء میں حضرت مہاجر رضؓ بن ابی اُمیّہؓ اپنے لشکر کے ساتھ یمن پہنچ گئے۔ انہیں مرتدین یمن کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا۔ قیس بن عبدِ یغوث اور عمرو بن معدی کرب نے صنعاء سے بھاگ کر پھر مرتدین کا ایک لشکر جمع کر لیا تھا۔ حضرت مہاجر رضؓ اور اس لشکر کے درمیان ایک دو لڑائیاں ہوئیں جن میں مرتدین نے شکست کھائی اور قیس بن عبدِ یغوث اور عمرو بن معدی کرب دونوں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ حضرت مہاجر رضؓ نے ان کو مدینہ منوّرہ بھیج دیا۔ جب انہیں حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے عمرو بن معدی کرب کو (جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا) سخت ملامت کی اور فرمایا، تجھ کو شرم نہیں آتی کہ مارا مارا پھرتا ہے اور قید و گرفتار ہوتا رہتا ہے، اگر دین کی حمایت کرتا تو اللہ تجھ کو بلند مرتبہ عطا کرتا۔

عمرو بن معدی کرب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کہا کہ:

"اے خلیفۃُ الرسولؐ! جو ہو چکا سو ہو چکا اب میں کبھی اسلام سے منہ نہ موڑوں گا۔"

قیس بن عبدِ یغوث نے بھی اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے دونوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد دونوں عراقِ عرب و شام کی مہمات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ عمرو بن معدی کرب نے عراقِ عرب کی لڑائیوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے اور نہاوند کے معرکے میں شہید ہوئے۔

مرتدینِ کِندہ و حضر موت کی سرکوبی

یمن میں فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو اس کے قریبی علاقے کِندہ اور حضر موت بھی اس فتنے کی لپیٹ میں آ گئے۔ کِندہ کے ایک قبیلے بنو عمرو بن معاویہ نے محصّلِ زکوٰۃ حضرت زیادؓ بن لبید انصاری کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بنو عمرو کے ایک سربرآوردہ آدمی شرحبیل بن سمط تھے۔ وہ بڑے پختہ ایمان مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلے کو مرتد ہو جانے پر سخت ملامت کی اور کہا کہ بدعہدی خلافِ شرافت ہے۔ تم حق سے منہ موڑ کر اچھا نہیں کر رہے ہو۔ جب اس پر بھی ان کا قبیلہ سرکشی سے باز نہ آیا تو وہ حضرت زیادؓ بن لبید کے پاس چلے گئے اور ان کو مشورہ دیا کہ بنو عمرو پر شب خون مارنا چاہیے ورنہ کچھ دوسرے قبیلے بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ حضرت زیادؓ نے ان کے مشورے کے مطابق بنو عمرو پر شب خون مار کر ان کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا اور بہت سے مرتدوں کو گرفتار کر لیا۔ وہ ان قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر واپس آ رہے تھے کہ کِندہ کے نامور رئیس اشعث بن قیس نے ان پر حملہ کر کے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا اور مالِ غنیمت پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ تمام بنو معاویہ اور ان کے ساتھ سکاسک اور حضر موت کے بہت سے آدمی بھی مرتد ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت مہاجر بن ابی اُمیّہ کو (جو یمن کے مرتدوں کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے) اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو (جو عمان و مہرہ کی مہم کامیابی سے سر کر چکے تھے) حکم بھیجا کہ وہ کِندہ اور حضر موت کے مرتدوں کا استیصال کریں۔

حضرت عکرمہؓ مہرہ سے چل کر حضرت مہاجرؓ کے پاس یمن پہنچ گئے۔ اب دونوں کے متحدہ لشکر نے کندہ کا رُخ کیا، جب یہ لشکر مآرب اور حضر موت کے درمیان پہنچا تو حضرت زیادؓ بن لبید کا خط ملا جس میں کندہ پر بلا تاخیر حملہ کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ خط دیکھتے ہی حضرت مہاجرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو اپنی جگہ پر چھوڑا اور ایک مختصر لشکر لے کر حضرت زیادؓ کے پاس پہنچ گئے۔ کندہ میں چار قلعے تھے جن کو محجر کہا جاتا تھا۔ اشعث بن قیس سکاسک، سکون، حضر موت کے مرتدوں کی ایک جمعیت کے ساتھ محجر زیرقان میں قلعہ بند تھا۔ حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ زیرقان پہنچے تو مرتدین نے ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر قلعہ نجیر میں پناہ لی۔ اشعث نے اپنی ضرورتوں کے لیے قلعۂ نجیر کا ایک راستہ چھوڑ کر باقی راستوں کو بند کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عکرمہؓ نے پیشقدمی کر کے اس راستے پر قبضہ کر لیا اور دوسرے راستوں پر حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ قابض ہو گئے۔ اس طرح اشعث بن قیس اور اس کے ساتھی بالکل محصور ہو گئے اور ان کو ہر طرف سے رسد پہنچنی بند ہو گئی۔ جب اشعث محاصرے سے تنگ آگیا تو حضرت زیادؓ بن لبید کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کو امان دے دیں تو میں قلعہ آپ کے سپرد کر دوں گا۔ حضرت زیادؓ نے اس کو منظور کر لیا اور کہلا بھیجا کہ معاہدہ لکھ کر لے آئیں اس پر اپنی مہر کر دوں گا۔ اشعث نے معاہدہ میں جب ان آدمیوں کے نام لکھے جن کے لیے امان چاہتا تھا تو جلدی میں اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ چنانچہ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت زیادؓ نے اُن آدمیوں کو تو امان دے دی جن کے نام معاہدہ میں موجود تھے اور اشعث بن قیس کو گرفتار کر لیا۔ جن مرتدین نے مقابلہ کیا ان میں سے کچھ مارے گئے اور باقی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ حضرت زیادؓ نے اشعث کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہاں

اشعث نے سچے دل سے توبہ کرکے دوبارہ اسلام قبول کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اس کی شدید خواہش پر اپنی بہن اُمِّ فردہؓ کا نکاح بھی اس سے کر دیا۔ (عہدِ رسالت کے اواخر میں جب اشعث بن قیس نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت بھی اُمِّ فردہؓ سے نکاح کی خواہش کی تھی لیکن اُس وقت کسی وجہ سے نکاح نہیں ہوسکا تھا۔ اس نکاح کی تفصیل ہم نے حضرت اُمِّ فردہؓ کے حالات میں بیان کر دی ہے) اس کے بعد اشعث بن قیس عراق، عرب اور شام کی مہموں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کندہ کے دوسرے قیدیوں نے بھی توبہ کرکے دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور اس پر قائم رہنے کا عہد کیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں بھی آزاد کر دیا۔

بعض مؤرخین نے کندہ و حضرموت کی لڑائی کو حروبِ ردّہ کی آخری لڑائی قرار دیا ہے اور بعض نے جنگِ یمامہ کو آخری لڑائی لکھا ہے۔ بہرصورت اب سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کا پوری طرح استیصال ہوگیا اور نزدیک و دُور ہر جگہ خلافت اسلامیہ کا اقتدار بحال ہوگیا۔

فتنۂ ارتداد کے استیصال میں باختلافِ روایت چھ ماہ، آٹھ ماہ یا دس ماہ صرف ہوئے۔ بہرصورت ایک سال کے اندر اندر اس کا پوری طرح قلع قمع ہوگیا۔ اور یہ سب کچھ خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بے مثال عزم و تدبر، استقامت اور قوّتِ ایمان کی بدولت ممکن ہوا۔ ان کے راستے میں جو مشکلات حائل تھیں وہ اوسان خطا کر دینے والی تھیں لیکن آفرین ہو سیّدنا صدیقِ اکبرؓ پر کہ وہ کسی مصیبت اور مشکل کو خاطر میں نہ لائے۔ کسی نازک سے نازک موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں خفیف سی جنبش بھی نہ آئی اور وہ اسلام کی کشتی کو ہولناک گردابِ بلا سے نکال کر صحیح و سلامت کنارے پر لے آئے۔ اُمّتِ مسلمہ پر یہ اُن کا اتنا بڑا احسان ہے جس سے وہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

جاں نثارِ رسالتؐ



ترویجِ دینِ پاک میں سبقت وہ لے گیا
یکجا تھے اس میں نورِ یقیں جوہرِ خرد
حکمت سے ارتداد کا فتنہ کیا فرو!
ہر کذب اس کے نورِ یقیں سے ہے مسترد



(حفیظ تائبؔ)

فتُوحات

ایران و روم سے معرکہ آرائیاں



دو خوفناک دشمن

حضرت ابوبکر صدیقؓ عرب کے داخلی خلفشار (فتنۂ ارتداد اور بغاوت) کا استیصال کر چکے تو انہوں نے فوراً اپنی توجہ ان دو خوفناک دشمنوں کی طرف مبذول کی جو مسلمانوں کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی ایران (فارس) اور روم۔ صدیق اکبرؓ کے نزدیک مسلمانوں کے ان بیرونی دشمنوں سے نپٹنا کس قدر اہمیت کا حامل تھا، اس کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں ایک شخص نے اپنے قبیلے کا کوئی معاملہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہا تو انہوں نے ناراض ہو کر جواب دیا:

"اللہ کے بندے! میں تو ان دو شیروں کو زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم مجھے معمولی کاموں میں الجھاتے ہو۔"

ظہورِ اسلام کے وقت عرب (مملکتِ اسلامیہ) کی شمالی سرحدیں اس دور کی دو عظیم ترین سلطنتوں (SUPER POWERS) کی سرحدوں سے ملتی تھیں۔ عراق سے مغرب کی طرف کا علاقہ (شام) رومۃ الکبریٰ کی بازنطینی سلطنت کے زیرِ نگین تھا اور خود پورا عراق اور اس کے مشرق کی طرف کے علاقے ایران کی ساسانی شہنشاہیت کے زیرِ تسلط تھے۔ عراق سے متصل علاقے میں آباد عرب قبائل ایرانی سلطنت کے باجگزار یا (زیر اثر) تھے یا طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت کرنے پر مجبور تھے اور شام سے ملحق علاقے میں بسنے والے عرب قبائل رومی حکومت کی اطاعت اور حمایت کا دم بھرتے تھے۔ ان دونوں سلطنتوں نے عرب کے خانہ بدوش اور بدو قبائل کی لوٹ مار سے بچنے کے لیے سالہا سال پہلے عرب کی

شمالی سرحد پر اپنے ماتحت دو عرب ریاستیں قائم کی تھیں۔ ایران کے ماتحت عرب ریاست کا نام حکومتِ حیرہ یا لخمی حکومت تھا (اسے بعد میں حکومتِ ایران نے باقاعدہ اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا تھا) اور روم کے ماتحت عرب ریاست کا نام حکومتِ غسان یا غساسنہ تھا۔

سلطنتِ ایران اور سلطنتِ روم دونوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ عرب اپنی کوئی طاقتور اور ان کے اثر سے آزاد مملکت (حکومت) قائم کر لیں۔ چنانچہ کسریٰ (شہنشاہِ ایران) اور قیصر (شاہِ روم) دونوں کی آنکھوں میں عرب کی نوزائیدہ اسلامی مملکت خار کی طرح کھٹکتی تھی۔ انہوں نے عہدِ رسالت میں اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اوائل میں بعض ایسی کارروائیاں کیں جو اسلامی اقتدار کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے انتہائی محدود وسائل کے باوجود ان دونوں سلطنتوں کے خلاف جنگ شروع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پہلے ایران کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا ان کا پس منظر اور تفصیل حسب ذیل ہے:

اہلِ عرب اور اہلِ ایران قدیم زمانے سے ایک دوسرے کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اہلِ عرب اگرچہ نہایت شجاع اور آزادی پسند تھے لیکن اُن کے باہمی افتراق اور پسماندگی کا فائدہ اٹھا کر ایرانیوں نے بارہا سارے عرب کو تاخت و تاراج کر ڈالا تھا اور عراقِ عرب، یمن، بحرین اور عرب کے کئی سرحدی علاقوں پر اپنا مستقل تسلط جما لیا تھا۔ ویسے شاہانِ ایران سارے عرب کو اپنے ماتحت سمجھتے

لہ عراقِ عرب کے حدودِ اربعہ یہ تھے۔ مشرق میں خوزستان، مغرب میں دیارِ بکر، شمال میں جزیرہ اور جنوب میں خلیجِ فارس۔ آج کل عراقِ عرب کے مشہور شہر بغداد، بصرہ اور کوفہ ہیں۔

تھے۔ عرب چونکہ فطری طور پر حریت پسند تھے اس لیے جب کبھی موقع پاتے ایرانی حُکّام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ تاہم دربارِ ایران امن وامان قائم رکھنے کے لیے مختلف عرب قبائل پر سیم وزر کی بارش کرتا رہتا۔ ان قبائل کے وفود وقتاً فوقتاً شاہِ ایران کے دربار میں جاتے اور وہاں سے بڑے بڑے عطیات اور انعامات حاصل کر کے واپس آتے تھے۔ یہ قبائل حکومتِ ایران سے مرعوب بھی تھے اور اُس کے زیرِ اثر بھی۔ اس کے باوجود عراقِ عرب کے ایرانی حُکّام اور عراقِ عرب سے مُتّصِل علاقے میں آباد عرب قبائل میں اکثر کُشت وخون کے معرکے ہوتے رہتے تھے۔ عرب میں اسلام پھیلا تو عربوں اور ایرانیوں کے درمیان کشیدگی اور بڑھ گئی۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ مسلمان ایرانیوں کی آتش پرستی (مجوسیت) سے سخت متنفّر تھے، دوسرا یہ کہ اہلِ ایران عربوں کی قومی غیرت وحمیّت کو اکثر للکارتے رہتے تھے[1] تیسرا یہ کہ صلح حدیبیہ (۶ھ ہجری) کے بعد سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اردگرد کے بادشاہوں اور رئیسوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط

---

[1] ایران کے ایک ساسانی بادشاہ سابور کے خلاف ایک دفعہ عربوں نے بغاوت کی اس نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ مقام ہجر میں پہنچ کر سینکڑوں عربوں کو قتل کیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر کے ان کے شانے اکھڑوا دیئے۔ اسی وجہ سے وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہو گیا۔

ایک دوسرے بادشاہ خسرو پرویز نے حیرہ کے عرب بادشاہ ابوقابوس نعمان سوم سے اس کے خاندان کی حسین عورتوں کا مطالبہ کیا۔ اس نے قومی غیرت کی بنا پر یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر خسرو پرویز نے اس کو اپنے دارالحکومت مدائن میں طلب کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اس نے قید خانے ہی میں بعارضۂ طاعون وفات پائی۔ نعمان نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۵ پر)

بھیجے تو ایک خط کسریٰ ایران کو بھی بھیجا۔ اس نے نامۂ مبارک پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا : "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے۔ [1]" (طبری).

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

مدائن جانے سے پہلے اپنے نہایت قیمتی ہتھیار بنو بکر کے ایک شخص ہانی بن مسعود کے پاس امانت کے طور پر رکھ دیئے تھے۔ نعمان کے انتقال کے بعد خسرو پرویز نے بنو طے کے ایک رئیس ایاس بن قبیصہ کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔ اس نے خسرو پرویز کے حکم کے مطابق ہانی بن قبیصہ سے نعمان کے ہتھیار طلب کیے۔ ہانی نے امانت میں خیانت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر خسرو پرویز نے بنو بکر کو سزا دینے کے لیے ایک زبردست لشکر بھیجا۔ بنو بکر نے ذی قار کی جھیل کے کنارے ایرانیوں کا پُرزور مقابلہ کیا اور اُن کو شکست فاش دی۔ ابن عبدربہ کا بیان ہے کہ جب مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایرانیوں کی شکست کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا هٰذا اَوَّلُ یَوْمٍ اِنْتَصَفَتِ الْعَرَبُ مِنَ الْعَجَمِ (یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا) مگر دربار ایران نے اس شکست سے سبق لینے کی بجائے دوسرے دوسرے سرحدی علاقوں میں عربوں پر مزید ستم ڈھانے شروع کر دیئے۔

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ کسریٰ نے طرز تخاطب (من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس) دیکھتے ہی پورا خط پڑھے بغیر چاک کر دیا اور نامہ بر کو سامنے سے نکلوا دیا۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ)

طبریؒ اور بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ کسریٰ کے نامۂ مبارک پارہ پارہ کرنے کی اطلاع حضورؐ کو ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اس کے ملک کو بھی پارہ پارہ کرے۔

علامہ ابن ہشامؒ کا بیان ہے کہ کسریٰ نے خط کو چاک کرنے کے علاوہ یمن کے ایرانی گورنر باذان کو حکم دیا کہ دو آدمی مدینہ روانہ کرو اور جس شخص نے مجھے یہ خط بھیجا ہے اس کو برضامندی ورنہ بجبر گرفتار کر کے مدائن روانہ کر دو۔ باذان نے بابویہ اور خرخرہ (یا خر خسرہ)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۲۳۶ پر)

ایران کے مجوسیوں سے مسلمانوں کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ جب ۶ھ ہجری میں رومیوں نے ایرانیوں کو نینوی کے مقام پر عبرتناک شکست دی تو اس کی خبر سن کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو بہت خوشی ہوئی۔ (کیونکہ رومیوں کی اس

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اپنے دو خاص آدمیوں کو یہ تحریر دے کر حضورؐ کے پاس مدینہ بھیجا کہ ان دو آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس مدائن چلے جاؤ۔ بابویہ نے باذان کا خط حضورؐ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم میرے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جاؤ تو حاکم یمن تمہاری سفارش اس کے پاس کرےگا جس سے تم کو نفع پہنچے گا، ورنہ حاکم یمن تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔

حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ تم کل میرے پاس آنا۔

جب وہ دوسرے دن حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا: "کسریٰ کو اس کے بیٹے نے فلاں شب قتل کر دیا (یا بروایت دیگر آج میرے ربّ نے تمہارے ربّ کو قتل کر دیا) جاؤ اور اپنے آقا کو خبر دو کہ میری حکومت عنقریب کسریٰ کے ملک تک پہنچے گی۔ تم اگر اسلام قبول کر لو تو میری طرف سے بدستور یمن کے حاکم رہو گے۔"

کہا جاتا ہے کہ کسریٰ کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہونے کی وہی تاریخ تھی جو حضورؐ نے بیان کی۔ باذان کو حضورؐ کا پیغام (زبانی یا بذریعہ خط) ملا اور چند دن بعد کسریٰ کے قتل ہونے کی اطلاع بھی موصول ہو گئی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کو دیکھ کر یمن کے اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

جمہور اہلِ سیر کا بیان ہے کہ جس کسریٰ کو حضورؐ نے مکتوب مبارک بھیجا تھا وہ خسرو پرویز تھا جس کو چند دن بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ لیکن مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز کے قتل کے بعد مدائن میں جو شاہ گردی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۲۳۷ پر)

فتح سے کئی سال پہلے کی "غلبۃ الروم" والی قرآنی پیشینگوئی پوری ہو گئی تھی) یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے کچھ مدت پہلے کا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر ارشاد فرمایا کہ ایک دن کسریٰ اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کے تصرف میں ہوں گے۔ ایک موقع پر آپؐ نے حضرت سُراقہؓ بن مالک بن جُعشم کو مخاطب کر کے فرمایا: "سراقہ وہ بھی کیا وقت ہو گا جب تمہاری کلائیوں میں کسریٰ کے طلائی کنگن ہوں گے۔"

جنگِ خندق میں ایک چٹان کو توڑتے ہوئے چنگاریاں اڑیں تو آپؐ نے فرمایا "وہ وقت قریب ہے جب قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر مسلمان قابض ہوں گے۔"

مختصر یہ کہ ایران سے کشیدگی کا آغاز عہدِ رسالت ہی میں ہو چکا تھا۔ عہدِ صدیقی میں بحرین فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آیا تو حکومتِ ایران نے وہاں کے مرتدوں اور باغیوں کی مدد کی تھی۔ اس کی یہ کارروائی خلافتِ اسلامیہ کے خلاف کھلی دشمنی کے مترادف تھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حکومتِ ایران نے جھوٹی مدعیۂ نبوت سجاح کی پشت پناہی بھی کی تھی کیونکہ وہ جس علاقے سے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئی تھی اور جن علاقوں سے گزر کر وسطِ عرب تک پہنچ گئی تھی وہ سب حکومتِ ایران کے زیرِ اثر تھے۔ ایرانی حکومت کے ایما کے بغیر سجاح کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ شروع ہوئی اس کے بعد معلوم نہیں حضورؐ کا نامۂ مبارک کس نے وصول کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے کسریٰ ایران کو اپنا مکتوبِ مبارک خسرو پرویز کے قتل کے بعد بھیجا۔ اگر یہ خسرو پرویز کے نام ہی لکھا گیا تو اس وقت حضورؐ کو اس کے قتل کی اطلاع موصول نہیں ہوئی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ خسرو پرویز ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں مارا گیا لیکن واقدی کا بیان ہے کہ وہ ۷ھ میں مارا گیا! اگر واقدی کا بیان درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سلسلے میں پیدا ہونے والا اشکال دور ہو جاتا ہے۔

ممکن نہ تھا کہ اس زور شور سے عرب پر حملہ آور ہو۔ ایرانی حکومت کا یہی معاندانہ رویہ تھا جس کے سبب حضرت ابوبکرؓ کو ایران پر لشکر کشی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بنو شیبان کی ترکتازیاں

اُدھر ایران میں خسرو پرویز کے قتل کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی تھی۔ ایرانی امراء ایک دوسرے کے خلاف محلاتی سازشوں میں اس حد تک الجھ گئے تھے کہ چار سال کے عرصے میں تخت ایران پر نو بادشاہ یکے بعد دیگرے بیٹھا چکے تھے اور ہر نئے بادشاہ نے اپنے مخالفین کا بے دریغ قتل عام کیا تھا۔ عراق عرب سے متصل عرب علاقے میں بنو بکر بن وائل آباد تھے۔ یہ لوگ ایرانیوں سے سخت نفرت کرتے تھے کیونکہ ایرانی حکام ان سے بہت بُرا سلوک کرتے تھے اور ان کی تذلیل و تحقیر اور استحصال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان عربوں کی معاش کا انحصار زیادہ تر کاشت کاری پر تھا۔ جب وہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے فصل تیار کر لیتے تو ایرانی حکام آتے اور سارا غلّہ سمیٹ کر لے جاتے اور عربوں کو بخشش کے طور پر چند سکے دے جاتے۔ وہ بیچارے خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ جب ان لوگوں کو ایران کے سیاسی خلفشار کا علم ہوا تو ایرانی ستم شعاروں سے پرانے بدلے چکانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بنو بکر بن وائل کی ایک شاخ بنو شیبان تھی۔ اس کے ممتاز رؤسا میں ایک صاحب مثنیٰؓ بن حارثہ تھے۔ ان کو شرف صحابیت حاصل تھا،[1] اور وہ بڑے غیور، زیرک اور بہادر آدمی تھے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کو منظم کر کے

---

[1] حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ۹ھ ہجری میں مدینہ منورہ جاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔

عراق عرب کے ایرانی مقبوضات پر طوفانی دھاووں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ دوسرے عرب قبائل کے جوانمردوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور ایرانی زمینداروں اور جاگیرداروں پر پے بہ پے حملے کرکے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ مثنیٰؓ کے ساتھیوں میں سوید بن قطبہ عجلی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مثنیٰؓ حیرہ کی جانب سے ایرانیوں پر یلغار کرتے اور سوید اُبلّہ کی طرف سے۔ اگر ایرانی جی کڑا کرکے ان کا تعاقب کرتے تو وہ دُور صحرا میں گھس جاتے اور ایرانیوں کو بے نیلِ مرام واپس جانا پڑتا۔

ایرانیوں کے خلاف عربوں کی یہ جدوجہد ایک قسم کی چھاپہ مار جنگ تھی اس کے دوران میں مثنیٰؓ نے اُن ایرانی حکّام کی بھی خوب گوشمالی کی جنھوں نے بحرین میں اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے میں مرتدین کی مدد کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ فتنۂ ردّہ کے استیصال کے بعد ابھی اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں غور و فکر ہی کر رہے تھے کہ انہیں حضرت مثنیٰؓ کا ایک طویل خط ملا جس میں انہوں نے اپنی مہموں کے حالات لکھ بھیجے تھے اور خلیفۂ رسولؐ سے درخواست کی تھی کہ وہ اُن کی مدد کے لیے فوج روانہ کریں۔ اس وقت سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کی وجہ سے ایران کی حالت نہایت ابتر ہے اور اس پر فوج کشی کے لیے حالات سازگار ہیں۔

یہ خط لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ان کے پے بہ پے حملوں نے ایرانیوں کو ہوشیار کر دیا تھا۔ بلاشبہ ان کے اندرونی اختلافات اور انقلابات نے ان کی قوّتِ مدافعت کو ضعف پہنچایا تھا لیکن آخر وہ ایک نہایت قدیم سلطنت کے وارث تھے اور اتنے کمزور نہیں ہوئے تھے کہ چند ہزار چھاپہ مار عربوں سے مغلوب ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے عربوں کے خلاف اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت مثنیٰؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے یہی

مناسب سمجھا کہ خلافتِ اسلامیہ کے سربراہ سے مدد مانگی جائے کیونکہ لامحدود وسائل کی مالک ایک سلطنت سے ایک سلطنت (منظم حکومت) ہی مؤثر طور پر نبرد آزما ہو سکتی تھی۔ چھاپہ مار دستے نہ تو کسی علاقے پر تسلط قائم رکھ سکتے تھے اور نہ وہ دور دراز علاقوں تک رسد اور دوسری ضروریات جنگ کا بندوبست کر سکتے تھے۔

حضرت مثنیٰؓ کے خط بھیجنے کی روایت ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں درج کی ہے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے غائبانہ حضرت مثنیٰؓ کی سرگرمیوں کا حال سنا تو لوگوں سے پوچھا، یہ مثنیٰؓ کون ہے؟ حضرت قیسؓ بن عاصم المنقری نے بتایا کہ یہ شخص اعلیٰ حسب و نسب کا مالک ہے اور ہر لحاظ سے اعتماد کے قابل ہے۔ (فتوح البلدان)

خط بھیجنے کے بعد حضرت مثنیٰؓ جواب کا انتظار کیے بغیر خود بھی برق رفتاری سے چل کر مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر ایران کے سیاسی خلفشار اور اپنی مہموں کے حالات تفصیل سے بیان کیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی باتیں بڑے غور اور ہمدردی سے سنیں اور پھر اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کے بعد انہیں یقین دلایا کہ ان کی بھرپور مدد کی جائے گی۔ اس موقع پر حضرت مثنیٰؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ انہیں خلافتِ اسلامیہ کی طرف سے باضابطہ طور پر اپنی قوم کا سردار مقرر کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور انہیں بنو شیبان کی امارت کا فرمان عطا کر دیا، اس کے ساتھ ہی انہیں ہدایت کی کہ واپس جا کر بنو شیبان اور ان کے حلیف قبائل کو وسیع بنیادوں پر منظم کریں اور مدینہ سے کمک پہنچنے کا انتظار کریں۔

حضرت مثنیٰؓ نے وطن واپس جا کر سب سے پہلے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی جو ابھی تک عیسائی یا بت پرست تھے۔ ان کی تبلیغ سے یہ

سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے بنو شیبان اور دوسرے حامی قبائل کو ساتھ لے کر تازہ عزم اور ولولہ کے ساتھ عراقِ عرب کا رُخ کیا اور دریائے دجلہ و فرات کے ڈیلٹائی علاقے میں ایرانیوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی کہ جب تک کمک نہ پہنچ جائے وہ کوئی بڑی لڑائی نہ چھیڑیں کیونکہ یہی خلیفۃ الرسولؐ کا حکم تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقِ عرب جانے کا حکم

حضرت مثنیٰؓ کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ وہ مخلص مسلمانوں پر مشتمل ایک مضبوط لشکر لے کر فی الفور مثنیٰؓ کی مدد کے لیے عراقِ عرب پہنچیں اور اہلِ ایران کے خلاف مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ حضرت خالدؓ ردّہ کے سلسلے کی لڑائیوں سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے اور اس وقت نجد کی وادی الوبر میں مقیم تھے۔ جب ان کو حضرت ابوبکرؓ کا حکم موصول ہوا تو ان کے پاس لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ ایک ہزار مسلمان یمامہ کی جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ ایک بڑی تعداد زخمیوں کی تھی اور بہت سے مسلمان لڑائی سے فارغ ہو کر اپنے قبیلوں میں واپس چلے گئے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ ہدایت بھی تھی کہ کسی ایسے آدمی کو لشکر میں شامل نہ کیا جائے جو ایک دفعہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوا ہو۔ لیکن خالدؓ بڑے بلند حوصلہ جرنیل تھے وہ صرف دو ہزار مجاہدین ہی کے ساتھ جو اُن کے پاس موجود تھے، محرّم ۱۲ھ میں عراقِ عرب کی طرف چل پڑے۔[1]

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ نے نجد سے کوچ کرتے وقت بنظرِ احتیاط حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں مزید کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خالدؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۲۴۲ پر)

راستے میں انہوں نے مضر و ربیعہ کے مزید آٹھ ہزار آدمی اپنے لشکر میں شامل کر لیے اور یوں وہ دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق کی سرحد پر پہنچ گئے۔ یہاں حضرت مثنیٰؓ نباج کے مقام پر آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی اور اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ نے سنبھال لی۔ دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو حکم بھیجا کہ وہ بھی شمالی جانب سے بالائی عراق پر حملہ آور ہوں۔ حضرت خالدؓ کو صدیق اکبرؓ نے ہدایت کی کہ وہ اُبلّہ کی جانب سے عراق پر یلغار کریں لیکن لڑائی چھیڑنے سے پہلے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ انہیں جزیہ دینے کے لیے کہیں اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا خط ملا تو انہوں نے بنو تمیم کے نامور بہادر حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو اکیلے ہی ان کی اعانت کے لیے روانہ فرمایا۔ لوگوں نے حیران ہو کر عرض کیا: "اے خلیفۂ رسولؐ آپ خالدؓ کی مدد کے لیے صرف ایک شخص کو روانہ کر رہے ہیں حالانکہ لشکر کا بیشتر حصہ ان سے الگ ہو چکا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "جس فوج میں قعقاعؓ جیسا شخص شامل ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔"

تاہم انہوں نے حضرت قعقاعؓ کے ہاتھ حضرت خالدؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ ان لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل ہونے پر آمادہ کرو۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے اور جنہوں نے فتنۂ ارتداد کے استیصال میں حصہ لیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیاضؓ بن غنم کی مدد کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے عبد بن عوف (یا عبد غوث) حمیری کو روانہ کیا تو ان کے بارے میں بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے۔ (طبری، ابن اثیر)

عراقِ عرب کی ابتدائی لڑائیوں کے بارے میں چار روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت خالدؓ نے پہلے بارسمار اور بانقیا کو مسخر کیا اور اس کے بعد اُبلّہ کو فتح کیا۔ دوسری یہ کہ پہلے اُبلّہ کو فتح کیا جو ایران کی ایک اہم بندرگاہ اور چھاؤنی تھی۔ وہاں عرب اور ہندوستان کے بحری اور بری خطوط آکر ملتے تھے اس لیے بڑی رونق رہتی تھی۔ تیسری یہ کہ اُبلّہ اور اس کے نواحی علاقوں کا حاکم ہُرمُز تھا۔ سب سے پہلے ہرمز سے لڑائی ہوئی جس کو جنگِ ذات السّلاسل کہا جاتا ہے۔ اسی لڑائی کے نتیجے میں اُبلّہ پر حضرت خالدؓ کا قبضہ ہو گیا۔ چوتھی روایت یہ ہے کہ جنگ ذات السّلاسل کے بعد حضرت خالدؓ نے اُبلّہ پر چڑھائی کی اور اسے تسخیر کیا۔ عام مؤرخین کا رجحان یہ ہے کہ عراقِ عرب میں حضرت خالدؓ کو سب سے پہلے "جنگِ ذات السّلاسل" پیش آئی۔ بعض مؤرخین نے جنگِ ذات السّلاسل کو جنگِ کاظمہ اور جنگِ حفیر کے علاوہ جنگِ اُبلّہ کا نام بھی دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جنگ ذات السّلاسل میں حضرت خالدؓ کا حریف ہرمز دوسرے علاقوں کے علاوہ اُبلّہ کا حاکم بھی تھا۔

بہر صورت حضرت خالدؓ بن ولید حدودِ عراق میں داخل ہوئے اور حضرت مثنّیٰؓ کا لشکر بھی ان کے ساتھ مل گیا تو انہوں نے فوج کے تین حصے کیے۔ ایک حصے کا امیر حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہ کو بنایا۔ دوسرے کا حضرت عدیؓ بن حاتم کو اور تیسرے کو اپنے ماتحت رکھا۔ پھر باہمی مشورے سے طے پایا کہ یہ تینوں لشکر مختلف راستوں سے چل کر حفیر کے مقام پر جمع ہو جائیں۔ یہ تینوں لشکر دو دو اور تین تین دن کے وقفے سے روانہ ہوئے۔ سب سے آخر میں حضرت خالدؓ روانہ ہوئے لیکن روانگی سے پہلے انہوں نے اتمامِ حجت کے لیے ایک خط ہرمز کے نام روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا:

" فَاسْلِمْ تَسْلَمْ اَوِ اعْتَقِدْ لِنَفْسِكَ وَقَوْمِكَ الذِّمَّةَ وَاقْرِرْ بِالْجِزْيَةِ وَاِلَّا فَلَا تَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَكَ ۔ فَقَدْ جِئْتُكَ بِقَوْمٍ يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ الْحَيَاةَ "

یعنی " اگر تم لوگ سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول کرلو (اسلام قبول کرلو تو سلامت رہو گے) اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دو اور مسلمانوں کی پناہ (ذمہ) میں آجاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر جو نتیجہ ہوگا تم خود ذمہ دار ہو گے (اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کو ملامت نہیں کرو گے)۔ میں ایک ایسی قوم کو ساتھ لے کر آیا ہوں جو موت سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی تم زندگی سے محبت کرتے ہو۔"

ہُرمُز بڑے دبدبے اور جاہ و جلال والا حاکم تھا۔ وہ سلطنت ایران کے بہت اونچے (اوّل) درجے کے امراء میں سے تھا جس کا امتیازی نشان یہ تھا کہ وہ ایک لاکھ درہم کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ وہ ایک انتہائی بدفطرت اور ظالم شخص تھا۔ اپنے علاقے کے عربوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا رہتا تھا اس لیے عرب اس سے سخت نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اگر انہیں کسی شخص کی خباثت کا ذکر کرنا ہو تو وہ کہتے :

" فلاں شخص تو ہرمز سے بھی زیادہ شریر اور بدطینت ہے۔"



جنگِ ذات السلاسِل

ہُرمُز کو حضرت خالدؓ کا خط ملا تو اس نے تمام حالات دربارِ ایران کو لکھ بھیجے اور خود ایک جرّار لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ اس کے میمنہ اور میسرہ کی قیادت ایران کے شاہی خاندان کے دو بھائی انوشجان اور قباذ کر رہے تھے۔ ایرانیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ان کے کئی دستوں نے اپنے آپ کو آہنی زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ رکھا تھا تاکہ کچھ بھی ہو جائے وہ میدانِ جنگ سے پیچھے قدم نہ ہٹائیں۔ کاظمہ کے قریب حضرت خالدؓ دشمن کے مقابل ہوئے۔ ایرانیوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا، اس لیے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر سے کہا، میری جان کی قسم پانی اس کا ہے جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور بہادر ثابت ہو۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ یہیں اترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کر لو۔ مسلمان یہ حکم سنتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ مکّار ہُرمُز کو اس موقع پر ایک چال سوجھی اس نے چند (سوار) کمین گاہ میں چھپا دیئے، اور خود آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ دعوتِ مبارزت دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی خالدؓ اپنی صفوں سے نکل کر آگے آئیں کمین گاہ میں چھپے ہوئے سوار ان پر جھپٹ پڑیں اور قتل کر ڈالیں۔ حضرت خالدؓ ہرمز کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو ہرمز کے آدمی اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کی طرف جھپٹے۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کو خطرے میں دیکھا تو اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر ایرانی سواروں

کو گھیر لیا۔ ادھر حضرت خالدؓ نے ہُرمز پر حملہ کر کے آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے ایرانیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ دیوانہ وار مسلمانوں پر پل پڑے۔ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن بالآخر سپہ سالار کی عدم موجودگی کے باعث ایرانیوں پر ہزیمت کے آثار نمودار ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا میمنہ اور میسرہ بالکل برباد ہو گیا باقی لشکر بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس لڑائی میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایرانیوں نے جن زنجیروں سے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا وہ میدانِ جنگ سے جمع کی گئیں تو ان کا وزن تقریباً ساڑھے سات من نکلا۔ زنجیروں کے استعمال کی وجہ سے اس معرکے کو "ذات السلاسل" بھی کہا جاتا ہے۔ مالِ غنیمت کا جو حصہ مدینہ منورہ بھیجا گیا اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ خلیفۃ الرسولؐ کے حکم سے اسے شہر میں پھرایا گیا۔ خواتین اسے دیکھتیں تو کہتیں:

أَمِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مَا نَرٰى؟

(کیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے؟)

گشت کے بعد یہ ہاتھی واپس عراق بھیج دیا گیا۔ مالِ غنیمت میں ہُرمز کا مرصّع تاج بھی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ قیمتی تاج حضرت خالدؓ کو عطا فرمایا کیونکہ انہوں نے ہی ہُرمز کو قتل کیا تھا۔

اس لڑائی کو جنگِ کاظمہ اور ذات السلاسل کے علاوہ جنگِ حفیر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ لڑائی حفیر کے قریب ہوئی جو بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ معرکہ حفیر اور کاظمہ کے درمیان کسی مقام پر پیش آیا۔

جنگِ مذار

جنگِ کاظمہ کے بعد حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر نے دجلہ اور فرات کے سنگم پر واقع مذار کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے اور مسلمانوں پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ دراصل یہ لشکر شاہِ ایران نے اپنے ایک جرنیل قارن بن قریانس کی سرکردگی میں ہرمز کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ قارن کو واسط اور بصرہ کے درمیان واقع مذار کے مقام پر ہرمز کے حشر کا علم ہوا تو اس نے مذار کے قریب نہرِ ثنی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا — ہرمز کی شکست خوردہ فوج کے دو افسر قباذ اور انوشجان جو بچ کر نکل آئے تھے، قارن نے بھی انہیں اپنی فوج کے میسرہ اور میمنہ کا افسر بنایا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی لیکن اس سے پہلے کہ قارن مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا، حضرت خالدؓ خود پیشقدمی کر کے مذار پہنچ گئے اور ایرانیوں کے مقابل ہوئے۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں قارن، قباذ اور انوشجان سمیت تیس ہزار ایرانی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں سے کچھ نہرِ ثنی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور دوسروں نے بڑی مشکل سے جانیں بچائیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو اتنا کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کے حصے میں تیس ۳۰ تیس ۳۰ ہزار درہم آئے۔

جنگِ وَلَجہ

جب اردشیر شاہِ ایران کو مذار میں ایرانیوں کی عبرتناک شکست کی خبر ملی تو اس نے اپنے دو آزمودہ کار جرنیلوں اندرزغر اور بہمن جادویہ (یا جاذویہ)

کو یکے بعد دیگرے دو زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں لشکر وَلجہ کے مقام پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ حیرہ اور کسکر کے درمیان آباد عربی النسل عیسائیوں اور کسانوں کی ایک بڑی تعداد بھی ایرانیوں کی مدد کے لیے میدان میں آگئی۔ اس طرح وَلجہ میں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا۔ حضرت خالدؓ کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی خبر ملی تو انھوں نے سویدؓ بن مقرّن کو چند دستوں کے ساتھ مذار میں چھوڑا اور خود باقی لشکر کے ساتھ وَلجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وَلجہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ سمندر کا ساحلی علاقہ ان کے بالکل قریب ہے اور اس میں جگہ جگہ کٹاؤ اور نشیب ہیں۔ اس موقع پر کثیر التعّداد دشمن کو شکست دینے کے لیے ان کو ایک نہایت عمدہ جنگی تدبیر سوجھی وہ یہ کہ تھوڑی تھوڑی فوج کو نشیبی جگہوں میں چھپا دیا اور خود چند مضبوط دستوں کے ساتھ دشمن کے مقابل ہوئے۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی جب ایرانی فوج پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہوئے تو حضرت خالدؓ نے کمین گاہوں میں چھپی ہوئی فوج کو حکم بھیجا کہ میدانِ جنگ میں پہنچ جاؤ۔ یہ فوج آناً فاناً دشمن پر قہرِ خدا بن کر ٹوٹ پڑی۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے اور باقی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اندرزغر بھی ان میں شامل تھا وہ صحرا میں پیاس کے مارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگیا البتہ بہمن جادویہ بچ کر نکل گیا۔ جنگ کے بعد حضرت خالدؓ نے عام آبادی پر جزیہ عائد کر کے اس کو معافی دے دی۔

معرکۂ اُلّیس

جنگِ وَلجہ میں عربی النسل عیسائی قبائل کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے وہ اس کا انتقام لینے کے لیے اُلّیس (کوفہ کے قریب عراقی سرحد پر ایک مقام)

میں جمع ہو کر لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔ اُدھر بہمن جادویہ دربارِ ایران میں پہنچا اور وہاں سے ایک بھاری لشکر لے کر اُلّیس پہنچا۔ یہ لشکر اس نے علاقے کے ایرانی حاکم جابان کے سپرد کیا اور اس کو ہدایت کی کہ میں دوبارہ شاہِ ایران کے پاس مشورہ کے لیے جا رہا ہوں تم میری واپسی سے پہلے جنگ نہ چھیڑنا۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ اُلّیس پہنچ گئے اور بلا توقّف عیسائی قبائل سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس وقت جابان کی فوج اطمینان سے کھانا کھانے میں مشغول تھی کیونکہ اس کو حکم تھا کہ بہمن کے واپس آنے سے پہلے لڑائی میں شریک نہ ہو۔ حضرت خالدؓ نے بھرپور حملہ کر کے عیسائی قبائل اور ایرانی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس معرکے میں ستّر ہزار عیسائی اور ایرانی مارے گئے۔

امغیشیا کی تسخیر

معرکۂ اُلّیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے۔ وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا رُخ اپنی جانب دیکھا تو گھبرا گئے اور شہر سے نکل گئے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اس پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ وہاں سے کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا پانچواں حصہ مژدۂ فتح کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت خوش ہوئے اور اُن کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

"اے معشرِ قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کیا اور اس کے غار میں داخل ہو کر اس پر غلبہ پایا۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا دلاور پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔"

حیرہ کی فتح

امغیشیا کے قریب ہی حیرہ کا تاریخی شہر تھا۔ (امغیشیا اور حیرہ اس جگہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھے جہاں کچھ عرصہ کے بعد کوفہ کا شہر آباد ہوا) وہاں کے ایرانی حاکم آزادبہ (یا اراذبہ) کو معلوم ہوا کہ اب مسلمان حیرہ پر لشکرکشی کریں گے تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک مضبوط فوج دے کر مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے روانہ کیا اور خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر خیمہ زن ہو گیا تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً اپنے بیٹے کی مدد کو پہنچ سکے۔ امغیشیا اور حیرہ کے درمیان دریائے فرات تھا۔ ابن آزادبہ نے دریا پر بند باندھ کر اس کا پانی اس سے نکلنے والی نہروں میں ڈال دیا۔ مسلمان جو کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کے راستے حیرہ کی طرف بڑھ رہے تھے اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوئے کیونکہ دریا کے پانی کا رُخ بدل جانے کی وجہ سے ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کشتیوں کو وہیں چھوڑ دیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کریں۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور گھوڑے اڑاتے یکایک ابن آزادبہ کے لشکر پر جا پڑے جس نے دریائے فرات کے دہانہ کے قریب پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ ابن آزادبہ اس ناگہانی حملہ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے بدحواس ہو گیا اور اپنی فوج سمیت مارا گیا۔ مسلمانوں نے بند توڑ کر دریا کو دوبارہ معمول کے راستے پر جاری کر دیا اور حیرہ کی طرف بڑھے۔ اسی دوران میں شاہِ ایران اردشیر کا انتقال ہو گیا۔ آزادبہ کو اردشیر کی وفات اور اپنے بیٹے کے قتل کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس خبر

نے اس کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ اپنے لاؤ لشکر کو ساتھ لے کر بھاگ گیا۔ چنانچہ مسلمان کسی مزاحمت کے بغیر حیرہ کے قریب پہنچ گئے، اور غریئین اور قصرِ ابیض کے درمیان اس جگہ ڈیرے ڈال دیئے جہاں آزادبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اگر تم جزیہ دینا قبول کر لو اور قلعے کا دروازہ کھول دو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ اہلِ حیرہ نے اس پیغام کے جواب میں مسلمانوں پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان پر تسلسل کے ساتھ شدت سے تیر برساؤ۔ مسلمانوں کی شدید تیر باری سے حیرہ کے بے شمار باشندے مارے گئے اس پر شہر کے مذہبی رہنماؤں اور پادریوں نے قلعہ کے سرداروں پر زور ڈالا کہ سنگ باری بند کر دو اور اہلِ شہر کو مسلمانوں کے تیروں سے بچاؤ۔ ان سرداروں نے مجبور ہو کر حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ ہمارا ایک وفد آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے اس لیے لڑائی بند کر دیں۔ حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ ان کے پانچ سرداروں عدی و عمران پسرانِ عدی، حیری بن اکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ پر مشتمل ایک وفد حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ اس موقع پر جو صلحنامہ لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

"یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسرانِ عدی، حیری بن اُکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا۔ یہ لوگ اہلِ حیرہ کی طرف سے اس عہدنامے کی تکمیل کے لیے مجاز

گردانے گئے ہیں۔ معاہدے کے مطابق اہلِ حیرہ کو ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم بطور جزیہ ادا کرنے ہوں گے ——— یہ جزیہ قسیسوں (پادریوں) کو بھی ادا کرنا ہوگا البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو مفلس اور محتاج ہوں، تارک الدنیا راہب ہوں یا اپاہج ہوں۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہلِ حیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ (خالد بن ولید یا مسلمانوں) پر ہے۔ اگر میں (یا مسلمان) ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ نہ لیا جائے گا اور اگر اہلِ حیرہ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو وہ ہماری پناہ (حفاظت) سے نکل جائیں گے ——— یہ معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ھ ہجری میں لکھا گیا۔"

حیرہ کی صلح کے بعد نواحی علاقے کے باشندوں نے بھی ۲۰ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حیرہ اور ملحقاتِ حیرہ پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہو گیا تو حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، حضرت ضرارؓ بن ازور، حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ اور کچھ دوسرے افسرانِ فوج کو سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیا اور ان کو ہدایت کی کہ دشمن پر برابر یورش کرتے رہو اور اس کو جنگی تیاری کی مہلت نہ دو۔ چنانچہ ان افسروں نے اپنی سرحدوں سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے مختلف (مفتوحہ) علاقوں میں عُمّال مقرر کیے اور انہیں اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے اور جزیہ وصول کرنے کا ذمہ دار بنایا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی موقع پر بانقیا اور باروسما کے باشندوں کی طرف سے پادری صلوبا بن نسطونا حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

دس ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے کا عہد کیا۔ اس کے عوض حضرت خالدؓ نے بانقیا اور باروسماء کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور تحریری معاہدہ لکھ دیا۔ اس معاہدے کا مضمون بھی قریب قریب وہی تھا جو اہلِ حیرہ کو لکھ کر دیا گیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہلِ بانقیا اور باروسماء نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمان ان کو کچل ڈالیں گے تو صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس مقصد کے لیے دیر ناطف کے پادری صلوبا کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت خالدؓ کے پاس بھیجا۔

فتح انبار

ان انتظامات سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کو حیرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود انبار کی طرف بڑھے جو ایرانیوں کا ایک مضبوط گڑھ تھا۔ اہلِ انبار کو حضرت خالدؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ مسلمان شہر کے قریب پہنچے تو اہلِ انبار نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر ایرانیوں کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اہلِ انبار اصولِ جنگ سے ناواقف ہیں اس لیے انہیں آسانی سے تیروں کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمن کے سپاہیوں کی آنکھوں کو تاک تاک کر نشانہ بناؤ۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور آناً فاناً دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ ایسی مصیبت سے اہلِ انبار کو پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ انبار کے ایرانی سپہ سالار شیرزاد نے فوج میں بددلی کے آثار دیکھے تو اس نے حضرت خالدؓ سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن ایسی

شرطیں پیش کیں جو حضرت خالدؓ کے لیے قابلِ قبول نہیں تھیں۔ چنانچہ بات چیت کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اب حضرت خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر ایک ایسے مقام پر آئے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ بیمار اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیئے جائیں۔ اس طرح خندق کا ایک حصہ پٹ گیا اور پل سا بن گیا۔ اسلامی لشکر اس پر سے گزر کر خندق کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ مسلمانوں کا دباؤ برداشت کرنا اب ایرانیوں کے بس کی بات نہیں تھی ناچار انہوں نے حضرت خالدؓ کی شرائط پر صلح کرلی اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ انبار کے سقوط سے نواحی علاقے کے باشندوں کی ہمتیں بھی پست ہوگئیں اور انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔

فتح عین التمر

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت زبرقانؓ بن بدر کو انبار میں اپنا نائب بنایا اور عین التمر کی طرف بڑھے جہاں ایک نامور ایرانی جرنیل مہران پسر بہرام چوبین ایرانیوں کی ایک بڑی جمعیّت کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی مدد کے لیے تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ متعدد عربی النسل عیسائی قبائل بھی عقہ بن عقہ کی قیادت میں پہنچ گئے تھے۔ مہران نے ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت ان عرب عیسائی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا۔ عقہ کرخ کے مقام پر اپنی فوج کی صف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالدؓ اس کے سر پر پہنچ گئے اور دم لیے بغیر عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا —— وہ صفوں کو چیرتے ہوئے عقہ کے قریب پہنچ گئے اور کمند ڈال کر اس کو گرفتار کرلیا۔ اپنے سردار کی گرفتاری سے فوج جو اس باختہ ہوگئی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے

سینکڑوں آدمیوں کو اسیر بنالیا جو بچ گئے انہوں نے عین التمر کے قلعے میں پناہ لی۔ مہران نے عیسائی عربوں کا حشر دیکھا تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور دشمن پر اتنا شدید دباؤ ڈالا کہ اُس کے لیے قلعے کے دروازے کھولنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت خالدؓ نے تمام عیسائی عربوں کو گرفتار کرلیا۔ وہ ان کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ عقہ سمیت سب کی گردنیں اڑا دیں۔

معرکۂ دومۃ الجندل

جن ایام میں حضرت خالدؓ بن ولید عراقِ عرب کی مہمات میں مصروف تھے دومۃ الجندل میں بغاوت ہوگئی اور کلب، بہراء، غسان، تنوخ اور ضجاعم کے قبائل اکیدر اور جودی کو اپنا سردار بناکر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو اس بغاوت پر قابو پانے کے لیے دومۃ الجندل جانے کا حکم بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر دشمن کو بہت طاقتور پایا تو حضرت خالدؓ کو مدد کے لیے بُلا بھیجا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے بھی انہیں حضرت عیاضؓ کی مدد کے لیے پہنچنے کا حکم دیا۔ بہرصورت عین التمر کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے عویم بن کاہل اسلمی کو پیچھے چھوڑا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کا رُخ کیا۔ جب دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اکیدر نے یہ کہہ کر دوسرے باغی سردار جودی کا ساتھ چھوڑ دیا کہ میں خالدؓ بن ولید سے نہیں لڑسکتا۔ حضرت خالدؓ کو اکیدر کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دستۂ فوج اس کے پیچھے بھیجا جس نے اس کو گرفتار کرلیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو عہد شکنی اور بغاوت

کے جرم میں قتل کر دیا (اکیدر نے عہدِ رسالت میں اطاعت قبول کر لی تھی لیکن پھر بغاوت میں شریک ہو گیا تھا)۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے دو طرفوں سے دومۃ الجندل کو گھیر لیا۔ باغیوں کی امداد کے لیے کئی عربی النسل عیسائی قبائل بھی پہنچ گئے تھے۔ یہ سب مل کر جودی بن ربیعہ، ودیعہ کلبی، ابنِ رومانس کلبی، ابن الایہم اور ابنِ حدرجان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے انہیں شکست فاش دی۔ جودی اور ودیعہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے اور باقی فوج نے پسپا ہو کر قلعے کا رخ کیا۔ جب قلعہ بھر گیا تو اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو جو زیادہ تر بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ بنو کلب نے حضرت خالدؓ کی فوج کے ایک سردار عاصمؓ بن عمرو تمیمی سے رحم کی التجا کی کیونکہ ان کا قبیلہ تمیم، بنو کلب کا حلیف تھا۔ حضرت عاصمؓ نے ان کو امان دے دی۔ حضرت خالدؓ نے ان کے عہد کا احترام کیا اور بنو کلب کے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے قلعے کا پھاٹک اکھڑوا ڈالا اور قلعے میں موجود تمام باغیوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر ان سب کو جودی سمیت بغاوت کی پاداش میں قتل کرا دیا۔



عراقِ عرب میں بغاوت

حضرت خالدؓ ابھی دومتہ الجندل ہی میں تھے کہ عراقِ عرب میں ایرانیوں نے پھر شورش برپا کر دی۔ ان کے دو سرداروں روزبہ اور زرمہر نے حصید اور خنافس پر چڑھائی کر دی۔ حضرت زبرقانؓ بن بدر حاکم انبار کو ایرانیوں کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکم حیرہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی سے مدد طلب کی۔ حضرت قعقاعؓ نے ان کا پیغام ملتے ہی الگ الگ دو لشکر اعبد بن فدکی السعدی اور عروہ بن جعد البارقی کی قیادت میں حصید اور خنافس کی طرف بھیجے کہ ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ انہوں نے ریف میں روزبہ اور زرمہر کا راستہ روک لیا وہاں وہ بنو ربیعہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کر چکے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید عیاضؓ بن غنم کو ساتھ لے کر دومتہ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے۔ یہاں انہیں امرؤ القیس کلبی کا خط ملا کہ ہذیل بن عمران نے مُصَیّخ اور ربیعہ بن بشر نے الثنی اور البشر کے مقامات پر فوجیں جمع کی ہیں اور وہ جلد ہی یہ فوجیں لے کر روزبہ اور زرمہر کی مدد کے لیے جا رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے یہ خط ملتے ہی حضرت قعقاعؓ اور ابو لیلیٰؓ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور پھر حیرہ میں حضرت عیاضؓ بن غنم کو چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابو لیلیٰؓ ابھی عین التمر تک پہنچے تھے کہ حضرت خالدؓ بھی اُن سے آن ملے۔ یہاں سے انہوں نے حضرت قعقاعؓ کو حصید کی جانب اور حضرت ابو لیلیٰؓ کو خنافس کی طرف روانہ

کیا۔ روزبہ اور زرمہر نے مل کر حصید میں حضرت قعقاعؓ کا مقابلہ کیا لیکن دونوں لڑائی میں مارے گئے اور ان کی فوج نے بری طرح شکست کھائی۔ شکست خوردہ فوج نے بھاگ کر خنافس میں پناہ لی۔ اسی اثناء میں حضرت ابولیلیٰؓ خنافس پہنچ گئے۔ ایرانی حاکم مہبوذان کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ خنافس سے نکل کر مُصَیَّخ چلا گیا۔ چنانچہ حضرت ابولیلیٰؓ نے خنافس پر کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا۔ اب حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ، حضرت ابولیلیٰؓ، حضرت اعبدؓ اور حضرت عروہؓ کو مُصَیَّخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ فلاں رات کو فلاں مقام پر سب اکٹھے ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ خود بھی مقررّہ رات کو ان کے پاس پہنچ گئے اور پھر متحدہ اسلامی لشکر نے ایرانیوں اور ان کے عرب حلیفوں پر تباہ کن شب خون مارا۔ عیسائی عربوں کا سردار ہذیل بن عمران تو بچ کر نکل گیا لیکن مُصَیَّخ میں موجود باقی تمام عیسائی عرب اور ایرانی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

مُصَیَّخ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے بنو تغلب کی طرف توجّہ کی جو کئی بار ایرانیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابولیلیٰؓ کو بنو تغلب کی بستیوں الثنی اور البشر پر شب خون مارنے کا حکم دیا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ ان کے پیچھے حضرت خالدؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک مقررّہ رات کو مجاہدین نے تین سمتوں سے الثنی پر حملہ کیا اور تمام دشمنوں کو (عورتوں بچوں اور بوڑھوں کے سوا) فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ الثنی کے بعد البشر (جس کا دوسرا نام الزمیل ہے) کی باری آئی۔ وہاں بھی تغلبیوں کا ایک لشکر موجود تھا۔ ہذیل بن عمران نے مُصَیَّخ سے بھاگ کر اسی جگہ پناہ لی تھی۔ حضرت خالدؓ نے ایک ہی ہلّے میں البشر

پر قبضہ کرلیا اور دشمن کا صفایا کر دیا۔ اس کے بعد وہ الرضاب کی طرف بڑھے جہاں عقہ (مقتول) کا بیٹا ہلال ایک لشکر لیے پڑا تھا۔ اس نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس طرح الرضاب پر بھی مسلمانوں نے آسانی سے قبضہ کرلیا۔

جنگِ فراض

الرضاب کی تسخیر کے بعد حضرت خالدؓ نے الفراض کا رُخ کیا۔ یہاں عراق، شام اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں اور جنگی نقطۂ نگاہ سے اس کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ حضرت خالدؓ الفراض پہنچے تو ان کے مقابلے میں نہ صرف ایرانی اور شامی مُتّحِد ہو گئے بلکہ تغلب، نمر اور ایاد کے عربی النسل عیسائی قبائل بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس متّحدہ لشکر نے دریائے فرات کو پار کر کے بڑے جوش و خروش سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے حضرت خالدؓ کی قیادت میں اس جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کو لوہے کے چنے چبوا دیئے، اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ نے للکار کر کہا، مسلمانو! اسے گھیر لو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ ان کی للکار پر مسلمان جانبازوں نے دشمن کے سپاہیوں کو گھیر گھیر کر مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح ان کی بیشتر تعداد مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہو گئی، جو تھوڑے بہت پیچھے کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوئے وہ دریائے فرات میں غرق ہو گئے۔ فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے فوج سے کہا کہ وہ چند دن ستا لے۔ چنانچہ سارا لشکر الفراض ہی میں ٹھہر گیا۔ دس دن کے بعد (۲۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کو) حضرت خالدؓ نے فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا اور اپنے متعلق ظاہر کیا کہ جیسے "وہ ساقہ (عقبی فوج) کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لشکر

کے کوچ کرتے ہی وہ نہایت رازداری کے ساتھ چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر برق رفتاری سے مکہ معظمہ پہنچے اور حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے اسی برق رفتاری سے واپس آ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت الفراض سے آنے والی فوج کا آخری حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ وہ (خفیہ حج سے واپس آکر) اس فوج کے ساتھ (آخری یا عقبی حصے) سے آملے۔ لشکر کے کسی اور آدمی کو ان کے حج پر جانے کا علم نہیں تھا۔ جب انہوں نے واپسی پر حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ حج کر کے آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت خالدؓ کے خفیہ حج کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کو لکھا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ سپہ سالار کا اپنی فوج سے یکایک غیر حاضر ہو جانا فوج کے لیے کئی خطرات کا موجب بن سکتا ہے۔

حضرت خالدؓ حیرہ پہنچے ہی تھے کہ انہیں دربارِ خلافت سے فوراً شام جانے کا حکم ملا چنانچہ وہ عراقِ عرب کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کے سپرد کر کے شام روانہ ہو گئے۔

حضرت خالدؓ نے کل ایک سال دو ماہ (محرم ۱۲ھ سے صفر ۱۳ھ تک) کا عرصہ عراقِ عرب سے گزارا۔ اس دوران میں انہوں نے پندرہ جنگیں لڑیں اور سب میں فتحیاب ہوئے۔



فتوحاتِ شام

جس زمانے میں حضرت خالدؓ بن ولید عراقِ عرب میں ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے، روم کی بازنطینی سلطنت سے بھی خلافتِ اسلامیہ کی باقاعدہ جنگ چھڑ چکی تھی۔ درحقیقت رومیوں سے کشمکش کا آغاز عہدِ رسالت ہی میں ہو چکا تھا۔ ملکِ شام جس میں اردن اور فلسطین کے علاقے بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں قیصرِ روم کے زیرِ تسلط تھا۔ شام کی جنوبی سرحد عرب سے ملتی تھی اور عراق کی طرح اس سرحد پر بھی ایسے عرب قبائل آباد تھے جو رومی حکومت کے زیرِ اثر تھے۔ غسانی عربوں کی ایک ریاست بھی اس سرحد پر قائم تھی جو کہنے کو تو آزاد اور خود مختار تھی لیکن فی الحقیقت رومی سلطنت کی باجگزار تھی اور رومیوں کے اس قدر زیرِ اثر تھی کہ غسانیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی جو رومیوں کا سرکاری مذہب تھا۔ عرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور عربوں نے اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو کر سیاسی طاقت حاصل کر لی تو کسرئ ایران کی طرح قیصرِ روم بھی ان سے خطرہ محسوس کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے بعض موقعوں پر بالواسطہ (اپنے زیرِ اثر عربوں کے ذریعے) یا براہِ راست ایسے اقدام کیے جو صریحاً اسلام دشمنی کے مترادف تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا واقعہ ۶ ہجری میں پیش آیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کلبی کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر قیصرِ روم کے پاس بھیجا تھا۔ وہ اپنا کام انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ جذام کے علاقے میں رومی حکومت کے زیرِ اثر عربوں نے ان پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال اور سامان لوٹ لیا۔ اسی طرح

حضرت حارث رضؓ بن عُمیر ازدی کو حضورؐ نے دعوتِ اسلام کا خط دے کر حاکمِ بُصریٰ حارث بن شمر غسانی کی طرف بھیجا۔ راستے میں شام کے سرحدی علاقے کے ایک عرب رئیس شرحبیل بن عمرو نے انہیں شہید کر ڈالا۔ شرحبیل قیصرِ روم کے ماتحت تھا۔ چونکہ کسی سفیر کا قتل ایک قبیح جرم تھا جسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا، حضورؐ نے اس کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کا ایک لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ مُوتہ کے مقام پر اس لشکر کا دشمن کی ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ ہرقل قیصرِ روم خود اس علاقے میں (بلقا کے مقام پر) خیمہ زن تھا، اس نے شرحبیل بن عمرو کی مدد کے لیے ہزارہا سپاہی بھیجے۔ مُوتہ کی لڑائی میں حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہادت پائی اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور بے شمار رومیوں کو قتل کر کے دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ۹ھ میں سرحدِ عرب پر رومی لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو حضورؐ تیس ہزار سرفروشوں کے ساتھ تبوک تشریف لے گئے تاکہ قیصرِ روم کے حملے کو سرحد پر ہی روک لیا جائے۔ قیصرِ روم کو مقابلے پر آنے کی ہمت نہ پڑی اس لیے حضورؐ قیصرِ روم کے بعض باجگزار رئیسوں کو مطیع کر کے واپس تشریف لے آئے۔ ۱۱ھ ہجری میں حضورؐ نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو ایک لشکر دے کر شام جانے کا حکم دیا لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ آپؐ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سریر آرائے خلافت ہو کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جیشِ اُسامہ کو اپنی منزلِ مقصود کی جانب روانہ کیا (اس کی تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے) جیشِ اُسامہ نے حدودِ شام میں داخل ہو کر جو کامیابیاں حاصل کیں انہوں نے قیصرِ روم کو چوکنا کر دیا اور وہ مملکتِ اسلامیہ

پر حملہ کرنے کی تاک میں رہنے لگا۔ اس مقصد کے لیے اس نے شام میں بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے رومیوں کے حدودِ عرب میں داخل ہونے سے پہلے ہی شام پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا لیکن یہ بڑا نازک وقت تھا کیونکہ عراقِ عرب میں سلطنتِ ایران سے خونریز لڑائیاں ہو رہی تھیں اس لیے حضرت ابُوبکرؓ نے ضروری سمجھا کہ شام پر لشکر کشی سے پہلے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ماہ صفر ۱۳ھ میں ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔

مجلسِ شوریٰ

اس مجلسِ شوریٰ میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ (صاحبِ اُحد) حضرت زبیرؓ بن العوام (حواریٔ رسولؐ) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح (امین الاُمّت) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت معاذؓ بن جبلؓ اور دوسرے اکابر مہاجرین و انصار شریک تھے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے مجلسِ شوریٰ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حدِ شمار سے باہر ہیں، اس کے بندے اپنے اعمال سے اس کے احسانات کا حقِ شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ کی بہت بہت ستائش ہے کہ اس نے تم میں اتحاد پیدا کر کے تم پر بڑا فضل فرمایا ہے۔ اس نے تمہارا باہمی اختلاف دور کر دیا ہے تمہیں اسلام کی راہ دکھا دی ہے اور شیطان کو تم سے دفع کر دیا ہے۔ اس لیے اب یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم آئندہ کبھی شرک کرو گے۔

تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف توجہ فرمائی تھی لیکن اسی دوران میں اللہ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ عرب ایک

ہی ماں باپ کی اولاد ہیں میرا ارادہ ہے کہ ان کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے شام بھیجوں۔ اس جنگ میں جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ نیکو کاروں کے لیے اللہ کے یہاں جو اجر مہیا ہے وہ اس دنیا سے کہیں بہتر ہے اور جو اس جنگ میں زندہ بچے گا وہ دینِ حق کا حامی قرار پائے گا اور اللہ سے مجاہد کا ثواب حاصل کرے گا۔ یہ میری رائے ہے اب تم اپنی رائے سے مجھے آگاہ کرو۔"

تمام شرکائے مجلس نے یک زبان ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تائید کی اور کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ! آپ نے جو کچھ سوچا ہے اس پر عمل کیجئے ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ ہم میں سے کوئی شخص نہ آپ کی مخالفت کرے گا نہ آپ کی رائے میں شک کو راہ دے گا، نہ آپ کی دعوت کو رد کرے گا۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ پھر کھڑے ہوئے اور حمد و نعت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اسلام جیسا دین دے کر تم پر احسان فرمایا ہے تمہیں جہاد کے ذریعے قوت بخشی ہے اور اس دینِ حنیف کے ذریعے تمہیں سارے مذاہب کے پیروؤں پر فضیلت عطا فرمائی ہے لہٰذا ملکِ شام میں رومیوں سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں بعض آدمیوں کو تم پر امیر بناؤں گا۔ تم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار رہنا اور اپنے امیروں کی حکم عدولی نہ کرنا، تمہاری نیت، تمہارا عمل، تمہارا اخلاق اور تمہارا کھانا پینا سب کچھ درست ہو کیونکہ اللہ انہیں کے ساتھ ہے جو متقی اور صالح ہیں۔"

نامور مؤرخ ابو اسمٰعیل الازدی نے "فتوح الشام" میں لکھا ہے کہ اس

مجلسِ شوریٰ میں حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص بھی موجود تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے جہادِ شام پر جانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا[1] لیکن ابنِ خلدونؒ، ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ بن سعید اس وقت ایک مختصر لشکر کے ساتھ سرحدِ شام کے قریب تیماء کے مقام پر خیمہ زن تھے اور انہوں نے ہی حضرت ابوبکرؓ کو قیصرِ روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تھی[2]

قبائلِ عرب کو دعوتِ جہاد

جب مجلسِ شوریٰ میں شام پر لشکر کشی کا فیصلہ ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدینے

---

[1] ازدی نے ایک تقریر بھی حضرت خالدؓ بن سعید سے منسوب کی ہے جو انہوں نے اس موقع پر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو یقین دلایا کہ ان کی اور ان کے اہلِ خاندان کی زندگیاں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہیں، اور وہ راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں کچھ فوج دے کر سرحدِ شام کی جانب بھیج دیا اور ہدایت کی کہ تیماء پہنچ کر قیام کریں اور تا حکمِ ثانی آگے نہ بڑھیں۔

[2] اگر حضرت خالدؓ بن سعید کے اس وقت تیماء میں موجود ہونے کی روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں کب وہاں بھیجا۔ پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ مرتدین کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے گیارہ لشکر مختلف اطراف کو بھیجے تھے ان میں سے ایک لشکر حضرت خالدؓ بن سعید کی سرکردگی میں سرحدِ شام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس کا مقصد غالباً یہ تھا کہ قیصرِ روم کے زیرِ اثر قبائل کی طرف سے کسی ممکنہ خطرے کا سدِّباب کیا جا سکے حضرت خالدؓ بن سعید اسی وقت سے تیماء میں خیمہ زن تھے۔

میں عام منادی کرادی کہ لوگ اپنے دشمن رومیوں سے جہاد کے لیے نکلیں۔ یہ منادی سن کر جوشِ جہاد سے سرشار مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر لشکر گاہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی خلیفۃ الرسولؐ نے حجاز، یمن اور عرب کے دوسرے رؤسائے قبائل کے نام اس مضمون کا خط روانہ کیا:

"ابو قحافہ کے بیٹے عبداللہ عتیق کا خط مسلمانوں کے نام!
السلام علیکم۔ سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی خوبیاں بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمتِ کاملہ کی دعا کرتا ہوں —— اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو ملکِ شام بھیجوں تاکہ تم اس کو کافروں کے ہاتھ سے فتح کرلو۔ پس تم میں سے جو جہاد کے لیے آمادہ ہو اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے میں جلدی کرے۔"

(فتوح الشام۔ واقدی)

تمام رؤسائے قبائل نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوتِ جہاد پر بڑی خوشدلی سے لبیک کہا اور ان کا خط ملتے ہی اپنے اپنے قبائل کے مجاہدین کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کے لیے چل پڑے۔ ان میں سے بعض نے اپنے تمام اندوختہ اور اہل وعیال کو بھی ساتھ لے لیا[1]۔ حضرت انسؓ بن مالک روسائے یمن کے نام خطوط لے کر گئے تھے۔ انھوں نے یمن کے نامور بہادر حضرت ذوالکلاع حمیریؓ کو جونہی حضرت ابوبکرؓ کے خط کا مضمون سنایا انھوں نے ہتھیار سجائے، گھوڑے پر بیٹھے اور اپنی

---

[1] مؤرخین نے اس سلسلے میں اہلِ یمن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ اپنے اہل وعیال اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۲۶۷ پر)

قوم کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ کا رُخ کیا۔ اسی طرح حابسؓ بن سعد طائیؓ، جندبؓ بن عمرو الدوسی اور قیسؓ بن ہبیرۃ المرادی اور دوسرے رؤسا بھی اپنے قبائل کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ پہنچے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے اہلِ مدینہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان مجاہدین کا استقبال کیا اور ان کو مدینہ کے قریب جُرف کے مقام پر ٹھہرایا جہاں دیکھتے ہی دیکھتے خیموں کا ایک نہایت وسیع شہر آباد ہو گیا۔ قبائل کے جوشِ جہاد کی یہ کیفیت تھی کہ قبیلے پر قبیلہ آ رہا تھا اور ان کا تسلسل ٹوٹنے ہی میں نہ آتا تھا۔

حضرت ابُوبکر صدیقؓ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور ان کو دُعائے خیر و برکت دیتے تھے۔ قبیلہ طے کے سردار حابسؓ بن سعد طائی مدینہ منوّرہ پہنچے تو حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو دیکھ کر گھوڑے سے اترنا چاہا لیکن حضرت ابُوبکرؓ نے ان کو قسم دے کر روک دیا۔ اسی طرح دوسرے امرائے قبائل اور مجاہدین کا بھی حضرت ابُوبکرؓ نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔

قیصرِ روم کے پاس مسلمانوں کی سفارت

اسی زمانے میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے قیصرِ روم کے پاس ایک سفارت بھیجی تاکہ شام پر لشکر کشی سے پہلے اتمامِ حجّت ہو جائے۔ مشہور مُحقّق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

جمع پونجی کے ساتھ مدینہ منوّرہ پہنچے تو حضرت ابُوبکرؓ کو بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "اللہ کے بندو! کیا ہم آپس میں کہا نہیں کرتے تھے کہ جب قبائلِ حمیر اپنے اہل و عیال سمیت لد پھند کر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غالب اور مشرکوں کو مغلوب کرے گا۔ مسلمانو! دیکھو آلِ حمیر اللہ کی فتح و نصرت ساتھ لیے آ گئے۔"

اس سفارت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

"اسلامی مملکت کو چند سے مرتدوں، باغیوں اور مدعیان نبوت سے پریشانی رہی لیکن جب اس سے بے فکری ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے قیصر روم کے پاس ایک مرتبہ اور سفارت بھیجی[1] اور اسلام یا سیاسی اطاعت کی دعوت دی۔

مؤرخ ذہبیؒ نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے اور اس میں بعض عجیب قصے بھی لکھے ہیں کہ قیصر کے پاس جملہ انبیاء کی تصویریں تھیں اور مسلمان سفیروں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصویر کو فوراً پہچان لیا تھا۔

ارمنی مؤرخ سابیوس (SABEOS) نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں قیصر کے پاس ایک سفارت آئی تھی اس کے بیان کا ترجمہ ہیولش مان نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا ہے۔

"انہوں (مسلمانوں) نے تب ایک سفارت بیزنطینی شہنشاہ کے پاس بھیجی اور کہا : خدا نے یہ علاقہ ہمارے جد (حضرت ابراہیمؑ) اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا تو اس پر بہت دنوں سے قابض ہے وہ ہمیں صلح اور آشتی سے واپس کر دے پھر ہم تیرے ملک میں نہیں آئیں گے ورنہ ہم اصل کا سود کے ساتھ واپسی کا مطالبہ کریں گے۔

قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہ دیا جس کی سفیر کو اس سے توقع تھی کیونکہ اس نے کہا: یہ ملک میرا ہے۔ تیرا ورثہ تو صحرا ہے۔ جا وہاں امن سے رہ۔"

---

[1] پہلی سفارت عہد رسالتؐ میں بھیجی گئی تھی۔

اس طرح یہ سفارت ناکام ہوگئی۔ اب قیصر سے نبٹنے کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

میدانِ جہاد میں جانے کے لیے مسلمانوں کی بے تابی

جو مجاہدین جہاد میں شریک ہونے کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تھے ان میں سے بیشتر مسلح تھے لیکن پھر بھی ان کے لیے رسد، سواریوں اور دوسرے ساز وسامان کی فراہمی کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اس کی انجام دہی میں کافی دن گزر گئے — ادھر مجاہدین میدانِ جہاد میں جلد از جلد پہنچنے کے لیے اس قدر بے تاب تھے کہ ایک ایک دن مشکل سے گزار رہے تھے۔ آخر انھوں نے قیس بن ہبیرۃ المرادی اور چند دوسرے سردارانِ قبائل کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے بارگاہِ خلافت میں عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہؐ! آپ نے ہمیں بلایا ہم اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اور جہاد کے شوق میں بلا تاخیر یہاں حاضر ہو گئے۔ اب ہمارا لشکر اور ساز وسامان سب درست ہے۔ آپ کا چھوٹا سا شہر اتنے آدمیوں، اونٹوں اور گھوڑوں کی ضرورتوں کو کہاں تک پورا کر سکتا ہے۔ یہاں اب مزید قیام کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ ہمیں یا تو فوراً شام روانہ کیجیے یا اجازت دیجیے کہ ہم اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا: "میں تو مجاہدین کے اجتماع ہی کا انتظار کر رہا تھا چونکہ یہ ایک بڑی مہم ہے اس لیے ساز وسامان اور رسد وغیرہ کا بھی تسلی بخش انتظام کرنا ضروری تھا۔ اسی کام میں مشغول رہنے کی وجہ سے تمہاری

روانگی میں تاخیر ہو گئی اب تم روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابر مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر لشکرگاہ میں تشریف لے گئے۔ مجاہدین ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جوشِ مسرت میں اس زور سے تکبیر کے نعرے بلند کیے کہ مدینہ منوّرہ کے جنگل اور پہاڑ گونجنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھا تو حدِ نظر تک تمام میدان میں مجاہدین ہی مجاہدین نظر آئے جن کے جوش و خروش کا عجیب عالم تھا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا اور انہوں نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں دعا کی: " الٰہی اپنے ان بندوں کو صبر و استقامت عطا فرما، ان کی مدد کر اور ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں نہ دے۔"

عساکرِ اسلام کی مدینہ منوّرہ سے روانگی

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا اور ان کی قیادت چار جلیل القدر صحابہؓ کے سپرد فرمائی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ —— ان کو حکم ہوا کہ تبوک کے راستے دمشق کا رُخ کریں۔

۲۔ حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ —— ان کو اردن کی جانب جانے کا حکم ہوا۔

۳۔ حضرت عمروؓ بن العاص —— ان کو فلسطین کی تسخیر پر مامور کیا گیا۔

۴۔ امین الامّت حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح ——— ان کو حمص کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔

ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ نے ہدایت کی کہ میدانِ کارزار میں اگر یہ چاروں لشکر یکجا ہو جائیں تو سب کے سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہؓ ہوں گے اور اگر وہ نہ ہوں تو یزیدؓ بن ابی سفیانؓ سپہ سالارِ اعظم ہوں گے۔

یہ چاروں لشکر یکم صفر ۱۳ھ کو آگے پیچھے روانہ ہوئے لیکن حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق سب نے مختلف راستے اختیار کیے۔ ان لشکروں میں شامل مجاہدین کی تعداد کے بارے میں مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ہر ایک لشکر کی تعداد تین ہزار لکھی ہے، لیکن علّامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ ہر ایک لشکر ساڑھے سات ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اس اختلاف کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ ان بڑے لشکروں کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے لشکر مختلف امیروں کی قیادت میں مدینہ منوّرہ سے روانہ کیے تھے۔ یہ لشکر آگے جا کر کسی نہ کسی بڑے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ ان لشکروں کو مدینہ منوّرہ سے رخصت کرتے وقت حضرت ابوبکرؓ نے جو ہدایات دیں وہ بہت سے مؤرّخین نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کی ہیں۔ یہ ہدایات حضرت ابوبکرؓ کی دانش و حکمت، تدبّر، سلامتئ طبع اور خدا ترسی پر دال ہیں۔ بعض مشہور مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان ہدایات میں معقولیت اور اعتدال کی جو روح کارفرما ہے اس کے باعث ان کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں صرف ان ہدایات کا ذکر کریں گے جو حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کو رخصت کرتے وقت دیں۔

حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اپنے لشکر کو لے کر سب سے پہلے روانہ ہوئے

وہ گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت ابُوبکرؓ پا پیادہ ان کی مشایعت کے لیے ساتھ چلے۔ حضرت یزیدؓ نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہؐ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے بھی پیادہ چلنے کی اجازت دیں۔"

حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا، "نہ میں سوار ہوں گا اور نہ تمہیں سواری سے اترنے دوں گا۔ میں خدا کی راہ میں اپنے قدموں کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

پھر انھوں نے حضرت یزیدؓ کو یہ ہدایات دیں:

"اے یزید جب تم منزل سے کوچ کرنا تو اپنی فوج پر جلدی چلنے کے لیے سختی نہ کرنا اور اپنی فوج سے علیحدہ نہ ہونا۔ ہر کام اپنے ساتھیوں سے صلاح و مشورہ کر کے کرنا، عدل و انصاف سے کام لینا اور ظلم و ستم سے باز رہنا اس لیے کہ ظالم کو نجات نہیں ملتی نہ وہ دشمن پر غالب آتا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا، اور جب دشمن پر فتح پانا تو کمسن بچوں، کمزور بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارنا، کھجور کے درختوں کو برباد نہ کرنا، کھیتوں کو نہ جلانا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، جانوروں کی کونچوں کو نہ کاٹنا ہاں جن جانوروں کا کھانا حلال ہے ان کے ذبح کرنے میں حرج نہیں ہے۔ کفار سے جو عہد و پیمان کرنا اس کو نہ توڑنا اور صلح ہو جائے تو صلحنامے پر قائم رہنا۔ راستے میں تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے عبادت خانوں میں گوشہ نشین ہوں گے اور اسی کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہوں گے حالانکہ ایسی رہبانیت اللہ کی رضامندی کا ذریعہ

نہیں ہے۔ انہوں نے نفس کے فریب میں آکر یہ طریقہ اختیار کیا ہے مگر تم نہ ان کے عبادت خانوں کو چھیڑنا اور نہ ان راہبوں کو قتل کرنا۔ ایک اور قوم تم کو ملے گی جن کے افراد بیچ میں سے سر منڈاتے ہیں اور ان کے سر پرندوں کے گھونسلوں کی طرح معلوم ہوتے ہوں گے ان کے سروں پر تم اپنی تلواریں ضرور بلند کرنا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں۔[1]

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کا ہاتھ پکڑ کر جوشِ محبت سے فرمایا:

"یزید میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تم پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو، تم میرے اوّلین امیرِ لشکر ہو۔"

حضرت ابو عبیدہؓ کو ان کی روانگی سے ایک دن پہلے بُلایا اور یہ وصیت کی: "ابو عبیدہ! اس شخص کی طرح میری بات سنو جو سن کر عمل کرنا چاہتا ہے۔ تم ایسے لوگوں کو ساتھ لے کر جا رہے ہو جو عرب کے معزز اور شریف خاندانوں سے تعلّق رکھتے ہیں۔ بہترین مسلمان ہیں۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیّت میں بھی شجاع اور بہادر تھے اور غلط جذبے میں آکر لڑا کرتے تھے مگر آج وہ اللہ سے اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے لڑنے جا رہے ہیں تم ان سے اچھا سلوک کرنا۔ ان سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا کسی کو کسی پر فوقیّت نہ دینا۔ اللہ سے مدد چاہنا کیونکہ وہی سب سے بڑا حامی اور ناصر ہے اسی پر

---

[1] حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو شام روانہ کرتے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ نے ایسی ہی ہدایات دی تھیں۔

بھروسا کرنا کیونکہ سب سے بڑا وکیل اور کارساز وہی ہے۔ اللہ کی مشیت کے ساتھ تم کل روانہ ہو جاؤ۔"

جب دوسرے دن وہ چلنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مخاطب کر کے یہ ہدایات دیں:

"ابوعبیدہ! اچھے عمل کرنا، مجاہد بن کر رہنا، شہید کی موت مرنا، اللہ تعالیٰ تمہارا اعمال نامہ تمہارے دائیں ہاتھ میں دے اور دنیا و آخرت میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ واللہ مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں، جو دنیا سے بے نیاز ہو چکے ہیں جو آخرت کے طالب ہیں۔ اللہ نے تم پر بڑا فضل کیا ہے جو تمہیں یہ توفیق دی ہے کہ تم مسلمانوں کی فوج لے کر مشرکوں سے جنگ کرنے جا رہے ہو لہٰذا جو لوگ اللہ کے منکر ہیں، اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں، جھوٹے خداؤں کو پوجتے ہیں ان سب سے جہاد کرنا۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعا

مجاہدین اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے تو دوسرے دن حضرت ابوبکرؓ نے فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد نہایت الحاح کے ساتھ یہ دعا مانگی:

"الٰہی ہمارا وجود نہ تھا تو نے ہمیں پیدا کیا، ہم گمراہ تھے تو نے محض اپنے رحم و کرم سے ہم میں اپنا رسولؐ بھیجا اور ہمیں ہدایت بخشی، ہم کافر تھے تو نے ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی۔ ہماری تعداد کم تھی تو نے اس میں برکت دی، ہم پراگندہ تھے تو نے ہمیں متحد

کر دیا، ہم کمزور تھے تو نے ہمیں قوی کر دیا اور ہم پر جہاد فرض کر کے مشرکوں سے لڑنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ تیری وحدانیت کا اقرار کریں یا ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔

الٰہی! ہم تیری رضا چاہتے ہیں، تیرے دشمنوں سے برسرِپیکار ہیں اور ان تمام لوگوں سے لڑنے کے لیے نکلے ہیں جو تیرے باغی ہیں اور تجھے چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ تیری ذات پاک ہے اور تیری شان ان گمراہوں کی غلط اندیشی سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔

الٰہی اپنے مسلمان بندوں کو مشرکوں پر فتح و غلبہ عطا فرما اپنی بارگاہِ خاص سے ان کی مدد کر ان کے دلوں کو مضبوط کر دے، ان کی ہمتوں کو بلندی عطا کر، دشمنوں کی جڑیں کاٹ دے ان کی نسل کو قطع کر دے۔ ان کی آبادیوں کو ویران کر دے اور ان کی زمینوں، ملکوں اور مالوں کا اپنے فرمانبردار بندوں کو مالک بنا دے۔

الٰہی! ہماری پشت پناہی اور حفاظت کر۔ ہماری تمام حالتیں اور نیتیں درست کر دے۔ اپنی نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرما۔ تمام مومن و مسلم اناث و ذکور اور زندوں اور مُردوں کو اپنی رحمت سے بخش دے۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت میں اپنے قولِ ثابت سے ثبات عطا فرمائے، اللہ مومنوں کے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔"

رومیوں سے پہلا معرکہ

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص اُموی کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ جہادِ شام کے لیے فوجوں کی روانگی کے وقت وہ مدینہ منورّہ میں موجود تھے اور دوسری یہ کہ وہ اس وقت تیماء میں مقیم تھے۔ صورت واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب مؤرّخین کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو پہلے تیماء میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا اس کے بعد شام کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی ہدایت کی کہ پیش قدمی کرتے وقت احتیاط سے کام لینا اور اندرونِ ملک گھستے ہی نہ جانا، ایسا نہ ہو کہ دشمن تم پر عقب سے حملہ کر دے۔

رومیوں کو حضرت خالدؓ بن سعید کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے شام کی سرحد پر آباد بعض قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ بن سعید نے آگے بڑھ کر ان رومیوں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ تتر بتر ہو گئے اور ان کے حامی عرب قبائل نے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اب رومیوں کا ایک نامور سردار باہان ایک مضبوط لشکر کے ساتھ حضرت خالدؓ بن سعید کے مقابل ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اسے شکست دی اور وہ اپنے لشکر کو دمشق کی طرف ہٹا کر لے گیا۔ حضرت خالدؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایت کا خیال نہ رہا، وہ جوشِ شجاعت میں باہان کا تعاقب کرتے ہوئے اندرونِ ملک گھستے چلے گئے اور دمشق اور واقوصہ کے درمیان

کسی مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ دوسری طرف باہان نے اپنے فوجی دستے اسلامی لشکر کے چاروں طرف پھیلا دیئے اور خود راستہ بدل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ راستے میں اس کو حضرت خالدؓ بن سعید کے صاحبزادے سعیدؓ ایک چھوٹے سے فوجی دستے کے ساتھ ملے۔ کثیر التّعداد رومیوں نے گھیرا ڈال کر حضرت سعیدؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر ڈالا۔ حضرت خالدؓ بن سعید کو اچانک بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو ان کو شدید صدمہ ہوا، اور وہ غم و اندوہ کے عالم میں اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹ گئے۔ باہان نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اسلامی لشکر پر تباہ کُن ضرب لگائے لیکن مسلمانوں کے ایک جانباز سردار عکرمہ ذوالکلاعؒ نے باہان کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے ہوئے مدینہ سے کچھ فاصلے پر ذوالمروہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوئے۔ چند دن کے بعد وہاں سے مدینہ آئے تو حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے ان کے پیچھے ہٹ آنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور مناسب تنبیہ کی۔ حضرت خالدؓ بن سعید نے معذرت کی کہ بیٹے کی جدائی کا غم مجھ پر غالب آگیا تھا اس لیے میں صحیح فیصلہ نہ کر سکا۔ حضرت ابُوبکرؓ نے ان کی معذرت قبول کر لی اور انہیں پھر جہاد پر جانے کا حکم دیا۔ وہ دوبارہ شام گئے اور ایک عام مجاہد کی حیثیت سے حضرت ابوعبیدہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔



رومیوں سے معرکہ آرائیوں کا طویل سلسلہ

چاروں اسلامی لشکر جب مختلف راستوں سے شام میں داخل ہوئے تو انہوں نے کیل کانٹے سے لیس رومیوں کے بڑے بڑے لشکروں کو ہر جگہ جنگ کے لیے تیار پایا۔[۱] ان کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ تاہم مسلمان سپہ سالاروں نے اس صورتِ حال کا بڑے عزم اور حوصلے سے سامنا کیا البتہ یہ احتیاط ضرور کی کہ اپنے آپ کو رومیوں کے ساتھ کسی بڑی جنگ میں نہ الجھایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام حالات کی اطلاع بھیج دی۔

---

[۱] قیصرِ روم ہرقل نے چار بڑے لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے تھے۔ ایک لشکر جو نوے ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، ہرقل کے حقیقی بھائی تھیوڈورس (تذارق) کی سرکردگی میں حضرت عمروؓ بن العاص کے مقابلے کے لیے فلسطین کی طرف بھیجا گیا۔ دوسرا لشکر سرجیس (جرجہ بن توذرا) کی قیادت میں حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کے مقابلے میں بھیجا گیا۔ تیسرا لشکر حضرت ابو عبیدہؓ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا اس کا سپہ سالار پیٹر (فیقار بن نسطوس) تھا۔ یہ لشکر ساٹھ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ چوتھا لشکر دراقص کی سرکردگی میں حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کے مقابلے پر بھیجا گیا۔

ہرقل نے خود حمص پہنچ کر ان لشکروں کو مرتب کیا اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس کر کے اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ مسلمانوں کو سرزمینِ شام سے نکال دو۔

ایک روایت کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ نے خط لکھ کر حضرت ابو بکرؓ کو رومیوں کی کثرتِ تعداد سے آگاہ کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ اطلاع دینے والے حضرت عمروؓ بن العاص تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے بارگاہِ خلافت میں خط بھیجے ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس صورتِ حال کا علم ہوتے ہی شام میں موجود اسلامی فوجوں کو حکم بھیجا کہ وہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور دوسری طرف حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ اپنے نصف لشکر کو ساتھ لے کر فوراً عراق سے شام پہنچو اور وہاں پر موجود اسلامی افواج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اس کے علاوہ انہوں نے مدینہ منورہ سے بھی کچھ امدادی دستے شام روانہ کر دیئے۔

حضرت خالدؓ اس وقت حیرہ میں تھے خلیفۃ الرسولؐ کا حکم ملتے ہی وہ نصف لشکر کے ساتھ عازمِ شام ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے شام میں اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے حالات نے یہ صورت اختیار کی کہ رومی فوجوں نے دریائے یرموک[1] اور دریائے اردن کے سنگم سے تقریباً تیس میل اوپر واقوصہ کی وادی میں پڑاؤ ڈالا۔ ان کی جائے قیام تین اطراف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے سامنے جو راستہ تھا اس پر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابو عبیدہؓ کی ماتحت فوجوں نے قبضہ کر لیا۔ فریقین دو ماہ تک ایک دوسرے کے سامنے اس طرح پڑے رہے کہ کبھی کبھی ان کے درمیان معمولی جھڑپیں ہو جاتی تھیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسی زمانے میں حضرت خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام

---

[1] دریائے یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جھیل گیلیلی کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے پھر یہ دونوں دریا بحیرہ مردار (DEAD SEA) میں جا گرتے ہیں۔

جانے کا حکم بھیجا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے شام کے محاذِ جنگ پر پہنچنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا انہوں نے پانچ چھ دن میں طے ہو جانے والے آسان اور معروف راستے کو چھوڑ کر جبلِ دروز (حوران) کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض صحرا "بادیۃ الشام" (صحرائے حمد HAMAD) کا طویل راستہ اختیار کیا۔

مؤرخین نے حضرت خالدؓ کے اس طرزِ عمل کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ان سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنی جنگی حکمتِ عملی کے تحت یہ راستہ اختیار کیا اور اٹھارہ دن کے کٹھن اور پُر صعوبت سفر کے بعد سویٰ (موجودہ نام بئر شیبا) پہنچ گئے۔ اہلِ سویٰ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی فوج ایسے ہیبت ناک صحرا سے گزر کر ان پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ جب انہوں نے اچانک اسلامی لشکر کو اپنے سر پر پایا تو حواس باختہ ہو گئے اور معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ سویٰ سے حضرت خالدؓ ارک، تدمر (پالمورہ) قریتین، حوارین اور قصم کو فتح کرتے ہوئے سیدھے جنوب کی طرف بڑھتے گئے اور دمشق کو ایک طرف چھوڑ کر "مرجِ راہط" پہنچ گئے۔ یہاں رومیوں کے ایک لشکر نے حضرت خالدؓ کا زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ مرجِ راہط سے حضرت خالدؓ وادئ یرموک کے درے "درعا" میں داخل ہوئے اور جبلِ حوران کے دامن میں چلتے چلتے شام میں پہلے سے موجود اسلامی لشکر سے جا ملے۔ "درعا" کے قریب ایک زبردست رومی لشکر موجود تھا لیکن اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ دشمن کا کوئی لشکر صحرائے حمد سے گزر کر اس کے عقب میں پہنچ سکتا ہے۔ رومیوں

کو حضرت خالدؓ کی آمد کا علم ہوا تو وہ مبہوت ہو گئے اور ان کے مقابل ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کسی مزاحمت کے بغیر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو شام پر یلغار کرنے والی چاروں فوجوں کا سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ حضرت خالدؓ شام پہنچے تو حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام افواج کی قیادت ان کے سپرد کر دی۔ ابن اثیرؒ اور بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے بُصریٰ کے شہر پر حملہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت شرحبیل بن حسنہؓ نے پہلے ہی اس شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن وہ فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت خالدؓ کا حملہ اتنا پُر زور تھا کہ بُصریٰ کا بطریق (جو وہاں کا حاکم بھی تھا) تاب مقاومت نہ لا سکا اور جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

جنگِ اجنادین

بُصریٰ کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ کا ارادہ تھا کہ دمشق پر حملہ کریں۔ (بعض روایات کے مطابق انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔) لیکن اچانک انہیں خبر ملی کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھیوڈورس (تذارق) کی سرکردگی میں اجنادین (فلسطین) کے مقام پر خیمہ زن ہوا ہے، اور مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو بُصریٰ چھوڑا اور خود (دمشق کا محاصرہ اٹھا کر) جنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت

عربات میں تھے وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ اس اثناء میں ایک نامور رومی سپہ سالار وردان ایک جرّار لشکر کے ساتھ تذارق کی مدد کے لیے اجنادین پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ رومیوں کے کئی چھوٹے چھوٹے لشکروں کی آمد نے بھی دشمن کی قوّت میں زبردست اضافہ کر دیا۔ اب حضرت خالدؓ نے حضرت شُرَحبیلؓ بن حَسَنہؓ اور حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو بھی اپنے پاس بُلا لیا (حضرت شُرَحبیلؓ اس وقت بُصریٰ میں تھے اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ بلقاء میں) اس طرح تمام اسلامی افواج یکجا ہو گئیں۔

جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کی کسی تاریخ (باختلافِ روایت ۲ یا ۲۸) کو رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی (ایک روایت کے مطابق اس کا فیصلہ اسی دن ہو گیا اور دوسری روایت کے مطابق یہ دو دن تک جاری رہی)۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن مجاہدینِ اسلام کے پُرزور حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ اپنے ہزاروں آدمی مروا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے اکثر نے دمشق اور حمص میں پناہ لی اور بعض ایلیا اور قیساریہ چلے گئے۔

رومی سپہ سالار تذارق کے بارے میں بعض مؤرّخین نے لکھا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں کام آیا اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ بھاگ کر حمص چلا گیا اس کا بڑا بھائی ہرقل (قیصرِ روم) وہیں مقیم تھا اس نے تذارق کی سخت بے عزّتی کی اور اس کو اپنے عہدے سے معزول کر دیا۔ تذارق کچھ عرصہ بعد دل شکستگی کے عالَم میں مر گیا۔

حضرت خالدؓ نے حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کو خط لکھ کر مسلمانوں کی فتح کی اطلاع دی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: "حمد اس اللہ کی جس نے مسلمانوں کی مدد کی اور اس مُژدۂ فتح سے میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔"

عراقِ عرب میں دوبارہ بغاوت

حضرت خالدؓ بن ولید کے عراقِ عرب سے آنے کے بعد ایرانیوں نے اپنے باہمی جھگڑے ختم کر دیئے اور بالاتفاق شہر براز بن اردشیر کو اپنا شہنشاہ بنایا۔ شہر براز نے دس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکر کو ہر قسم کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا جو اس وقت حضرت مثنیٰؓ کی قیادت میں حیرہ میں مقیم تھے۔ شہر براز نے یہ لشکر روانہ کرتے وقت حضرت مثنیٰؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

"میں نے تمہارے مقابلے کے لیے ایک لشکر بھیجا ہے اس میں بیشتر لوگ مرغیاں پالنے والے اور سور چرانے والے ہیں لیکن تم دیکھو گے کہ یہ کس طرح تمہارا کچومر نکالتے ہیں۔"

حضرت مثنیٰؓ نے یہ خط ملتے ہی حیرہ سے روانہ ہو کر بابل کے کھنڈروں میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے شہر براز کو اس مضمون کا خط لکھا:

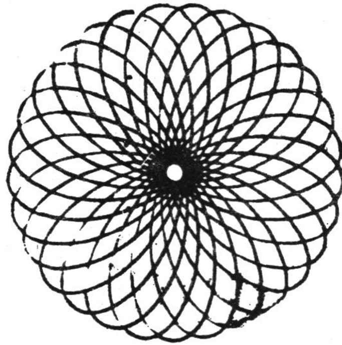
"یا تو تم سرکش ہو یا دروغ گو۔ دونوں صورتیں تمہارے لیے بُری ہیں کہ اللہ کے نزدیک سرکشی اور دروغ گوئی دونوں قابلِ مواخذہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرغیاں پالنے اور خنزیر چرانے والوں کے سوا دوسرے لوگ ہمارے مقابلے سے جان چُراتے ہیں اور تم ایسے ہی لوگوں سے مدد لینے پر مجبور ہو۔ اللہ کا شُکر ہے کہ اس نے تمہارا مکر دفن تمہیں پر لوٹا دیا ہے۔"

ایرانی لشکر مدائن سے پچاس میل دور بابل کے ویرانوں کے قریب پہنچا تو حضرت مثنیٰؓ نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ ان کے دونوں جانباز بھائی مسعودؓ اور معنیٰؓ بھی ساتھ تھے۔ ایک نے میمنہ سنبھال رکھا تھا اور دوسرے نے میسرہ۔ ایرانی لشکر میں ایک کوہ پیکر جنگی ہاتھی بھی تھا۔ وہ چنگھاڑتے اور سونڈ ہلاتے ہوئے اسلامی لشکر کی طرف بڑھا تو مسلمانوں کے گھوڑے بِدکے۔ مثنیٰؓ اپنے گھوڑے سے کود پڑے۔ کچھ اور جانبازوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور وہ سب تلواریں سونت کر ہاتھی پر پل پڑے۔ ہاتھی کی سونڈ کٹ گئی اور وہ بہت جلد زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اب مسلمانوں نے ایرانیوں پر اس جوش اور عزم کے ساتھ حملہ کیا کہ جلد ہی ان کی قوّتِ مقاومت جواب دے گئی اور وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے کئی ہزار آدمی میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ شہر براز پر اس شکست کی خبر بجلی بن کر گری اور وہ شدید بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

شہر براز کی موت کے بعد ایران میں پھر انقلاب برپا ہو گیا پہلے "دخت زنان" تخت نشین ہوئی لیکن اسے جلد ہی تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے شاپور (سابور) اور آذر میدخت نے تاج کسروی اپنے سر پر رکھا لیکن ان کے بخت نے بھی یاوری نہ کی۔ بالآخر پوران دخت ایران کے تخت و تاج کی مالک بنی۔ وہ ایک ہوشیار عورت تھی۔ اس نے ایران کے ایک نامی بہادر رستم بن فرخ زاد کو اپنا وزیر اور سپہ سالار مقرر کیا اور تمام ملکی معاملات اس کے سپرد کر دیئے۔ رستم نے برسرِ اقتدار آتے ہی مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کی۔ مثنیٰؓ اس وقت حیرہ میں تھے انہیں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خط لکھا کہ میرے

پاس بہت تھوڑی فوج ہے اور ایرانی لشکر کے دَل بادَل کا مقابلہ کرنے کے لیے کہیں زیادہ فوج کی ضرورت ہے اس لیے جلد کُمک روانہ کریں جب تین چار ہفتے تک اس خط کا جواب موصول نہ ہوا تو حضرت مثنّٰیؓ، حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ کو اپنا نائب بنا کر عازمِ مدینہ ہو گئے۔ جس وقت وہ مدینہ منوّرہ پہنچے، حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے۔

خَلیفۃُ الرّسُولؐ کی حضرت مثنّٰیؓ سے ملاقات اور کُمک کے بارے میں حضرت عُمرِ فاروقؓ کو ان کی وصیّت کی تفصیل اُن کے سفرِ آخرت کے حالات میں بیان کی گئی ہے۔



شام کا محاذِ جنگ

جنگ اجنادین کے بعد حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ کی وفات تک شام کے محاذِ جنگ کی کیا کیفیت تھی ؟ اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے چار مشہور روایتیں یہ ہیں :

۱۔ جنگِ اجنادین سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ نے وفات پائی ۔

۲۔ قیصرِ روم نے ایک بہت بڑا لشکر واقوصہ (میدانِ یرمُوک) میں جمع کر دیا ۔ مسلمانوں کی تمام فوجوں نے مُتحد ہو کر اس لشکر کا مقابلہ کیا ۔ ابھی یہ خونریز جنگ جاری تھی کہ مدینہ منورہ سے قاصد نے آکر حضرت ابُوبکر رضؓ کی رحلت کی خبر دی ۔

یہ وہی جنگِ یرمُوک تھی جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا ۔

۳۔ اجنادین میں رومیوں کو شکست دینے کے بعد حضرت خالد رضؓ نے اس رومی لشکر کی جانب توجہ کی جو درعا کے قریب جبلِ درروز (حوران) کے سلسلے اور دریائے یرموک کی گہری پہاڑی وادی (واقوصہ) کے درمیان قدم جمائے کھڑا تھا ۔ اس کو نظر انداز کر کے شام کے اہم ترین شہر دمشق کی جانب بڑھنا بہت مشکل اور خطرناک تھا ۔ چنانچہ حضرت خالد رضؓ نے حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو بئر شیبا میں چھوڑا اور باقی فوجوں کو لے کر بڑی سُرعت کے ساتھ درعا پہنچ گئے ۔ یہاں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان

خونریز جنگ ہوئی جو رومیوں کی شکست پر منتج ہوئی اور وہ درعا سے پسپا ہو کر شام کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں کے لیے دمشق کا راستہ صاف ہو گیا جو وہاں سے صرف ۶۵ میل دور تھا۔ یہ یرموک کی پہلی جنگ تھی جو ابھی جاری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں رومیوں کے خلاف لڑی جانے والی سب سے بڑی لڑائی یرموک کی تھی۔ جنگِ اجنادین اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں پیش آئی۔

ہمارے نزدیک تیسری روایت صحیح ہے کیونکہ جمہور مؤرخین کے بیانات اس کی بڑی حد تک تائید کرتے ہیں۔ مختلف روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اجنادین کے مقام پر دو مرتبہ جنگ ہوئی — پہلی بار عہدِ صدیقی میں اور دوسری بار عہدِ فاروقی میں۔ اسی طرح میدانِ یرموک (وادیٔ واقوصہ) میں دو مرتبہ لڑائی ہوئی — پہلی مرتبہ عہدِ صدیقی میں (جس طرح اوپر بیان ہوا ہے) اور دوسری مرتبہ عہدِ فاروقی (۱۵ ہجری) میں۔ اجنادین کی لڑائی عہدِ صدیقی کی تھی اور یرموک کی بڑی لڑائی عہدِ فاروقی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ شام میں پیش آنے والی تمام لڑائیوں کی ترتیب کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ طبریؒ اور ابنِ اثیرؒ نے واقعات کی ترتیب کسی اور طرح لکھی ہے اور واقدی، ازدی، بلاذری اور یعقوبی نے کسی اور طرح۔ ہم نے مؤخر الذکر حضرات کی بیان کی ہوئی ترتیب کو ترجیح دی ہے کیونکہ عصرِ حاضر کے اکثر اہلِ علم نے اسی ترتیب کو قبول کیا ہے (مثلاً مصنفین سیر الصحابہ دار المصنفین اعظم گڑھ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (دائرہ معارف اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی کے مقالہ نگار، مولانا غلام رسول مہر مرحوم وغیرہ) البتہ ایک بات جس پر سب کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ روم اور ایران اس دور کی سب سے بڑی عالمی طاقتیں تھیں ان دونوں سلطنتوں سے لڑائی چھیڑنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہی کا دل گردہ تھا (اسے ان کا بے مثال عزم واستقلال کہہ لیجئے یا قوتِ ایمانی اور ہمت) کہ انہوں نے نوزائیدہ مملکتِ اسلامیہ کے داخلی خلفشار پر قابو پانے کے فوراً بعد اپنے محدود وسائل کے باوجود ان دونوں عظیم طاقتوں سے بیک وقت لڑائی چھیڑ دی اور اپنے عساکر کی اس خوبی اور مہارت سے رہنمائی۔ اور نگرانی کی کہ اس کی تفصیل پڑھ کر لامحالہ ان کے تدبر اور فراست کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سوا دو سال کے قلیل عرصے میں انہوں نے جو محیّر العقول کارنامے انجام دیئے دنیا کی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔



علالت اور وفات

۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ ہجری کو حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے غسل کیا۔ اُس دن موسم نہایت سرد و خنک تھا۔ اسی کے اثر سے غسل کے بعد بخار ہو گیا جو مسلسل پندرہ دن تک شدت سے قائم رہا۔ بخار کی وجہ سے سخت کمزور ہو گئے یہاں تک کہ مسجد تک آنے کی طاقت بھی نہ رہی چنانچہ حضرت عُمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ وہ امامت کی خدمت انجام دیا کریں۔

علالت کے سلسلے میں طبریؒ نے دو اور روایتیں بھی نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک سال پہلے کسی یہودی نے اُن کو زہریلے چاول کھلا دیئے تھے۔ اس زہر کا اثر اب ظاہر ہوا تھا (ابنِ سعدؒ اور امام حاکمؒ کے بیان کے مطابق کسی نے قیمہ پڑے دلیے میں زہر ملا کر بھیجا تھا اسے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کے ساتھ بیٹھ کر نوش فرما رہے تھے کہ حارث نے کہا، اے خلیفۂ رسول اللہؐ ہاتھ کھینچ لیجئے بخدا مجھے اس میں زہر معلوم ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ ایک سال میں اثر کرتا ہے۔ حضرت ابُوبکرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا لیکن دونوں پر زہر اثر کر گیا تھا اور دونوں نے ایک سال بعد ایک ہی دن وفات پائی۔) (تاریخ الخلفاء۔ سیوطیؒ)

دوسری یہ کہ بقول حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ اندر ہی اندر گھلتے رہے، یہاں تک کہ سوا دو سال بعد شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق بخار کا ظاہری

سبب یہی تھا کہ انہوں نے سرد موسم میں غسل کر لیا۔ جسم کمزور تھا اس نے سرد ہوا کا اثر قبول کر لیا اور وہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔

شدتِ علالت میں بعض اصحاب نے اصرار کیا کہ طبیب بلا لیا جائے۔ فرمایا کہ طبیب دیکھ چکا، پوچھا، اس نے کیا کہا۔ فرمایا:

"اس کا قول ہے اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔"

ایک اور روایت میں اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ کی جگہ "اَفْعَلُ مَا اَشَآءُ (میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں) کے الفاظ آئے ہیں۔

اس روایت سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید حضرت ابُوبکر صدیقؓ بیماری کا علاج کرانے کے خلاف تھے حالانکہ یہ بات "توکّل علی اللہ" کے خلاف نہیں۔ دراصل اس روایت کا تعلق ان ایّام سے ہے جب صدیقِ اکبرؓ کی علالت انتہائی شدید صورت اختیار کر گئی تھی اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ جانبر نہیں ہو سکیں گے۔ ایسی حالت میں اکثر مریض دوا کھانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات کے آخری دنوں میں دوا کھانے سے کراہت کا اظہار فرمایا تھا۔

علالت کا سارا زمانہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے اس گھر میں گزارا جو مسجدِ نبوی کے قریب تھا اور حضورؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ایّامِ علالت میں اکثر صحابہ کرامؓ عیادت کے لیے آتے رہتے تھے البتہ حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کو پڑوسی ہونے کی وجہ سے ان کی خبر گیری کا زیادہ موقع ملا۔

جب علالت بہت زیادہ بڑھ گئی تو صدیقِ اکبرؓ کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ ان کے سینے میں خیر خواہیٔ اُمّت کا جو جذبہ موجزن تھا اس نے انہیں مجبور کیا کہ اپنا جانشین نامزد کر دیں تاکہ ان کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے مثل فراستِ ایمانی سے نوازا تھا اس لیے انہوں نے اپنی جانشینی کے لیے ایک ایسی شخصیت کو منتخب کیا جو ہر لحاظ سے منصب خلافت کی اہل تھی۔ یہ شخصیت حضرت عمر فاروق رض کی تھی۔

حضرت عُمر فاروق رض، خلیفۂ رسول اللہ ص کے نہ ہم خاندان تھے اور نہ رشتہ دار (حضرت ابُوبکر صدیق رض کا تعلق قریش کی شاخ بنو تیم سے تھا اور حضرت عمر فاروق رض کا بنو عدی سے) اس لیے خلافت کے لیے ان کی نامزدگی میں خویش پروری کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس کی تہہ میں صرف خیر خواہیِ اُمّت کا جذبہ کارفرما تھا (بعد میں تاریخ نے حضرت ابُوبکر صدیق رض کے فیصلے کی صحت اور ان کی اصابتِ رائے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی)۔ حضرت عمر رض کی طرف اپنے ذاتی رجحان کے باوجود انہوں نے مناسب سمجھا کہ ان کی نامزدگی کا اعلان کرنے سے پہلے اکابر صحابہ رض سے مشورہ کرلیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف عیادت کے لیے آئے تو ان سے پوچھا، اگر میں عمر رض بن خطّاب کو اپنا جانشین نامزد کردوں تو خلافت کے لیے ان کی اہلیّت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا، وہ بہترین آدمی ہیں لیکن سخت مزاج ہیں۔

صدّیق اکبر رض نے فرمایا، عُمر رض کی سختی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے۔ ان کا اصل حال یہ ہے کہ جب مجھے غصہ میں دیکھتے تو میرا غصہ فرد کرنے کی کوشش کرتے اور جب مجھ کو زیادہ نرمی کرتے دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رض سے مشورہ کیا تو انہوں نے برملا کہا کہ عُمر رض کا ظاہر ان کے باطن سے اچھا ہے اور ان جیسا ہم میں کوئی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ حضرت سعید رض بن زید، حضرت اُسید رض بن حُضیر اشہلی اور دوسرے متعدد صحابہ رض نے حضرت عمر رض کے حق میں رائے دی۔ البتہ حضرت طلحہ رض بن عبیداللہ

کو اس فیصلے سے سخت اختلاف تھا۔ انہوں نے آکر کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ! عمرؓ کے مزاج میں سختی ہے اور یہ سختی آپ کے مشاہدے میں بھی کئی بار آچکی ہے وہ خلیفہ بن گئے تو اللہ ہی جانے مخلوق خدا کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے۔ آپ نے ایسے سخت مزاج آدمی کو خلیفہ نامزد کر دیا تو کل خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے۔"

ان کی بات سن کر صدیق اکبرؓ کو جلال آگیا۔ بولے "ذرا مجھ کو سہارا دے کر بٹھا دو" لوگوں نے بٹھا دیا تو فرمایا:

"کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو؟ میں جس وقت اپنے ربّ کے سامنے جاؤں گا (اور وہ مجھ سے سوال کرے گا) تو کہوں گا کہ الٰہی میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر (خلیفہ) بنایا ہے جو ان سب سے بہتر ہے۔"

جب حضرت عمرؓ کی نامزدگی کے بارے میں رائے پختہ ہو گئی تو خلیفہ رسول اللہؐ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو بلا بھیجا جب وہ آگئے تو فرمایا، عہد نامہ خلافت لکھو۔ وہ قلم دوات لے کر بیٹھ گئے تو ان کو عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابھی وہ ابتدائی الفاظ ہی لکھنے پائے تھے کہ صدیق اکبرؓ کو غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ کو ان کا عندیہ بخوبی معلوم تھا انہوں نے ان کی طرف سے خود ہی یہ الفاظ ڈال دیئے۔ اِنِّیْ اسْتَخْلَفْتُ عَلَیْکُمْ بَعْدِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ......

(میں نے اپنے بعد عمر بن الخطّاب کو خلیفہ بنایا ہے)

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے پڑھا تو بے ساختہ پکار اٹھے "اللہ اکبر ــــ اللہ تمہیں جزائے خیر دے تم

نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ اس کے بعد عہد نامے کی باقی عبارت لکھائی
پورے عہد نامے کا ترجمہ یہ ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

یہ عہد نامہ ابُوبکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جب کہ وہ دُنیا
سے کوچ کر رہا ہے اور آخرت کے داخلہ کی یہ پہلی منزل ہے جہاں
کافر مومن ہو جاتا ہے، بدعقیدہ صحیح العقیدہ بن جاتا ہے اور جھوٹا
صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے بعد عمر بن الخطّاب کو خلیفہ
بنایا ہے لہٰذا ان کا حکم سنو اور مانو۔ خوب سمجھ لو کہ میں نے اس معاملے
میں اللہ، اس کے رسولؐ، اس کے دین، اپنی اور تمہاری خیر خواہی
کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش ہے اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی
نسبت میرا یہی ظن اور علم ہے اور اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے
عمل کا بدلہ پائے گا۔ میری نیّت نیک ہے لیکن مجھے غیب کا علم
نہیں جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا
کھائیں گے ——— والسّلامُ عَلیکُم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جب عہد نامہ ضبطِ تحریر میں آچکا تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اسے
مجمع عام میں پڑھ کر سنا دیں۔ ان کی دعوت پر سب لوگ جمع ہو گئے تو انہوں
نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا۔ اتنے میں خود حضرت ابُوبکر صدیقؓ اپنی اہلیہ محترمہ
حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کا سہارا لے کر بالا خانے پر تشریف لائے اور مجمع سے
مخاطب ہو کر فرمایا :

"کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں خلیفہ مقرر کروں۔ خدا
کی قسم میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور

میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا بلکہ عمر بن الخطّاب کو اپنا جانشین مقرّر کرتا ہوں تم میرا کہنا سنو اور مانو۔"

سب لوگوں نے بیک زبان کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور مانا)[1] اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نیچے اتر آئے ۔ حضرت اسماءؓ بنت عُمَیس (اہلیہ) ان کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں۔ نیچے آکر بستر پر لیٹ گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کو بُلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو دیر تک ان کو نصیحتیں کرتے رہے۔ ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے:

"اے عمرؓ! میں نے تم کو اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر خلیفہ مقرر کیا ہے ان سے مشورہ کرتے رہنا، یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کا جو حق رات میں ہے وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرے گا اور جو دن میں ہے وہ رات میں قبول نہیں کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی نفلی عبادت کو بھی قبول نہیں کرتا جب تک تم فرض ادا نہ کرو۔

اے عُمر کیا تم نہیں دیکھتے کہ دراصل ترازو ان ہی لوگوں کی بھاری ہے جن کی ترازو یوم قیامت کو بھاری ہو اور حق بھی یہ ہے کہ یوم قیامت کو جس ترازو میں حق کے سوا کچھ نہ ہو اس کو ہی بھاری ہونا چاہیئے، اور اے عمر کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کی ترازو ہلکی ہوگی اور جس ترازو میں باطل کے سوا کچھ نہ ہو اس کو ہلکا ہونا ہی چاہیے۔

اے عُمر کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا میں شدّت اور سہولت کی آیتیں ساتھ ساتھ اتری ہیں تاکہ مؤمن میں خوف بھی ہو اور رجا بھی۔

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے عہد نامہ لکھوانے سے پہلے مجمع عام سے خطاب کیا۔

مگر مؤمن کو اللہ سے ایسی ہی چیز کی تمنا اور اس کی رغبت کرنی چاہیئے جو اس کا حق ہو اور اس کو اس طرح خوف نہیں کرنا چاہیے کہ پھر وہ خود ہی اپنے ہاتھوں اس میں واقع ہو جائے (یعنی آدمی خوف کرے تو اس کو چاہیے کہ اس سے بچے بھی۔)

اے عُمرؓ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اہلِ دوزخ کا ذکر ان کے بدترین اعمال کے ساتھ کیا ہے؟ جب تم ان کو یاد کرو گے تو کہو گے میں امید کرتا ہوں کہ میں ان میں سے نہیں ہوں گا اور اللہ نے اہلِ جنّت کا بھی ذکر ان کے بہترین اعمال کے ساتھ کیا ہے کیونکہ ان کے جو بُرے عمل تھے اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔ جب تم ان لوگوں کو یاد کرو گے تو کہو گے، میرا عمل ان جیسا کہاں ہے؟ اگر تم نے میری وصیّت یاد رکھی تو کوئی ایسا غائب جو تم کو حاضر کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہو، موت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ تم موت کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔"

(صدیقِ اکبرؓ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم بحوالہ ابنِ اثیرؒ ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳)[1]

اس کے بعد حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"اے اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس خوف سے کہ ان میں فتنہ پیدا نہ ہو۔ میں نے

---

[1] حضرت اُبوبکرؓ کی یہ نصیحتیں (معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ) طبقاتِ ابنِ سعدؒ قسم اوّل جلد ۳ کے صفحہ ۱۴۲ پر بھی "وصیتِ اُبوبکرؓ" کے عنوان کے تحت موجود ہیں۔

جو عمل کیا ہے اس کو تو سب سے بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر
کے بعد رائے قائم کی ہے۔ بہترین اور قوی ترین شخص کو اپنا جانشین
بنایا ہے جو مسلمانوں کی راست روی کا سب سے زیادہ خواہشمند
ہے۔ میرا ابلاوا تو آچکا اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں اور ان
کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے۔

الٰہی! ان کے حاکموں کو صلاحیّت دے اور میرے جانشین
کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اس کی رعیّت کو صلاحیّت
بخش۔''

دوران علالت میں ایک دن دریافت کیا کہ خلیفہ ہونے سے اب تک مجھ کو بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔

حساب کیا گیا تو باختلاف روایت چھ ہزار یا آٹھ ہزار درہم ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ میری فلاں زمین بیچ کر بیت المال کا روپیہ واپس دے دیا جائے چنانچہ اُن کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ پھر پوچھا کہ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے، ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے اور ایک معمولی سی پرانی چادر ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں تھیں۔ ان کے بارے میں وصیت کی کہ میری وفات کے بعد یہ سب چیزیں میرے جانشین کے پاس پہنچا دی جائیں۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد یہ چیزیں حضرت عُمر فاروقؓ کو پہنچائی گئیں تو وہ بے اختیار رونے لگے اور فرمایا، اے ابوبکر آپ اپنے جانشینوں کے لیے کام بہت دشوار کر گئے۔

وظیفۂ خلافت اور متروکات کا فیصلہ کرنے کے بعد اپنے گھر کے منتظم حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمۃ الدوسی سے پوچھا، اے معیقیب میرے ذمّے تمہاری کوئی رقم باقی ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا، میرے پچیس درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں وہ میں نے آپ کو معاف کیے۔

فرمایا "چپ رہو اور میرے توشۂ آخرت کو قرض سے نہ تیار کرو۔" یہ سن کر معیقیبؓ رونے لگے۔ ان کو تسلی دی صبر کی تلقین کی اور فرمایا، میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جو میرے لیے زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہدایت فرمائی کہ معیقیبؓ کو فوراً پچیس درہم ادا کر دیئے جائیں۔ (ازالۃ الخفا)

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے عراقِ عرب سے شام جانے کے بعد ایرانی متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے پہلے تو خط لکھ کر اس نازک صورتِ حال کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں بھیجی جب چند دن تک جواب موصول نہ ہوا تو حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس دن حضرت ابوبکر صدیقؓ سخت بیمار تھے اور زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے۔ انہوں نے اسی حالت میں حضرت مثنیٰؓ کو اپنے پاس بلایا اور عراقِ عرب کے مفصّل حالات سُنے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو انہیں وصیّت کی:

"اے عمرؓ! میرا پیمانۂ زندگی لبریز ہو چکا ہے امید نہیں کہ آج میں شام تک زندہ رہوں۔ میں جو کہتا ہوں اس کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام ہونے سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہونے سے پہلے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰؓ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کوئی مصیبت تمہیں اللہ تعالیٰ کے حکم

اور دین کے کام سے غافل نہ کرنے پائے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد میں نے کون سا لائحۂ عمل اختیار کیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ خدا کی قسم اگر میں اس وقت کمزوری دکھاتا تو دینِ حنیف کا خاتمہ ہو جاتا اور اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالدؓ کے لشکر کو واپس عراقِ عرب بھیج دینا کیونکہ وہ کار آزمودہ اور اس علاقے کے حالات سے واقف ہے اس لیے وہاں کی مہمات کے لیے وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ موزوں ہے۔"

اس وصیت کے بعد صدیق اکبرؓ کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی چلی گئی۔ اس وقت (یا دورانِ علالت میں کسی دن) انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا:

"بیٹی امیری اور غریبی ہر حالت میں تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز رہی ہو۔ میں نے تم کو جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو بھی شریک کر سکتی ہو؟"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، "بسر و چشم" [1]

---

[1] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خیبر اور بحرین میں ایک ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے بحرین کی جاگیر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دی تھی۔ اس روایت میں اسی جاگیر کا ذکر ہے۔ صدیق اکبرؓ نے وفات سے پہلے یہ جاگیر حضرت عائشہؓ سے اس لیے واپس لے لی کہ دوسری اولاد کی حق تلفی نہ ہو۔

انتقال کے دن پوچھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وفات پائی تھی۔ لوگوں نے کہا دوشنبہ کے دن۔ فرمایا مجھے اُمید ہے کہ میری موت بھی آج ہی ہو گی۔ پھر وصیت کی کہ میری قبر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں بنانا۔ اہلیہ محترمہ حضرت اسمائ بنت عمیس سے فرمایا کہ تم مجھ کو غسل دینا۔ انہوں نے کہا، مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ فرمایا میرا بیٹا عبدالرحمن رض تمہاری مدد کرے گا۔

وفات کے قریب حضرت عائشہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا، تین کپڑوں کا۔ فرمایا کہ میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں، دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں اور ایک چادر نئی لے لی جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض نے یہ سُن کر کہا۔ "آبا جان ہم اتنے تنگ دست نہیں ہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔"

فرمایا "جانِ پدر! نئے کپڑے مُردوں سے زیادہ زندوں کے لیے موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ اور لہو کے لیے ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے جسم مبارک پر جو کپڑا تھا اس پر زعفران کے دھبے تھے۔ ان پر نظر پڑی تو فرمایا، اس کپڑے کو دھو کر دو کپڑے اور بڑھانا اور ان میں مجھ کو کفن دینا۔ حضرت عائشہ رض نے کہا، یہ کپڑا تو بہت پرانا ہے۔ فرمایا:

"زندہ مُردہ سے زیادہ نئے کپڑے کا مستحق ہے یہ تو مہلت کے لیے ہے۔"

(سیر الصحابہ جلد اوّل۔ سعید انصاری)

پیارے باپ کو کرب کی حالت میں دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رض کی زبان سے بے اختیار یہ شعر جاری ہو گئے۔

وَ كُلُّ ذِیْ اِبِلٍ مُوْرُوْثٌ | وَكُلُّ ذِیْ سَلْبٍ مَسْلُوْبُ
وَكُلُّ ذِیْ غَیْبَةٍ یَؤُوْبُ | وَغَائِبُ الْمَوْتِ لَا یَؤُوْبُ

(اور ہر اونٹ والے کو ایک دن اپنا مال وارث کے سپرد کرنا ہے اور ہر لوٹنے والے کو خود لٹنا ہے اور ہر غائب ہونے والا واپس آجاتا ہے لیکن موت کا غائب واپس نہیں آتا)

صدیق اکبرؓ نے یہ شعر سنے تو مشکل سے آواز نکالتے ہوئے فرمایا، "نہیں بیٹی بلکہ حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ (اور موت کی جانکنی حق کے ساتھ آگئی۔ یہ وہی ہے جس سے تو گریز کرتا تھا)

سکراتِ موت شروع ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو سرہانے بیٹھی تھیں، نہایت حسرت سے یہ شعر پڑھا

وَاَبْیَضُ تُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

یعنی

"وہ نورانی صورت جس کے چہرے کا واسطہ دے کر بادلوں سے بارش مانگی جائے"
"جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی محافظ ہے۔"

یہ سن کر فوراً آنکھیں کھول دیں اور فرمایا:

"یہ شان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔"

آخر وہ وقت آگیا جو ہر ذی روح کو لازماً پیش آنا ہے۔ ۲۲ جمادی الآخر

۱۳ھ ہجری دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء و مغرب کے درمیان یہ آفتاب رُشد و ہدایت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہو گیا۔ آخری وقت زبانِ مبارک پر یہ دعا تھی :

رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ

(اے رَبّ تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحین کے ساتھ حشر کر)

وصیّت کے مطابق حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت عمرؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے قبر میں اتارا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے قریب اس طرح تیار کی گئی تھی کہ جب صدیقِ اکبرؓ کو اس میں لٹایا گیا تو ان کا سر حضورؐ کے شانۂ مبارک کے برابر رہا۔

وفات کے وقت عمر ۶۳ برس کی تھی اور مدّتِ خلافت دو سال تین مہینے گیارہ دن۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کو وفات کے بعد بھی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قُرب حاصل رہنے کا اشارہ عہدِ رسالت ہی میں مل چکا تھا۔ یہ روایت حسبِ ذیل ہے :

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ باغ کے چاروں طرف دیوار تھی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دروازے پر متعین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں پر ساق مبارک کھولے اور پاؤں مبارک لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور اندر جانا چاہا حضرت ابوموسیٰؓ

نے کہا، ذرا ٹھہریں میں آپ کے لیے اجازت حاصل کرلوں (حضورؐ نے ان کو یہی حکم دیا ہوگا کہ مجھ سے پوچھے بغیر کسی کو باغ کے اندر نہ آنے دینا)۔ حضرت ابو بکرؓ دروازے کے باہر) کھڑے ہوگئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا، اُن کو اندر آنے کی اجازت دو اور جنّت کی بشارت سناؤ۔ حضرت ابُو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کی دائیں جانب ساق کھول کر اور پاؤں لٹکا کر کنوئیں پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عُمرؓ آئے اور یہی واقعہ پیش آیا۔ وہ اندر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب ساق کھول کر بیٹھ گئے۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح اجازت لے کر آئے لیکن اب کنوئیں پر جگہ نہ تھی اس لیے وہ کنوئیں کی دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے۔''

رئیس التّابعین حضرت سعید بن مُسیّبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ کنوئیں سے مراد قبر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُبو بکر صدّیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں اور حضرت عثمانؓ کی قبر علیحدہ ہے۔ (بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر)

حضرت اُبو بکر صدّیقؓ کی وفات سے تمام صحابۂ کرامؓ کو سخت صدمہ پہنچا اور متعدد اکابر صحابہؓ نے ان کو بڑے پُر درد الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے سُنا تو اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ——— ''آج خلافتِ نُبُوّت کا خاتمہ ہوگیا۔''

اس کے بعد اُس مکان کے دروازے پر کھڑے ہوگئے جہاں صدّیقِ اکبرؓ کی

میت رکھی ہوئی تھی اور نہایت پُر درد طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ جہاں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اپنی مثال نہیں رکھتا وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ظاہری و باطنی اوصاف اور ان کے فضائل و مناقب کا بھی عکاس ہے۔ اس کا مکمل متن مع ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"یرحمک اللہ یا ابابکر۔ کنت اوّل القوم اسلامًا واخلصھم ایمانًا واکثرھم واعظمھم غنیً واحدّھم علی الاسلام واحوطھم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وآمنھم علی اصحابہ واحسنھم صحبۃ واعظمھم مناقب واکثرھم سوابق وارفعھم درجۃ واقربھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشبھھم بہ ھدیا وسمتا وخلقا ودلا واشرفھم منزلۃ واکرمھم علیہ واوثقھم عندہٗ فجزاک اللہ عن الاسلام وعن رسولہٖ وعن المسلمین خیرا صدّقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حین کذب بہ الناس فسماک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدّیقا قال اللہ تعالیٰ جاء بالصدق یعنی محمد — تکلفونیہ وصدّق بہٖ یعنی ابابکر واسیتہ حین بخلوا وکنت معہ حین قعدوا وصحبتہ فی الشدّۃ، اکرم صحبۃ ثانی اثنین فی الغار والمنزل رفیقہ فی الھجرۃ ومواطن المکرہ خلفتہ فی امتہ باحسن الخلافۃ حین ارتدّ الناس وقمت بدین اللہ قیاما لم یقمہ خلیفہ نبی قبلک قویت حین ضعف اصحابہ وبرزت حین استکانوا ونھضت حین وھنوا ولزمت منہاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وکنت

خليفته حقاً لم تنازع برغم المنافقين وطعن الحاسدين و كره الفاسقين وغيظ الكافرين فقمت بالامر حين فشلوا ومضيت بنور الله حين وقفوا واتبعوك فهدوا وكنت اخفضهم صوتا وأعلاهم فوقا وأقلهم كلاما وأصونهم منطقا ، واشدهم يقينا واشجعهم قلبا و احسنهم عقلا واعرفهم بالامور كنت والله للدين يعسوبا اولا حين تطرق الناس عنه وآخرا حين قلوا كنت للمؤمنين أبا رحيما اذ صاروا عليك عيالا فحملت أثقالا عنها ضعفوا وحفظت ما أضاعوا ورعيت ما أهملوا وشمرت اذ منعوا وصبرت اذ جزعوا فادركت اوثارما طلبوا ونالوا بك مالم يحتسبوا كنت على الكافرين عذابا صبا وللمؤمنين غيثا و خصبا ذهبت بفضائلها وأحرزت سوابقها لم تفلل حجتك ولم تضعف بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم تخن كنت كالجبل لا تحركه العواصف ولا تزيله الرواجف كنت كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمن الناس فى صحبتك وذات يدك وكما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ضعيفا فى بدنك قويا فى أمر الله متواضعا فى نفسك عظيما عند الله كبيرا فى الارض جليلا عند المؤمنين ثم لم يكن لاحد فيك مهمز ولا لقائل فيك مغمز ولا لاحد عندك هوادة ولذليل عندك قوى عزيز حتى تأخذ له الحق والقوى العزيز عندك ضعيف حتى تأخذ منه الحق القريب

والبعيد عندك فی ذلك سواء شأنك الحق والصدق وقولك حکم وحتم وأمرك غنم وعزم ثبت الاسلام وسبقت واللہ سبقا بعیدا واتعبت من بعدك تعبا شدیدا وفزت بالخیر فوزا مبینا نجللت عن البکاء وعظمت رزیتك فی السماء وهدت مصیبتك الانام واللہ لایصاب المسلمون بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بمثلك کنت للدین عزا وکهفا وللمسلمین حصنا وانسا وعلی المنافقین غلظة وغیظا وکظما فالحقك اللہ نبیك صلی اللہ علیه وسلم ولا حرمنا اجرك ولا أضلنا بعدك وانا للہ وانا الیه راجعون ٥ "

" اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ آپ ساری قوم سے پہلے اسلام لے آئے، آپ کا ایمان سراپا خلوص تھا۔ آپ یقین میں سب سے زیادہ تھے۔ غنیٰ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا اور اسلام کے بارے میں آپ سب سے زیادہ تیز تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آپ از حد محتاط تھے اور حضورؐ کے صحابہؓ کے بارے میں آپ بہت امین تھے۔ صحبت اور سنگت کے لحاظ سے سب سے بہترین تھے۔ آپ کے مناقب سب سے بڑے تھے۔ نیکیوں میں آپ سب پر سبقت لے جانے والے تھے۔ آپ کا درجہ سب سے بلند تھا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ سب سے زیادہ قریب تھے۔ سیرت، صورت، خُلق، کردار میں آپ حضورؐ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت میں آپ کی قدر و منزلت بڑی عظیم تھی۔ حضورؐ کی نگاہوں میں آپ سب سے زیادہ

قابلِ اعتماد تھے۔

پس اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے، اس کے رسولِ مکرّم کی طرف سے تمام فرزندانِ اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیبؐ کی اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا۔ پس نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کا نام صِدّیق رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جاء بالصدق یعنی محمدؐ وصدق بہٖ یعنی ابُوبکرؓ حضورؐ صدق لے کر آئے اور ابوبکرؓ نے اس کی تصدیق کی۔

جب لوگوں نے بخل سے کام لیا تو آپ نے دل کھول کر اعانت کی۔ جب لوگ لاتعلق ہو کر الگ بیٹھے تھے آپ حضورؐ کے ساتھ تھے مشکل وقت میں بھی آپ نے محبت کا حق ادا کیا۔ غار اور منزل میں آپ دو میں سے دوسرے تھے۔ ہجرت اور دیگر مشکل مقامات پر آپ حضورؐ کے رفیق تھے آپ نے حضورؐ کے بعد حضورؐ کی اُمّت میں حضور کی نیابت کا حق ادا کر دیا۔ جب لوگ دین سے مرتد ہونے لگے تو آپ دین کا جھنڈا لے کر یوں مردانہ وار کھڑے ہوئے کہ آپ سے پہلے کسی نبی کا خلیفہ یوں کھڑا نہیں ہوا تھا۔ جب دوسرے ساتھیوں نے کمزوری دکھائی تو آپ قوی ثابت ہوئے۔ جب انھوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا تو آپ میدان میں نکل آئے۔ جب انہوں نے سستی کا اظہار کیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ آپ حضورؐ کے خلیفۂ برحق تھے۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں، حاسدوں کی طعنہ زنیوں فاسقوں کی ناپسندیدگی اور کافروں کے غیظ وغضب کے باوجود آپ کی ہستی ہر نزاع سے بالاتر تھی۔ آپ تکمیلِ حکم کے لیے کھڑے ہو گئے

جب لوگوں نے بزدلی دکھائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ جب لوگ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے پھر جب انہوں نے آپ کی پیروی کی تو انھیں ہدایت نصیب ہوئی۔ آپ کی آواز ان سب سے دھیمی تھی اور اثر میں سب سے زیادہ بلند تھی۔ آپ کی گفتگو مختصر لیکن پُرمغز ہوتی تھی۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ پختہ، آپ کا دل سب سے بہادر۔ آپ کی عقل سب سے زیادہ معاملہ فہم اور سب سے زیادہ سمجھنے والی تھی، بخدا! آپ دین کے سب سے بڑے راہنما تھے۔ اس وقت بھی جب لوگ دین سے ہٹے ہوئے تھے اور بعد میں بھی جب ان کی تعداد قلیل تھی، آپ مومنوں کے لیے مہربان باپ تھے۔ وہ سب آپ کے بال بچّے تھے۔ آپ نے ان کے وہ بوجھ اٹھائے جنھیں اٹھانے سے وہ عاجز تھے۔ جو چیزیں انہوں نے ضائع کیں آپ نے ان کی حفاظت کی۔ جن چیزوں کو انہوں نے نظر انداز کیا، آپ نے ان کا لحاظ رکھا جب انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا جس انتقام کا انہوں نے مطالبہ کیا، آپ نے اُسے پورا کیا جب وہ گھبرا گئے تو آپ نے جہاد کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔ آپ کے طفیل انہیں وہ سعادتیں نصیب ہوئیں جن کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔ آپ کافروں کے لیے سخت عذاب تھے اور مومنوں کے لیے موسلا دھار بارش اور زرخیزی۔ آپ ساری فضیلتیں لے گئے۔ آپ نے ساری نیکیاں سمیٹ لیں کبھی آپ کی دلیل کند نہیں ہوئی۔ آپ کی بصیرت میں کبھی ضعف نہیں آیا۔ آپ کے نفس نے نہ بزدلی دکھائی اور نہ خیانت کی۔ آپ پہاڑ کی مانند تھے جسے تند و تیز جھکڑ جنبش نہ دے سکے اور زلزلے اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔ آپ اس طرح تھے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ

کے بارے میں فرمایا:۔

اے ابُوبکرؓ! تو اپنی محبت میں اور میرے لیے اپنا مال خرچ کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ہے۔ نیز جس طرح اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولؐ نے فرمایا۔

اے ابُوبکرؓ! تو بدن میں تو کمزور ہے لیکن اللہ کے دین میں طاقتور ہے۔ اپنے نفس میں تو اضع کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جناب میں تیری شان بلند ہے۔ زمین میں تو بڑا ہے اور مومنوں کی نگاہوں میں تو جلیل القدر ہے۔ تجھ پر کوئی زبانِ طعن دراز نہیں کر سکتا۔

اے ابُوبکرؓ! آپ کسی کی طرفداری نہیں کرتے تھے۔ ہر کمزور آپ کے نزدیک قوی اور طاقتور ہوتا تھا۔ جب تک اس کا حق اس کو لے کر دے نہ دیتے اور طاقتور آپ کی نگاہوں میں کمزور ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ اس سے حق لے لیتے۔ اس معاملہ میں قریب اور بعید، آپ کے نزدیک یکساں تھے۔ آپ سراپا حق وصداقت تھے۔ آپ کا قول، حکمت سے لبریز اور اٹل ہوا کرتا تھا اور آپ کا فیصلہ غنیمت اور عزمیت ہوتا۔ آپ نے اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ اللہ کی قسم! آپ سب سے آگے نکل گئے اور آپ نے اپنے پیچھے آنے والوں کو سخت درماندہ کر دیا۔ آپ خیر و برکت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ آپ آہ و فغاں سے بالاتر ہیں۔ آپ کی مصیبت اہلِ آسماں میں بہت بڑی ہے۔ آپ کی رحلت کے غم نے لوگوں کو ہلا ڈالا ہے۔ خدا کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد جیسی تکلیف آج پہنچی ہے، مسلمانوں کو پھر نہیں پہنچے گی۔ آپ مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط قلعہ اور مونسِ جاں تھے۔ آپ منافقین

پر سخت غیظ و غضب تھے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملائے اور ہمیں آپ کے اجر سے محروم نہ کرے اور آپ کے بعد ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے!

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن [له]

(کنز العمال بر حاشیہ مسندِ احمد حنبل جلد چہارم صفحہ ۳۶۶)



[له] یہ اردو ترجمہ جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کا ہے جو ہم نے ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور کے صدیقِ اکبر نمبر سے نقل کیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا یہ خطبہ معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ علامہ محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الریاض النضرہ" کے صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ پر بھی موجود ہے۔

عہدِ رسالتؐ میں حیاتِ صدیقی کے

*

چند متفرّق واقعات

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت ابُوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کو گالیاں دیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی وہاں تشریف فرما تھے ـــ اور آپؐ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور حضرت ابُوبکرؓ کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر تعجّب اور تبسّم فرما رہے تھے۔ پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں اور زبان کو نہ روکا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر الٹ دیا اور کچھ جواب دیا۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قدرے ناراضی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو گئے اور حضورؐ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے آپؐ کے پیچھے چلے۔ جب وہ حضُورؐ کے قریب پہنچے تو عرض کیا:

"یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپؐ وہاں تشریف فرما رہے پھر جب میں نے کچھ جواب دیا تو آپؐ ناراض ہو کر اٹھ آئے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا پھر جب

تم نے خود جواب دیا تو (وہ فرشتہ تو چلا گیا اور) شیطان بیچ میں آ گیا۔
کیونکہ اسے امید ہو گئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا)"۔
اس کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکرؓ! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات، یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ جل شانہٗ کے لیے اس سے درگزر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد کرے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کے لیے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض اس کو بہت زیادہ دے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مال میں اضافہ کرنے کے لیے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے مال کو اور زیادہ کم کر دے گا"[1]

(معارف الحدیث جلد دوم بحوالہ مُسندِ احمد)

حضرت حنظلہؓ بن الرّبیع الاُسیدی کہتے ہیں کہ ایک دن میری حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، حنظلہ کیا حال ہے؟
میں نے کہا، حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا، سبحان اللہ، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، بات یہ ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپؐ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت

---

[1] شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس لیے دیں کہ وہ آپؐ کے مقرّبِ خاص تھے اور آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ ان سے کوئی معمولی سی لغزش بھی سرزد ہو۔

فرماتے ہیں تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا جنّت اور دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر جب ہم آپؐ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں تو بیوی، بچوں، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ (حضرت) ابُوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اس کے بعد میں اور (حضرت) ابُوبکرؓ دونوں وہاں سے چل پڑے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! حنظلہ تو منافق ہو گیا"

آپؐ نے فرمایا! یہ کیا بات ہے؟

میں نے عرض کیا: "حالت یہ ہے کہ جب ہم آپؐ کے پاس ہوتے ہیں اور آپؐ دوزخ اور جنّت کا ذکر کر کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں تو ہماری کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا دوزخ اور جنّت ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر جب ہم آپؐ کی مجلس سے نکل کر گھر پہنچتے ہیں تو بیوی بچوں اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں:

یہ سن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارا حال ہمیشہ وہی رہے جو میرے پاس ہوتا ہے اور تم ہمیشہ ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ (اللہ نے اس کا مکلّف نہیں کیا ہے) بس اتنا ہی کافی ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے۔"

یہ بات آپؐ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (صحیح مسلم)

رجب ۸ھ ہجری میں "سریۂ سیف البحر" یا "جَیشُ الخَبط" پیش آیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو تین سو مجاہدین کا قائد بنا کر ساحلِ بحر کی طرف بنو جہینہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ان مجاہدین میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق بھی شامل تھے۔ مہم کے دوران میں سامانِ رسد ختم ہو گیا اور مجاہدین سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کے صاحبزادے حضرت قیسؓ بن عبادہ بھی لشکر میں موجود تھے۔ وہ اپنے جواد باپ کی طرح خود بھی بڑے مخیّر اور فیّاض تھے انہوں نے اونٹ قرض لے لے کر ذبح کرانے شروع کرا دیئے۔ جب ۹ اونٹ ذبح ہو چکے تو حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بتقاضائے احتیاط حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ قیسؓ کو روکا جائے ورنہ وہ اپنے باپ کا مال یوں ہی صرف کر دیں گے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں مزید اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا۔ مجاہدین کو چند دن سوکھے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑا لیکن جب وہ ساحلِ بحر پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی ان کے قابو میں دے دی جس کا گوشت وہ پندرہ دن تک کھاتے رہے۔ جب یہ لشکر مدینہ منوّرہ واپس آیا تو حضرت قیسؓ نے اپنے والدِ گرامی حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مسلمانوں کی مصیبت کا حال سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کرائے ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تین بار ایسا کیا لیکن پھر مجھے روک دیا گیا۔ جب حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فلاں جملے کہے تھے تو انہیں سخت جوش آیا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

"ابنِ ابی قحافہ اور ابنِ خطاب کی طرف سے کوئی جواب دے کہ

وہ میرے بیٹے کو بخیل کیوں بنانا چاہتے ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو بتایا کہ چند دن اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو رسد کے علاوہ سواری کے جانور بھی ختم ہو جاتے اور مسلمانوں کی مصیبت دوچند ہو جاتی اسی لیے ہم نے مزید اونٹ ذبح کرنے سے منع کیا۔ اس پر حضرت سعدؓ خاموش ہو گئے۔ (اُسدُ الغابہ ۔ لابن اثیرؒ)

حضرت عتبانؓ بن مالک سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن صحابہ میں ہیں جو انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارشیں ہوتی ہیں تو میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے اور میں اُن کی مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا۔ یا رسول اللہؐ میری یہ خواہش ہے کہ آپؐ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنا لوں۔ آپؐ نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔

حضرت عتبانؓ کہتے ہیں کہ صبح کو جب کچھ دن چڑھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور (حضرت) ابوبکرؓ میرے یہاں پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور میں نے آپؐ کو اجازت دے دی۔ پس جب آپؐ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا، تم اپنے گھر میں کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں۔ میں نے گھر کی ایک جانب اشارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر آپؐ نے نماز شروع کر دی۔ ہم بھی صف باندھ کے آپؐ کے پیچھے

کھڑے ہو گئے۔ پس آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا۔ پھر ہم نے آپؐ کو خزیرہ[1] کھانے کے لیے روک لیا جو آپؐ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا۔ آپؐ کی تشریف آوری کی اطلاع پاکر محلہ کے چند آدمی بھی آگئے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ مالک بن دُخَیشِن (یا ابن دُخشُن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا، وہ تو منافق ہے اللہ اور اس کے رسولؐ سے اس کو محبت ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا، یہ مت کہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔ اس کہنے والے شخص نے کہا، اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کو زیادہ علم ہے ہم تو اس کا رجحان اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً اللہ عزّ وجلّ نے دوزخ کی آگ پر اس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے سچے دل کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا ہو اور اس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ابولہب حضورؐ کا چچا تھا لیکن دینِ حق کا بدترین دشمن تھا اس لیے اس نے آپؐ کی سر توڑ مخالفت کی۔ اس کی بیوی اُمِّ جمیل اروی بھی اسلام دشمنی میں اپنے خاوند سے کچھ کم نہ تھی۔ اس نے حضورؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اسی لیے اس کو قرآنِ حکیم میں "حَمَّالَةَ الحَطَب" (لکڑیاں ڈھونے

---

[1] خزیرہ ایک قسم کا کھانا ہے جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ جب وہ پک جاتا ہے تو اس میں آٹا ڈال کر خوب پکاتے ہیں۔

والی یا لگائی بجھائی کرنے والی) کے لقب سے پکارا گیا ہے۔[1]

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ جب سورۃ اللھب نازل ہوئی اور اُمِّ جمیل نے اس کو سنا تو وہ بپھری ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی، اس کے ہاتھ میں مٹھی بھر پتھر تھے تاکہ اُن سے آپؐ کو مارے اور وہ آپؐ کی ہجو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی۔ حرم میں پہنچی تو وہاں حضورؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ یہ (اُمِّ جمیل) آرہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ آپؐ کو دیکھ کر کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے۔"

حضورؐ نے فرمایا، یہ مجھ کو نہ دیکھ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپؐ اس کو نظر نہ آئے۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، اس گھر کے خدا کی قسم انہوں نے تمہاری کوئی ہجو نہیں کی (مطلب یہ کہ اللہ نے تمہاری ہجو کی ہے) اس پر وہ واپس چلی گئی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ○ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ○ (سورۃ الزلزال)

---

[1] بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اُمِّ جمیل کانٹے دار جھاڑیاں (لکڑیاں) لاکر حضورؐ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی اس لیے اسے لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے لیکن عرب کے عام محاورے کے مطابق لکڑیاں ڈھونے سے مراد چغلیاں کھانا یا لگائی بجھائی کرنا تھا۔

(پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا)

حضرت ابوبکرؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہؐ کیا میں اس ذرّہ برابر برائی کا نتیجہ دیکھوں گا جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ابوبکر دنیا میں جو معاملہ بھی تمہیں ایسا پیش آتا ہے جو تمہیں ناگوار ہو وہ ان ذرّہ برابر برائیوں کا بدلہ ہے جو تم سے صادر ہوں اور جو ذرّہ برابر نیکیاں بھی تمہاری ہیں انہیں اللہ آخرت میں تمہارے لیے محفوظ رکھ رہا ہے۔"

ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے ابوبکر امارت اس کے لیے ہے جو اس سے بے رغبت ہو نہ کہ اس پر لوٹا پڑتا ہو۔ وہ اس کے لیے ہے جو اس سے بچنے کی کوشش کرے نہ کہ اس کے لیے جو اس پر جھپٹے۔ وہ اس کے لیے ہے جس سے کہا جائے کہ یہ تیرا حق ہے نہ کہ اس کے لیے جو خود کہے کہ یہ میرا حق ہے۔"

ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فاقہ کی حالت میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقہ سے تھے۔ حضورؐ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوایوبؓ اپنے کھجوروں کے باغ میں تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ حضرت ابوایوبؓ کی اہلیہ نے حضورؐ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ آپؐ نے پوچھا ابوایوب کہاں ہیں؟

حضرت ابو ایوبؓ کا باغ مکان سے متصل تھا، انہوں نے حضورؐ کی آواز سنی تو کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر دوڑتے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ ساتھ ہی ایک بکری ذبح کی، آدھے گوشت کا سالن پکوایا اور آدھے کے کباب بنوائے اور مہمانانِ گرامی قدر کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا:

"اسے فاطمہؓ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔"

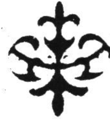
حضرت ابو ایوبؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور حضورؐ نے اپنے رفقائے کرام کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ یہ پُر تکلف کھانا کھاتے ہوئے آپؐ پر رقّت طاری ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیا دی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا)۔

ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے ہی تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کی خدمت میں آپہنچے۔ پوچھا، ابوبکرؓ اس وقت کیسے آئے۔ عرض کی، یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپؐ کی زیارت کے لیے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ اُن سے بھی یہی سوال ہوا۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہؐ اس وقت بھوک یہاں لائی ہے۔ ارشاد ہوا میں بھی بھوکا ہوں۔ اب تینوں بزرگ حضرت ابو الہیثمؓ (مالک) بن تیہان انصاری کے گھر تشریف لے گئے، وہ کھجور کے دو تین باغات اور بکریوں کے ایک ریوڑ کے مالک تھے لیکن کوئی ملازم یا خادم نہ تھا اور گھر کا سارا کام خود انجام دیا کرتے تھے۔

حضورؐ نے مکان پر پہنچ کر آواز دی تو ان کی اہلیہ نے عرض کیا کہ ابوالہیثم پانی بھرنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ مشک لیے آپہنچے حضورؐ کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے۔ حضورؐ سے لپٹ کر بار بار کہتے تھے ،میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ نے اس غلام کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا ہے۔ پھر حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء کو اپنے باغ میں لے گئے۔ بیٹھنے کے لیے کوئی چیز بچھا دی اور خود کھجوروں کی ایک شاخ کاٹ لائے۔ حضورؐ نے فرمایا: پکی کھجوریں لائے ہوتے۔ انہوں نے عرض کیا پکی، گدر ہر قسم کی ہیں جو مرغوب ہوں نوش فرمائیں۔ کھجوریں کھلانے کے بعد صاف اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ حضورؐ نے فرمایا، دیکھو اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتیں عطا کی ہیں سایہ، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔ خدا کی قسم قیامت کے دن ان سب کا حساب لیا جائے گا —— اس کے بعد حضرت ابوالہیثمؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کچھ دیر یہیں تشریف رکھیں میں گھر جا کر کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا۔ انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور اس کو بھون کر حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء نے اسے تناول فرمایا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابوالہیثمؓ سے پوچھا تمہارے پاس کوئی غلام ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں یارسول اللہؐ۔ ارشاد ہوا، جب میرے پاس (جنگی) قیدی آئیں تو آنا —— اسی اثناء میں دو قیدی آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپؐ نے حضرت ابوالہیثمؓ سے فرمایا، ان میں سے ایک قیدی اپنی خدمت کے لیے پسند کر لو۔ انہوں نے حضورؐ پر چھوڑا۔ آپؐ نے ایک کو اس بناء پر منتخب فرمایا کہ وہ نماز پڑھتا تھا ساتھ ہی فرمایا کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ وہ غلام کو ساتھ لیے گھر آئے اور بیوی کو ساری بات بتائی وہ بہت سمجھدار اور خدا ترس خاتون تھیں، حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل منظور ہے تو اس کو آزاد کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضورؐ کو خبر ملی تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور میاں بیوی دونوں کی تحسین فرمائی۔ (جامع ترمذی)

حصّہ دوم



سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
شخصیّت
اور
کردار





امینِ دین و آئینِ رسالتؐ

نسیمِ صبح، گفتارِ ابوبکرؓ
شعاعِ مہر، کردارِ ابوبکرؓ

جہاں پاتا رہے گا نور جن سے
وہ قندیلیں ہیں افکارِ ابوبکرؓ

زہے حلم و یقینِ ثانی اثنین
خوشا ایمان و ایثارِ ابوبکرؓ

بہ ہر میداں فداکاری کے جوہر
تھا کتنا تیز رہوارِ ابوبکرؓ

تھے فاروقؓ اور عثمانؓ اُن کے حامی
علیؓ بھی دل سے تھے یارِ ابوبکرؓ

امینِ دین و آئینِ رسالتؐ
نگہدارِ فرامینِ رسالتؐ



حفیظ تائب

ذاتی حالات

حُلیہ

حضرت اُبوبکر صدیقؓ موزوں قد کے دُبلے پتلے آدمی تھے۔ رنگ گندمی (بروایت دیگر گورا چٹا) تھا۔ رخساروں پر بہت کم گوشت تھا اور چہرے کی ہڈیاں نمایاں تھیں پیشانی بُلند اور کشادہ تھی جو عرق آلود رہتی تھی۔ آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی تھیں۔ انگلیوں کے جوڑوں پر گوشت نہیں تھا۔ پنڈلیوں اور رانوں پر بھی بہت کم گوشت تھا۔ کمر میں ذرا خم تھا (قدرے جُھک کر چلتے تھے)۔ تہمد کمر پر نہیں رکتا تھا اور نیچے کھسک جاتا تھا۔ بالوں میں مہندی اور کسُم (کتُم) کا خضاب لگاتے تھے۔

خادمِ رسول اللہؐ حضرت اَنسؓ بن مالک نے ہجرت کے وقت ان کی یہ کیفیت بیان کی ہے:

"انہوں (حضرت اُبوبکرؓ) نے ڈاڑھی کو مہندی اور نیل سے رنگ لیا تھا اور وہ نہایت سُرخ ہو گئی تھی۔" (صحیح بخاری باب ہجرۃ النبیؐ)

بقول امام زہریؒ بال گھنگھرالے تھے۔ آواز پُرسوز تھی بہت کم گو تھے۔ اندازِ گفتگو بہت سنجیدہ اور متین تھا جس میں محویت کی شان ہوتی تھی۔ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی بہت بوڑھے معلوم ہوتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپس آکر جو آخری خطبہ دیا حضرت اُبوبکر صدیقؓ اُس کو سُن کر

رونے لگے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں، میں نے انہیں روتے دیکھا تو اپنے دل میں کہا، یہ بوڑھے آدمی کیوں رو رہے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ)

ایک دفعہ حضرت رافع طائیؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے۔ (خلفائے راشدین)

لباس و غذا

لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ غذا بھی بہت سادہ تھی۔ بہت مرفہ الحال تھے لیکن جو کچھ کماتے تھے بے دریغ راہِ حق میں خرچ کر ڈالتے تھے۔ اس لیے ہجرت کے بعد کبھی کبھار فاقہ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ مؤطا امام مالکؒ اور جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا۔ آپؐ خود بھی فاقہ سے تھے، دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان انصاری کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے، مہمانانِ عزیز کو اپنے باغ میں لے گئے کھجوریں پیش کیں ٹھنڈا پانی پلایا اور پھر بکری کا ایک بچہ ذبح کر کے اس کو بھونا اور بڑے خلوص اور محبت سے حضورؐ اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں کی خدمت میں پیش کیا۔

خلافت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی سادگی میں اور اضافہ ہو گیا۔ بعض اوقات دو گیرو چادریں زیبِ تن ہوتی تھیں، ایک باندھے ہوئے ایک اوڑھے ہوئے۔ وفات سے پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"جب سے خلافت کا بوجھ میرے کندھوں پر پڑا ہے میں نہایت معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قانع رہا ہوں، اس وقت

میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور ایک پرانی چادر کے سوا بیت المال کی کوئی چیز نہیں۔ میرے بعد یہ چیزیں عمرؓ بن خطاب کے حوالے کر دینا۔" (طبقات ابنِ سعد)

انگوٹھی

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک سادہ سی انگوٹھی پہنتے تھے۔ اس پر یہ عبارت کندہ تھی: — "نعم القادر اللہ" (ابنِ جریر طبری)

مکتوبات، فرامین اور معاہدات پر مہر کرنے کے لیے یہ انگوٹھی استعمال نہیں کرتے تھے۔

ذریعۂ معاش

شروع ہی سے کپڑے کی تجارت کے ذریعے روزی کماتے تھے۔ وہ ایک کامیاب اور خوشحال تاجر تھے۔ اس سلسلے میں اکثر اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک (شام، یمن وغیرہ کے) سفر کرتے رہتے تھے۔ اپنی خوش معاملگی اور دیانت داری کی وجہ سے وہ قریش کے تمام تاجروں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ سننِ ابنِ ماجہ میں خود ان سے روایت ہے:

"میں قریش میں سب سے بڑا اور مالدار تاجر تھا"

قبولِ اسلام کے بعد بھی تجارت ہی ان کا ذریعۂ معاش رہی۔ اپنے تجارتی اسفار کی بدولت وہ عرب میں خاصے مشہور ہو گئے تھے۔ وہ خوب کماتے تھے اور راہِ حق میں خرچ بھی خوب کرتے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت ان کی مالی حالت

قدرے کمزور ہو گئی لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں مرفہ الحال کر دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک سال پہلے تجارت کے سلسلے میں سرحدِ شام کے شہر بُصریٰ تشریف لے گئے تھے۔

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ چھ ماہ تک انہوں نے بیت المال سے کچھ نہ لیا اور تجارت ہی کے ذریعے روزی کماتے رہے۔ روزانہ چادریں کندھے پر لاد کر بازار لے جاتے اور انہیں فروخت کر کے گھر کے مصارف پورے کرتے۔ جب مشاغلِ خلافت بڑھ گئے تو بیت المال سے وظیفہ لینا منظور کر لیا۔ (سیرۃ الصدیقؓ محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ۔ تاریخ الامت حصۂ دوم محمد اسلم جیراجپوری)

جاگیر

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خیبر اور بحرین میں ایک ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے بحرین کی جاگیر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دی تھی لیکن اپنی وفات کے وقت ان سے واپس لے لی تاکہ سب بہن بھائیوں کو شرعی حصہ مل سکے۔

۴ھ ہجری میں یہودِ بنی نضیر مدینہ سے جلاوطن کیے گئے تو حضورؐ نے ان کے اموال سے حضرت ابوبکرؓ کو بئرِ حجر عنایت فرمایا۔ انہوں نے اس کی ملحقہ زمین میں کھجور کا باغ لگایا اور پھر یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دیا۔

صدیقِ اکبرؓ کو جاگیروں سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو بھی راہِ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔

وظیفۂ خلافت

کسی مملکت کے سربراہ کا پورا وقت اُمورِ مملکت کی انجام دہی میں صرف ہوتا ہے اس لیے یہ اس کا قانونی اور اخلاقی حق ہے کہ اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لیے مملکت کے خزانے سے تنخواہ وصول کرے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ بھی بحیثیت سربراہِ مملکت بیت المال سے گزارہ وصول کرتے رہے لیکن ان کے زُہد و وَرَع کی یہ کیفیت تھی کہ وفات سے پہلے اپنے وارثوں کو وصیّت کی کہ وہ تمام رقم جو انہوں نے اس مَد میں وصول کی تھی بیت المال میں واپس جمع کرادی جائے۔

حضرت ابُوبکر صدیقؓ خلیفۃ الرسولؐ ہونے کی حیثیت سے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ علیہ وسَلَّم کی خالصہ جائداد سے اپنی معاش کا سامان کر سکتے تھے لیکن اُن پر زہد و تقویٰ کا اس قدر غلبہ تھا کہ اپنے آقا و مولاؐ کی خالصہ جائداد سے انتفاع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بیت المال سے وظیفہ لینا قبول کر لیا لیکن وہ بھی بادلِ نخواستہ اس سلسلے کی ایک روایت تو وہ ہے جو "ذریعۂ معاش" کے تحت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد دوسرے دن کندھے پر کپڑے کے تھان ڈال کر بیچنے کے لیے بازار کی طرف چلے کیونکہ اس سے پہلے یہی اُن کا ذریعۂ معاش تھا۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا "کدھر؟"

فرمایا، "بازار کپڑا بیچنے جا رہا ہوں۔"

اُنھوں نے کہا: "آپ اب مسلمانوں کے معاملات دیکھیں گے یا تجارت کریں گے؟"

جواب دیا: "یہ کام نہ کروں گا تو خود کیا کھاؤں گا اور بال بچوں کو کہاں

سے کھلاؤں گا؟"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"اب آپ پر مسلمانوں کی سرداری کا بوجھ آپڑا ہے۔ خلافت اور تجارت کے کام ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ چلئے ابو عبیدہؓ (ناظم بیت المال) سے مل کر بات کرتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ انہیں امین الامّۃ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کے پاس لے گئے اور کیفیت بیان کی، انہوں نے اس مقدار میں وظیفہ مقرر کر دیا جو ایک اوسط درجہ کے مہاجر کی ضروریاتِ زندگی کو کفایت کر سکے۔ (کنز العمال)

ابن قتیبہؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو وہ بیت المال سے سرے سے وظیفہ لینے ہی پر رضامند نہیں تھے لیکن جب اس کے لیے ان پر بہت زور ڈالا گیا تو انہوں نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ ان کے لیے بیت المال سے کتنا وظیفہ لینا جائز ہے۔ اس سوال کا جواب ان کو حضرت عمرِ فاروقؓ نے یوں دیا:

"میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کو بیت المال سے کتنا وظیفہ لینا جائز ہے۔ آپ کی اولاد میں سے جو آپ سے الگ ہو چکے ہیں اور ان کا اپنا گھر بار ہے ان کے لیے تو بیت المال سے اسی طرح ایک حصہ مقرر ہے جس طرح ہر مسلمان کے لیے ہے۔ باقی آپ کے جو بچے چھوٹے ہیں اور وہ متعلقین جو اپنی ذمہ داری خود نہیں اٹھا سکتے، آپ ان کی اور اپنے اہل کی کفالت دستور کے مطابق بیت المال سے کر سکتے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اے عمرؓ! میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں کے فے سے میرے لیے اپنے عیال کی پرورش جائز نہیں ہے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا، " اے رسول اللہؐ کے خلیفہ اب آپ کا سارا وقت خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں صرف ہوتا ہے اور اپنے عیال کی معاش کے لیے اب کوئی وقت آپ نہیں نکال سکتے۔"
(الامامۃ والسیاستہ جلد اول)

جب مسلمانوں نے اتّفاقِ رائے سے خلیفۃ الرسولؐ کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا لیکن یہ اُن کی بے لوث طبیعت پر اس قدر بار تھا کہ مسلمانوں کے مجمع عام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

" میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا لیکن اب جب کہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں، اُبوبکرؓ کے اہل وعیال (آلِ ابُوبکرؓ) حسب ضرورت ان کے مال سے کھائیں گے اور ان کا کام کریں گے (بالفاظِ دیگر ابُوبکرؓ کا خاندان ایسی حالت میں بیت المال سے لے کر نہ کھائے تو کیا کرے)"

(صحیح بخاری کتاب البیوع)

حضرت اُبوبکر صدیقؓ کے وظیفہ کی مقدار کتنی تھی؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ان کے لیے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اور ان کے زیرِ کفالت متعلقین کے لیے گرمیوں اور جاڑوں کے کپڑے اس شرط پر مقرر ہوئے کہ پرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

علامہ ابنِ سعد کاتب الواقدی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ بیت المال سے ان کو دو چادریں ملتی تھیں جب وہ بوسیدہ ہو جاتی تھیں تو ان کو واپس کر کے نئی لے لیتے تھے۔ سفر کے موقع پر سواری اور اپنے زیرِ کفالت متعلقین کے لیے

اتنا ہی خرچ لیتے تھے جو خلافت سے پہلے ان کے لیے کافی ہوتا تھا۔

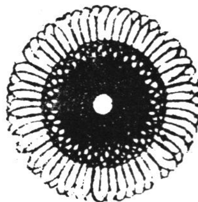
بعض روایتوں کے مطابق نقد وظیفہ مقرر ہوا تھا اس کی مقدار باختلافِ روایت دو ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی جاتی ہے۔

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدیقؓ" میں یہ رائے ظاہر کی ہے:

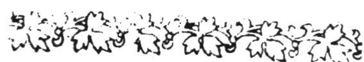
"میں کم و بیش ڈھائی ہزار کو ترجیح دیتا ہوں وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کا کیا گیا اس کے بموجب کچھ اوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہوا۔"

ابن قتیبہؒ کی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ (جلد اوّل)" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دورانِ خلافت میں اپنی ضروریات پر بیت المال سے کل آٹھ ہزار درہم لے کر صرف کیے۔ وفات کے وقت ان کے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ (یا اونٹنی) اور ایک پرانی چادر تھی، انہیں بھی انہوں نے بیت المال کا مال قرار دیا اور وصیت کی کہ وظیفہ کے علاوہ یہ سب چیزیں بھی بیت المال کو واپس کر دی جائیں۔

بعض روایتوں میں ایک لونڈی ایک غلام اور دو اونٹنیاں بیان کی گئی ہیں۔ بہرصورت یہ سب چیزیں بیت المال کو واپس دے دی گئیں۔



مَحَاسِنِ اَخْلَاق



(عادات وخصائل)

محاسنِ اخلاق

(عادات و خصائل)



عشقِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

یوں تو سیدنا صدیق اکبرؓ کے سبھی محاسن اور مکارم نہایت عظیم اور نہایت جلیل ہیں لیکن ان کا جو وصف اور شرف دوسرے تمام اوصاف و محاسن پر حاوی اور غالب ہے وہ ہے ان کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کی کتاب سیرت کا ایک ایک ورق اس حقیقت پر شاہد عدل ہے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ عشق حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا کر دیا تھا۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسولؐ سے عبارت تھا۔ اگرچہ سبھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے والہ و شیدا تھے لیکن صدیق اکبرؓ کے عشق رسولؐ کی ہمسری کا دعویٰ کوئی نہ کر سکا۔ اس عشق کی شان ہی نرالی تھی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہ جس کے ذوق و شوقِ آرزو سے صد جہاں پیدا ۔۔۔ وہ جس کا ہر نفس مثلِ صبا خوشتر، چمن پرور

رسالت کا مُصدق، الامینؐ کا چاہنے والا رفیقِ جلوت و خلوت، سراپا عشق کا مظہر فی الحقیقت سیدنا صدیقِ اکبرؓ حق و صداقت اور عشق و وفا کے وہ پیکرِ جمیل ہیں جو سیدِ کونین رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کا کامل نمونہ تھے لاریب ان کا قلبِ اطہر ہر آن زندگی کے آخری سانس تک تجلیاتِ جمالِ نبوت کا جلوہ گاہ بنا رہا۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشقِ رسولؐ کے واقعات و حالات ان کے صحیفۂ حیات میں اس طرح جلوہ فگن ہیں جیسے کسی سرسبز چمنستان میں خوش رنگ پھولوں کے تختے حدِ نظر تک پھیلے ہوں۔ ان میں ہر پھول اتنا دلربا اور عطر بیز ہے کہ اس کی لپٹوں سے دل و دماغ مسحور ہو جاتے ہیں اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام زندگی عشقِ رسولؐ سے عبارت ہے۔ گزشتہ اوراق میں اس سلسلے کے متعدد واقعات اپنے اپنے موقع پر بیان کیے جا چکے ہیں یہاں ان میں سے کچھ واقعات کو اختصار کے ساتھ دوبارہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ بار بار پڑھنے کی چیز ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو صدیقِ اکبرؓ نے ہر قسم کے خطرات کے علی الرغم سب سے پہلے آگے بڑھ کر اس پر لبیک کہا۔ بعثت کے چوتھے سال کے اوائل میں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْن کا حکمِ خداوندی نازل ہوا اور حضورؐ نے مشرکین کو علانیہ حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے اہلِ حق کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنالیا۔ ان بلاکشانِ اسلام میں صدیقِ اکبرؓ بھی شامل تھے۔

ان کے ہم قبیلہ ایک مشرک عثمان بن عبیداللہ نے انہیں اپنے بھائی طلحہؓ کے ساتھ ایک ہی رسی میں باندھ کر سخت زدوکوب کیا لیکن ان کے قدم جادۂ حق سے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ ڈگمگائے بلکہ ان کے عشقِ رسولؐ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنا مال اُن غریب الوطن بے سہارا اور بے کس غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے کے لیے وقف کر دیا جو ان کے آقا و مولاؐ کا دامنِ اقدس تھامنے کی پاداش میں کفّار کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھے۔ حضرت بلالِ حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت زِنّیرہؓ، حضرت نہدیہؓ وغیرہ نے صدیقِ اکبرؓ کے جُود و کرم ہی کے ذریعہ کفّار کے دستِ تعدّی سے نجات پائی۔

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شبِ معراج کی صبح کو کفّار کے سامنے واقعۂ معراج بیان فرمایا تو انہوں نے ٹھٹھا لگایا۔ صدیقِ اکبرؓ کہیں باہر تھے۔ بعض کفّار نے ان سے جا کر کہا کہ تمہارے صاحب اس قسم کی ناقابلِ یقین باتیں کہتے ہیں۔ صدیقِ اکبرؓ نے بلا تامّل جواب دیا:

لَقَدْ صَدَقَ وَاِنِّیْ لَاُصَدِّقُہٗ

یعنی آپؐ نے سچ فرمایا اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں

بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایک دن سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم طوافِ کعبہ کے لیے حرم کے اندر تشریف لے گئے۔ مشرکین نے حضورؐ کو دیکھا تو غضب ناک ہو گئے اور آپؐ کو گھیر لیا۔ کسی نے صدیقِ اکبرؓ سے جا کر کہا کہ اپنے صاحب کی خبر لو۔

صدیقِ اکبرؓ دوڑتے ہوئے حرم میں پہنچے۔ اپنے آقا و مولا پر کفّار کو حملہ آور ہوتے دیکھا تو غم و غصہ سے از خود رفتہ ہو کر مجمعِ کفّار میں گھس گئے، کسی کو مارتے کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے وَیْلَکُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ

جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ

یعنی تم پر افسوس ہے کہ تم ایک ایسے شخص کو اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔

صِدّیقِ اکبرؓ کی مداخلت مشرکین کو سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے حضورؐ کو تو چھوڑ دیا اور سب ان پر لوٹ پڑے۔ اتنا مارا کہ لہولہان ہو گئے۔ پٹتے جاتے اور کہتے جاتے تھے تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔

"اے عزت و جلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے"

ان کے اہلِ قبیلہ بنو تیم کو پتہ چلا تو وہ بھاگم بھاگ حرم پہنچے اور انہیں مشرکین کے پنجۂ ستم سے چھڑا کر گھر لے گئے۔ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سانحہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے تو ان کا یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال جھڑ جاتے۔ گھر پہنچ کر بے ہوش ہو گئے۔ بڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو سب سے پہلے جو الفاظ زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

"رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کیا حال ہے؟"

اللہ رے عشقِ رسولؐ کہ خود موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں لیکن سلامتی کی فکر ہے تو صرف اپنے آقا و مولاؐ کی۔ جب ان کو بتایا گیا کہ حضورؐ بفضلِ خدا بخیریت ہیں تو اس وقت اُن کو چین آیا۔

سفرِ ہجرت میں صدیقِ اکبرؓ کو اپنے آقا و مولاؐ کی رفاقت کا وہ مہتم بالشان شرف حاصل ہوا کہ بارگاہِ الٰہی کی طرف سے وہ ثانی اثنین کے لازوال اور بے مثال لقب کے سزاوار ٹھہرائے گئے۔ اس موقع پر حضورؐ کی رفاقت کوئی آسان کام نہ تھا۔

یہ تو اپنی جان پر کھیلنا تھا اور یہ جان پر کھیلنا صدیق اکبرؓ کے لیے اتنی مسرت کا باعث تھا کہ حضورؐ سے اپنے ساتھ چلنے کا حکم پاکر رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ فرطِ مسرت سے بھی گریہ طاری ہوجاتا ہے۔ غارِ ثور میں پہلے خود داخل ہوئے کہ کوئی سانپ وغیرہ ہو تو ان پر حملہ کرے۔ چند سوراخ تھے انہیں اپنی چادر کی دھجیاں بناکر بند کیا لیکن ایک سوراخ رہ گیا، اس کے سامنے اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور حبیب پاکؐ کا سرِ اقدس اپنے زانو پر رکھ لیا کہ آپؐ آرام فرمائیں۔ سوراخ میں سے ایک سانپ نے پاؤں پر ڈس لیا۔ سخت تکلیف ہوئی لیکن اپنا پاؤں نہ ہٹایا کہ مبادا آقا و مولاؐ کے آرام میں خلل پڑے۔ درد کی شدت سے آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور حضورؐ کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو آپ جاگ پڑے۔ اپنے جاں نثار کا جذبۂ فدویت دیکھ کر ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اپنا لعابِ دہن ڈنک کی جگہ پر لگا کر زہر کا اثر دور کیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر صحابۂ کرامؓ نے حضورؐ کے لیے میدانِ جنگ کے کنارے ایک سائبان بنا دیا۔ حضورؐ اس میں تشریف فرما ہوئے تو صدیقِ اکبرؓ شمشیر برہنہ علم کیے حضورؐ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوگئے۔ کوئی مشرک اس سائبان کے قریب آتا تو صدیقِ اکبرؓ اس پر جھپٹ پڑتے اور مار کر ہٹا دیتے۔ ایک موقع پر مشرکین کا ایک گروہ سائبان کے قریب آپہنچا۔ صدیقِ اکبرؓ تنِ تنہا تلوار کھینچ کر مشرکین پر جھپٹ پڑے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے ”کیا تم اس شخص کو مار ڈالو گے جو اللہ کو اپنا پروردگار بتاتا ہے“ پھر اس جوش سے تلوار چلائی کہ سب مشرکین بھاگ گئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے حضورؐ سے مخاطب ہوکر کہا: ”محمدؐ! یہ بھیڑ جو تمہارے اردگرد نظر آرہی ہے اگر تم پر کوئی نازک وقت آپڑا تو یہ آناً فاناً چھٹ جائے گی اور تمہاری حمایت کا دم بھرنے والے یہ تمام

لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ صدیق اکبرؓ قریب ہی کھڑے تھے عروہ کی بات سن کر سراپا جلال بن گئے۔ نہایت حقارت سے عروہ کی طرف دیکھا اور کڑک کر فرمایا:

"ہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟
جا اپنا کام کر اور اپنے معبود لات کی ...."

سیدنا صدیق اکبرؓ کا یہ جلال ان کے عشق رسولؐ کا مظہرِ اتم تھا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضورؐ نے صحابہؓ کو صدقہ کا حکم دیا۔ سب صحابۂ کرامؓ نے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زیادہ سے زیادہ مال راہِ حق میں پیش کیا لیکن صدیق اکبرؓ نے جو کچھ کیا کوئی بھی اس کو نہ پہنچ سکا۔ انہوں نے گھر کی سوئی سلائی تک لا کر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دی۔ حضورؐ نے پوچھا، ابوبکرؓ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا رکھا؟ تو عرض کی، ان کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول ہی بس ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے رو کر عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں اور میرا مال آپؐ ہی کا تو ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جیش اسامہ کو اپنی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سات سو مجاہدین پر مشتمل اس جیش کو خود حضورؐ نے اپنے وصال سے پہلے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا لیکن آپؐ کی شدید علالت اور وصال کے باعث یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا تھا۔ اسی اثناء میں سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ بعض صحابۂ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ اس نازک وقت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مرکزِ خلافت کو کمزور کر دے گا اس لیے اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ صدیق اکبرؓ یہ مشورہ سن کر جلال میں آگئے اور فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابُوبکر کی جان ہے، اگر مجھے جنگل کے درندے اٹھا کر لے جائیں تب بھی میں جیشِ اُسامہ کو روانہ کر کے رہوں گا کہ اسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی متنفس باقی نہ رہے تو بھی حضورؐ کے حکم کی تعمیل ہو کر رہے گی۔"

یہ صدیقِ اکبرؓ کے عشقِ رسولؐ کی چند مثالیں ہیں ورنہ ان کی تو ساری زندگی ہی عشقِ رسولؐ کے واقعات سے معمور اور روشن ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ صدیقِ اکبرؓ نے عشقِ رسولؐ کا جو نمونہ پیش کیا نہ آج تک اس کی مثال کوئی پیش کر سکا اور نہ قیامت تک پیش کر سکے گا، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

ادب واحترامِ نبویؐ

حضرت ابُوبکر صدیقؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبّت اور عقیدت کی بنا پر آپؐ کا جس قدر ادب اور احترام کرتے تھے وہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ حضورؐ کے سامنے ہمیشہ نہایت دھیمی آواز میں گفتگو کرتے تھے اور بات بات میں کہتے تھے

"اے اللہ کے رسولؐ میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں....."

سفر میں حضورؐ کے ہمرکاب ہوتے تو آپؐ کے آرام و راحت کا خیال رکھتے۔ آپؐ استراحت فرما ہوتے تو آپؐ کو سوتے سے جگاتے نہ تھے جب تک کہ آپؐ خود نہ اٹھ بیٹھیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب)

سفرِ ہجرت میں ایک مقام پر حضورؐ کو سوتا چھوڑ کر دودھ کی تلاش میں نکلے تھے جب واپس آئے تو خود بیان فرماتے ہیں :

"میں نے آپؐ کو جگانا مکروہ سمجھا" (صحیح بخاری کتاب المناقب)

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نزاع کے چکانے کے لیے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت آگیا تو مؤذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے۔ وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضورؐ واپس تشریف لے آئے اور جماعت میں شریک ہو گئے لوگوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے لیکن جب لوگ برابر ہاتھوں پر ہاتھ مارتے رہے تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو لیکن وہ پیچھے ہٹ آئے اور حضورؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے پوچھا: "جب میں نے منع کیا تھا تو تم پیچھے کیوں ہٹ آئے؟"

عرض کیا :

"ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ کے رسولؐ کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔" (مُسندِ ابوداؤد)

ہجرت کے واقعہ میں قبا سے باہر قیام کیا۔ جب حضورؐ پر دھوپ پڑنے لگی تو آپؐ کو دھوپ سے بچانے کے لیے چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ اور بھی کئی موقعوں پر ایسا ہی کیا۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مصروفِ کلام تھے۔ کسی خانگی اور نجی مسئلے پر گفتگو تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آواز بلند ہو گئی، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ادھر آ نکلے۔ اپنی لختِ جگر کو بلند (اور قدرے تلخ)

لہجے میں گفتگو کرتے دیکھا تو طیش میں آگئے اور گرج کر کہا :

"ہائیں تو رسول اللہؐ کے سامنے آواز اونچی کرتی ہے ؟"

پھر ان کو طمانچہ مارنے کے لیے ہاتھ بھی بلند کر دیا لیکن حضورؐ آڑے آگئے۔

(ازالۃ الخفا)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن میرے گھر میں انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار نے جنگِ بعاث کے موقع پر فخریہ طور پر کہے تھے۔ یہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والی نہیں تھیں اتنے میں میرے والد بزرگوار (حضرت ابوبکرؓ) تشریف لائے۔ انہوں نے ناراض ہو کر فرمایا۔ "یہ شیطان کی آوازیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں ؟"

اس وقت حضورؐ لیٹے ہوئے تھے اور ایک کپڑے سے اپنا چہرۂ مبارک ڈھانک رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی برہمی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان لڑکیوں کا گانا حضورؐ کے ادب و احترام کے منافی جانا لیکن آپؐ نے رُخِ اقدس سے کپڑا ہٹا کر فرمایا :

"ابوبکر ان بچیوں سے درگزر کرو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔" (صحیح بخاری جلد-۱)

عہدِ رسالت کے آخری دنوں میں جب حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غیر حاضری میں نماز پڑھاتے تھے ایک دن حضورؐ مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مصلّے سے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے روکا اور اُن کے برابر بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

جس روز حضورؐ نے وفات پائی صبح کے وقت حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر نماز کی کیفیت ملاحظہ فرمانی چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے کے لیے

کھڑے ہو چکے تھے انہوں نے سمجھا کہ حضورؐ تشریف لانا چاہتے ہیں فوراً پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے اشارے سے منع فرمایا اور پردہ گرا دیا۔ (صحیح بخاری)

ماں باپ کا ادب

حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے والدین کا بہت ادب کرتے تھے۔ تمام عمر دل و جان سے اُن کی خدمت کرتے رہے۔ والدہ حضرت سلمیٰؓ بنت صخر نے شروع میں اسلام قبول نہیں کیا۔ ایک دفعہ کفار نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنے کے "حرم" میں مار مار کر سخت زخمی کر دیا۔ رات ہوئی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ہوش آیا تو اُن کی خواہش پر حضرت سلمیٰؓ اور حضرت فاطمہؓ بنتِ خطاب ان کو سہارا دے کر دارِ ارقم میں حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں لے گئیں۔ اس موقع پر صدیقِ اکبرؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ:

"یا رسول اللہؐ میری والدہ کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے اور وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں۔"

حضورؐ نے ان کے لیے دعا کی اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

والد حضرت ابو قحافہؓ نے فتح مکہ تک اسلام قبول نہیں کیا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ ان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ نے انہیں اسلام کی تلقین فرمائی اور وہ اسی وقت شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

بیویوں سے حسنِ سلوک

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ تم میں کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنی بیوی (یا بیویوں) سے اچھا سلوک نہ کرے حضرت ابُوبکر صدّیقؓ اپنی (مومنہ) بیویوں سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے اور ان کی خانگی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔

(قُتیلہ اور اُمِ بکر کو انہوں نے کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے طلاق دے دی تھی)

ان کی ایک اہلیہ حضرت اسماءؓ بنت عُمیس خثعمیہ پہلے حضورؐ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (شہید مُوتہ) کے نکاح میں تھیں۔ ان کی صُلب سے مُحمّدؒ بن جعفر پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابُوبکرؓ کی صلب سے ایک بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام بھی مُحمّدؒ رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ بنت عُمیس نے حضرت علیؓ سے نکاح کرلیا اور ان کے دونوں بیٹے مُحمّدؒ بن جعفرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ حضرت علیؓ کی تولیت میں آگئے۔ ایک دن یہ بچّے اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔ حضرت علیؓ نے دونوں بچّوں کی بحث سنی تو حضرت اسماءؓ سے فرمایا، تم اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔

حضرت اسماءؓ نے کہا "میں نے نوجوانانِ عرب میں جعفرؓ سے بڑھ کر اچھے اخلاق والا کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں ابُوبکرؓ سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسکرا کر فرمایا، "تم نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تمام بیویوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے تھے اور ان کے حقوق پورا کرتے ہیں "عدل" کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔

رازداری

دوست کا راز امانت ہوتا ہے اور سچا دوست اپنے دوست کے راز کو کبھی افشا نہیں کرتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُحب بھی تھے اور محبوب بھی، آپؐ کے دوست بھی تھے اور رفیق بھی، اس لیے حضورؐ کے راز کو کبھی کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ حضرت عُمر فاروقؓ ان کے نہایت مخلص دوست تھے لیکن حضورؐ کا راز ان کو بھی بتانا گوارا نہ تھا۔

حضرت حفصہؓ بنت عُمرؓ کے پہلے شوہر حضرت خُنیسؓ بن حُذافہ کی وفات کے بعد حضرت عُمر فاروقؓ ایک دن حضرت عثمانِ غنیؓ سے ملے اور ان سے کہا اگر تم پسند کرو تو حفصہؓ سے تمہارا نکاح پڑھا دوں۔ انہوں نے جواب دیا، میں غور کر دوں گا۔ چند دن بعد ملے تو کہا، میرا ارادہ نہیں ہے۔ اب حضرت عُمرؓ نے حضرت ابُو بکرؓ سے یہی بات کہی۔ وہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ ان کی خاموشی سے حضرت عُمرؓ کو بہت دُکھ ہوا کیونکہ حضرت ابُو بکرؓ سے ان کے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ خود کہتے ہیں:

"عثمانؓ کے انکار پر مجھ کو جو رنج ہوا ابُو بکرؓ کی خاموشی پر مجھے اس سے زیادہ رنج ہوا۔"

چند روز کے بعد حضرت حفصہؓ کا نکاح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ نکاح

کے بعد حضرت ابُوبکرؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور فرمایا، "تم کو میری خاموشی سے رنج تو ہوا ہوگا۔" انہوں نے کہا "ہاں"

حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا:

"تمہاری بات کا جواب دینے سے جس چیز نے مجھے روکا وہ یہ تھی کہ اس سے پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن (حفصہؓ) سے نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے۔ میں نے آپؐ کے راز کو فاش کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپؐ اپنا ارادہ ترک کر دیتے تو میں اُن (حفصہؓ) سے نکاح کر لیتا۔" (صحیح بخاری کتاب المغازی)

مریضوں کی عیادت

مریضوں کی عیادت کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کبھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت میں اور کبھی تنہا مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ بیمار ہوئے تو حضرت ابُوبکرؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ پاپیادہ بنو سلمہ کے محلے میں گئے اور حضرت جابرؓ کے گھر جا کر ان کی عیادت کی۔

تعزیت

انتقال کرنے والوں کے اعزّہ و اقارب کے پاس جا کر ان کو صبر کی تلقین کرنا اور تسلّی دینا سُنّتِ نبویؐ ہے۔ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ اکثر غمزدہ خاندانوں

میں تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ حضورؐ کی وفات نے ان کو سخت غمزدہ کر دیا تھا لیکن تعزیت کے لیے اُمّ ایمنؓ کے پاس تشریف لے گئے جو بچپن میں حضورؐ کی کھلائی تھیں اور آپ ان کو امی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سہیلؓ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ مکہ گئے تو ان کے والد حضرت سہیلؓ بن عمرو کے پاس جا کر ان کی تعزیت کی۔

بُخل سے نفرت

ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تو حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ اپنے حصے سے مطمئن نہ ہوئے اور ان کے منہ سے نکل گیا "آپ مجھ کو مال دینے میں بُخل کرتے ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بات سن کر تین مرتبہ فرمایا:

"تم کہتے ہو کہ میں بُخل کرتا ہوں؟ بھلا بُخل سے زیادہ بُرا کوئی مرض ہو سکتا ہے۔"

جب حضرت جابرؓ نے بتایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں مال کے تین آبخورے بھر کر دوں گا تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تین آبخورے بھر کر دیئے ان میں ۱۵۰۰ سکے آئے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی)

خوش طبعی

باہمہ متانت و وقار حضرت ابوبکر صدیقؓ میں خوش طبعی اور مزاح کی حس بھی موجود تھی۔ ایک مرتبہ نمازِ عصر پڑھ مسجد نبوی سے نکلے۔ راستے میں سبطِ رسولؐ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (سیدنا حضرت حسنؓ اس وقت کم سِن تھے)۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی قریب ہی موجود تھے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت حسنؓ کو فرطِ محبت سے کاندھے پر اٹھالیا اور فرمایا:

یا بابی شبه النبی لیس شبیهاً بعلی

میرا باپ تجھ پر قربان ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو علیؓ کے مشابہ نہیں۔

حضرت علیؓ نے سنا تو ہنس پڑے

(صحیح بخاری کتاب المناقب و مسندِ احمد ج ۱)

پریشان حال رہنا پسند نہ تھا

حضرت ابوبکر صدیقؓ اگرچہ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے اور ان کی بود و باش، لباس اور غذا میں بھی بہت سادگی تھی لیکن ان کو تقشف پسند نہیں تھا۔ تجارت کے ذریعے خوب کماتے تھے اور جو آمدنی ہوتی تھی راہِ حق میں دینے کے علاوہ اس کو اپنی ضروریات پر بھی صرف کرتے تھے۔ کام کاج کے لیے گھر میں خادم تھا۔ ایک روایت کے مطابق خادمہ بھی۔ باہر سے کوئی وزنی چیز لانی ہوتی

توکسی سے اٹھوا کر لاتے۔ ایک دفعہ حضرت عازب انصاریؓ سے اونٹ کا پلان خریدا تو ان سے کہا، اپنے لڑکے کو ساتھ کر دو، وہ اس کو اٹھا کر میرے ہاں چھوڑ آئے۔ سواری کے جانور بھی رکھتے تھے۔ حضورؐ کی رحلت کی خبر سن کر سُنح سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

دو مکان تھے، ایک مسجدِ نبوی سے متّصل تھا اور ایک مدینہ منوّرہ کے نواحی محلہ سُنح میں واقع تھا۔ سُنح والا مکان دو منزلہ تھا۔

خودداری

سیّدنا صدّیق اکبرؓ انتہا درجے کے خوددار تھے اگرچہ وہ دوسرے لوگوں کے معمولی سے معمولی کام اپنے ہاتھ سے کر دیتے تھے لیکن اپنا کام کسی دوسرے سے لینے میں اجتناب کرتے تھے اور ہمیشہ کوشش کرتے کہ اپنا ہر کام خود کریں۔ اگر اونٹ پر سوار ہو کر کہیں جا رہے ہوتے اور اونٹ کی نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اتر کر نکیل اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے عرض کیا:

"آپ خود کیوں اتنی زحمت اٹھاتے ہیں ہم سے اس معمولی کام کے لیے کیوں نہیں کہتے؟"

فرمایا: — ان حبیبی صلّی اللہ علیہ وسلّم امرنی ان لا اسئل النّاس شیئًا۔

(میرے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مجھ کو حکم ہے کہ میں لوگوں سے کسی شے کا سوال نہ کروں)

سفر میں کسی سے کوئی کھانے پینے کی چیز لینے کی ضرورت پڑ جاتی تو اس کا معاوضہ دیتے۔

نظافت

مزاج میں بے حد نظافت تھی۔ صفائی اور طہارت کو بہت پسند کرتے تھے۔ ہجرت کے سفر میں ایک چٹان کے سائے میں کچھ دیر کے لیے قیام کیا تو انہوں نے پہلے اپنے ہاتھ سے زمین ہموار کی پھر اس پر پوستین بچھا کر حضورؐ سے عرض کی "یا رسول اللہ آپ آرام فرمائیں میں آس پاس کی زمین صاف کیے دیتا ہوں" حضورؐ سو گئے اور وہ زمین صاف کرنے لگے۔ اتنے میں ایک چرواہا بکریوں کا گلہ لیے وہاں آگیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے دودھ کی فرمائش کی۔ جب وہ دوہنے لگا تو انہوں نے چرواہے سے کہا کہ پہلے بکری کے تھن گرد سے صاف کرلو۔ جب اس نے صاف کر دیئے تو فرمایا اب اپنے ہاتھ صاف کرو۔ جب اس نے ہاتھ بھی صاف کرلیے تو اس کو دودھ دوہنے کی اجازت دی۔

دودھ، پانی وغیرہ ڈالنے کے لیے انہوں نے جو برتن ساتھ لیا تھا اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا تھا تاکہ برتن کے اندر ریت گرد وغیرہ نہ جائے۔

بے تعصّبی

سیّدنا صِدّیق اکبرؓ کی طبیعت میں کسی قسم کے تعصّب یا قومی عصبیّت کا شائبہ تک نہ تھا۔ غزوہ حُنین میں ایک کافر کو حضرت ابوقتادہ انصاریؓ نے قتل کیا لیکن اس کے سامان پر مکّہ کے ایک قریشی نے قبضہ کرلیا۔ حضرت ابوقتادہؓ نے اس سامان کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا شیر مال سے محروم رہے اور قریش کی ایک چڑیا مفت میں مزے اڑائے ـــــ حضورؐ نے فرمایا، ابوبکرؓ نے سچ کہا اور مقتول کافر کا مال حضرت ابوقتادہؓ کو دلا دیا۔

شام پر لشکر کشی ہوئی تو مجاہدین کو رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان سے کوئی تعرّض نہ کرنا۔ دشمن کی عورتوں بچّوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا اور کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا۔

وفات سے پہلے اپنا جانشین نامزد کرنے لگے تو اپنے قبیلے بنو تیَم کو بالکل نظر انداز کر دیا اور حضرت عمرِ فاروقؓ کو نامزد کیا۔

اولاد سے محبّت

سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبّت تھی اپنے قول وعمل سے وہ اکثر اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ الگ مکان میں رہتے تھے لیکن اُن کے گھر کا خرچ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ذمّہ لے رکھا تھا۔

بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت زبیرؓ بن العوام سے ہوئی تھی۔ وہ شروع شروع میں بہت تنگدست تھے۔ گھر میں کوئی خادم یا خادمہ رکھنے کی مقدرت نہ تھی اس لیے حضرت اسماءؓ کو بہت کام کرنا پڑتا۔ وہ آٹا گوندھتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، پانی بھرتی تھیں، ڈول سیتی تھیں اور کافی فاصلے سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتی تھیں یہاں تک کہ گھوڑے کو چارہ بھی کھلاتی

تھیں۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے ایک خادم بھیج دیا، جو گھوڑے کو چارہ کھلاتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ خادم بھیج کر "گویا آبا جان نے مجھ کو آزاد کر دیا" (صحیح بخاری)

ہجرت کے بعد شروع شروع میں مہاجرین کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی اور وہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی بخار آنے لگا۔ حضرت براءؓ بن عازبؓ انصاری سے روایت ہے کہ اسی زمانے میں حضرت ابُوبکرؓ نے میرے والد سے اونٹ کا کجاوہ خریدا۔ میں اس کو اٹھا کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کو بخار ہے اور وہ بستر پر پڑی ہیں۔ حضرت ابُوبکرؓ ان کے پاس گئے۔ جھک کر ان کے رخسار کو چوما اور پوچھا:

"بیٹی تمہارا کیا حال ہے۔"

حضرت عائشہؓ کے نام نواحِ مدینہ میں ایک جاگیر ہبہ کر دی تھی لیکن وفات سے پہلے خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "بیٹی تونگری اور غریبی دونوں حالتوں میں تم مجھ کو بہت محبوب رہی ہو میں چاہتا ہوں کہ جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اس میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو بھی شریک کر لو۔" سعادت مند بیٹی نے کہا "بسر و چشم"۔ چنانچہ پدرِ گرامی کی وفات کے بعد انہوں نے حسبِ وصیّت وہ جاگیر تقسیم کر دی۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ کو اپنی بیوی عاتکہؓ سے نہایت محبّت تھی اس کی وجہ سے انہوں نے جہاد پر جانا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابُوبکرؓ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے انہوں نے حضرت عبد اللہؓ کو حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل تو کر دی لیکن عاتکہؓ کے فراق میں بڑے پُردرد اشعار کہے۔ حضرت ابُوبکرؓ کے کانوں تک یہ اشعار پہنچے تو ان کا دل پسیج گیا اور انہوں نے حضرت عبد اللہ

کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔

بچّوں سے پیار

جس طرح سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم بچّوں سے بہت محبّت کرتے تھے اسی طرح حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ بھی بچّوں پر بہت شفیق تھے اس میں اپنے اور بیگانے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بچّے بھی ان سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ جب وہ محلّے میں نکلتے تو بچّے بابا بابا کہہ کر دوڑتے اور آ کر اُن سے لپٹ جاتے حضرت ابوبکرؓ ہر ایک سے پیار کرتے کسی کو گود میں اٹھاتے، کسی کو کندھے پر بٹھلاتے اور کسی کا منہ سر چومتے۔ مجاہدین لڑائی پر روانہ ہونے لگتے تو ان کو سخت تاکید کرتے کہ خبردار کسی بچّے کو نہ مارنا۔

غزوۂ اُحُد کے بعد ایک صحابی حضرت ابُوبکرؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے ہیں اور ایک ننھی بچّی کو اپنے سینے پر بٹھا رکھا ہے، نہایت محبّت سے بار بار اس کو چوم رہے ہیں اور پیار کر رہے ہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا: "اے ابوبکر یہ بچّی کون ہے؟"

فرمایا:

"یہ سعدؓ بن ربیع انصاری کی بیٹی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ عطا کیا اس نے (غزوۂ اُحُد میں) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اپنی جان قربان کر دی اور قیامت کے دن وہ حضُورؐ کے نقیبوں میں شمار کیا جائے گا۔"

یہی بچّی حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کے اوائلِ خلافت میں ان کی خدمت میں حاضر

ہوئیں تو خلیفۃ الرسولؐ نے ازراہِ محبت چادر بچھا دی اور بڑی شفقت سے ان کو اس پر بٹھایا۔

خاندانِ نبوت سے محبت

سیدنا صدیق اکبرؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن اعزہ واقارب سے بہت محبت کرتے تھے اور حضورؐ سے تعلق کی بناء پر ان کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ وہ اُن اصحابِ رسولؐ میں سے تھے جنھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کا رشتہ مانگنے کی ترغیب دی۔ جب حضورؐ نے اسے منظور فرما لیا اور حضرت علیؓ نے اپنی زرہ کے عوض کچھ رقم حاصل کرکے آپؐ کی خدمت میں پیش کی تو آپؐ نے اس رقم کا ایک حصہ حضرت ابوبکرؓ کو دیا کہ سیدہ فاطمہؓ کے لیے کچھ کپڑے اور سامان خرید لائیں۔ پھر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بازار بھیجا حضرت ابوبکرؓ نے بڑے ذوق وشوق سے کپڑے اور دوسرا سامان خریدا۔ کچھ اس میں سے خود اٹھایا اور باقی دوسرے اصحاب نے، اور یہ سب کچھ لاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مجلسِ نکاح میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی موجود تھے حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کا سارا اہتمام اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں کیا گیا۔

صدیق اکبرؓ کو کبھی راستے میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بچے کھیلتے ہوئے مل جاتے تھے تو ان کو گود میں اٹھا لیتے تھے اور بہت پیار کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن ولید نے عراق سے مالِ غنیمت بھیجا۔ اس میں

ایک قیمتی طیلسان بھی تھا جو حضرت ابُوبکرؓ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا حضرت ابُوبکرؓ نے ازراہِ محبت یہ طیلسان سیّدنا حسینؓ بن علیؓ کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔

(فتوح البلدان، بلاذری)

خیبر اور فدک کی جائداد کے سلسلے میں حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کی جو گفتگو حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ہوئی اس میں انہوں نے فرمایا :

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ سلوک کرنے میں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اقربا اپنے اقربا سے زیادہ محبوب ہیں۔"

(صحیح بخاری، کتاب المغازی)

حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابُوبکر صدّیقؓ اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور مزاج پُرسی کے بعد فرمایا :

"میں نے تو گھر بار، مال و دولت اور کنبہ و قبیلہ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا اور اے اہلِ بیت تمہاری رضا کے لیے چھوڑا تھا۔"

یہ سُن کر حضرت فاطمہؓ ان سے خوش ہوگئیں اور بعض روایات کے مطابق قضیئہ فدک کے سلسلے میں ان کے دل میں جو تکدر پیدا ہو گیا تھا وہ دور ہو گیا۔

گھر آکر حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے اپنی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کو ہدایت کی کہ وہ سیّدہ فاطمہؓ کی تیمارداری کریں۔ چنانچہ ان کے آخری دنوں میں حضرت اسماءؓ ان کی تیمارداری کرتی رہیں۔ علّامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ کا جنازہ جس تابوت میں اٹھایا گیا اس کے بنانے کا طریقہ حضرت اسماءؓ ہی نے بتایا ———— حضرت اسماءؓ حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے میں بھی شریک تھیں (ابنِ جوزی) ان کے دورانِ علالت میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ سے نماز کے بعد روزانہ سیدہؓ کا حال دریافت کرتے رہے۔ بعض روایات کے مطابق تو سیدہؓ کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھایا۔ (ریاض النضرہ، محب الدین طبری۔ طبقات ابن سعد، مسند احمد۔ کنز العمال)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو سیدہ فاطمہؓ کی علالت اور وفات کی خبر ہی نہ دی۔ لیکن ان روایتوں کی صحت اس لیے محل نظر ہے کہ صدیق اکبرؓ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس حضرت فاطمہؓ کی وفات سے پہلے ان کے پاس موجود تھیں اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی وفات سے بے خبر کیسے رہ سکتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ کو ساتھ لے کر حضرت علیؓ کے پاس گئے اور سیدہؓ کی تعزیت کی۔

(خلفائے راشدین کی یگانگت۔ از منشی عبدالرحمان خاں بحوالہ کشف الغمہ، مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل بیت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق کا عام طرز عمل یہ تھا:

ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اهل بیته

(اہل بیت کے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرو)

وہ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔

چونکہ ازواج مطہراتؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں، سیدنا صدیق اکبرؓ ان کا بھی بہت احترام اور لحاظ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو بھی "امّ المؤمنین" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

خشیتِ الٰہی

خشیتِ الٰہی جو تمام عبادات واعمال کی روح ہے اس کا حضرت ابُوبکر صدِّیق رضؓ پر اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت محاسبۂ آخرت کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے تھے۔ بات بات پر سرد آہیں بھرتے تھے اسی لیے ان کا لقب ـــــ "اَوَّاہٌ مُنِیبٌ" یعنی بہت آہیں بھرنے والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا پڑ گیا تھا۔

کبھی کسی سرسبز درخت کی طرف دیکھتے تو فرماتے:

"کاش میں درخت ہی ہوتا تاکہ محاسبۂ آخرت سے نجات پا جاتا۔"

کسی باغ کی طرف گزرتے اور پرندوں کو اڑتے پھدکتے اور چہچہاتے دیکھتے تو آہِ سرد کھینچ کر فرماتے:

"پرندو تمہیں مبارک ہو کہ جہاں چاہتے ہو چرتے چگتے ہو جس درخت کے سایے میں چاہتے ہو بیٹھ جاتے ہو۔ حشر کے دن تمہارا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ کاش ابُوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔"

(کنز العمال)

ایک دن حضرت عُمر فاروق رضؓ، سیّدنا صِدّیق اکبر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ بولے، اللہ آپ کو معاف فرمائے ایسا نہ کیجئے۔ فرمایا: "اسی زبان نے تو مجھے برباد کیا ہے۔" (مؤطا امام مالکؒ)

ایک دفعہ فرمایا:-

"اے کاش میں رہگزر کے کنارے کا ایک درخت ہوتا کہ میرے پاس

سے کوئی اونٹ گزرتا اور مجھے اپنے منہ میں رکھ کر چبا جاتا پھر میں مینگنی بن کر نکل جاتا لیکن انسان نہ بنا ہوتا۔" (مُسندِ احمد)

ایک بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کبر و غرور سے اپنا کپڑا لٹکا کر چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ کرے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کا ارشادِ گرامی سنا تو خوفِ خدا سے لرز اٹھے۔ عرض کیا:

"یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے کپڑے کا ایک کنارہ لٹکتا رہتا ہے البتہ اگر میں اس کا خیال رکھوں۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم تکبر اور غرور سے اپنا کپڑا نہیں لٹکاتے۔" (صحیح بخاری)

ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں شکر رنجی ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے کوئی سخت جملہ نکل گیا اور حضرت عمرؓ ناراض ہو کر اٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ خوفِ خدا سے لرز اٹھے اور ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتے چلے "عمرؓ تم میرے لیے خدا سے مغفرت مانگو" لیکن حضرت عمرؓ زیادہ ناراض تھے انہوں نے معاف نہ کیا اور اپنے گھر کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ صدیق اکبرؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ کپڑے کا ایک کنارہ ہاتھ میں تھا، زانو کھل گیا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ حضورؐ کی خدمت میں تمام واقعہ بلا کم و کاست عرض کیا۔ آپؐ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ

"اے ابوبکر اللہ تمہاری مغفرت فرمائے"

کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کا غصہ دور ہوا تو ان کو اپنی بے اعتنائی اور معافی

نہ دینے پر ندامت ہوئی فوراً حضرت ابُوبکرؓ کے مکان پر گئے اور پوچھا "اثم ابوبکر" کیا ابوبکرؓ موجود ہیں ؟ جواب ملا "نہیں"۔ اب حضرت عمرؓ بھی بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھا تو آپؐ کے چہرۂ اقدس پر غصّے کے آثار نمودار ہوئے۔ حضرت ابُوبکرؓ ڈرے کہ کہیں عمرؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب میں نہ آجائیں۔ فوراً حضورؐ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا:
"یارسول اللہ واللہ انا کنت اظلم۔ یارسول اللہ خدا کی قسم زیادتی میری تھی۔"
حضرت ابُوبکرؓ نے یہ جملہ دو مرتبہ کہا تو حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم میرے رفیق کو مجھ سے چھڑا دو گے۔ کیا تم میرے رفیق کو مجھ سے چھڑا دو گے (دوبار) میں نے کہا تھا لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن تم نے میری بات کی تکذیب کی اور ابُوبکرؓ نے کہا آپؐ سچ کہتے ہیں۔"

ایک دفعہ حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی کے مابین زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابُوبکرؓ نے انھیں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں احساس ہوا تو نہایت عجز کے ساتھ حضرت ربیعہؓ سے درخواست کی کہ ربیعہ تم مجھے سخت سُست کہہ لو تاکہ آخرت میں مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔ ربیعہؓ حضرت ابُوبکرؓ کے مرتبے سے واقف تھے کوئی سخت بات کہنے پر آمادہ نہ ہوئے اِس پر صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا، "تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری شکایت کروں گا۔" ربیعہؓ بولے "آپ اس معاملے کو یہیں رہنے دیں، واللہ میں اس زمین سے آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔" تاہم حضرت ابُوبکرؓ بارگاہِ نبویؐ کی طرف چل دیئے۔ حضرت ربیعہؓ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ اتنے میں ان کے قبیلے کے کچھ لوگ آگئے اور کہنے لگے: "یہ تو خوب رہی کہ سخت بات بھی خود کہی اور پھر حضورؐ سے شکایت کرنے بھی جا رہے ہیں۔" ربیعہؓ

نے ان کو ڈانٹ کر کہا "تم لوگ اس معاملہ میں مداخلت نہ کرو۔ تمہیں علم نہیں یہ رسول اللہؐ کے رفیقِ غار ہیں۔ انہوں نے تم لوگوں کو اس طرح میری حمایت کرتے دیکھا تو غضبناک ہو جائیں گے اور حضورؐ نے ان کو غضبناک دیکھا تو آپؐ کو بھی غصہ آجائے گا اور ان دونوں کے غصے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑک اٹھے گا اور ربیعہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ لوگ تو یہ سن کر واپس چلے گئے اور حضرت ربیعہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے پیچھے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو گئے۔ دونوں نے اپنی معروضات حضورؐ کی خدمت میں پیش کیں تو آپؐ نے فرمایا، "ربیعہ تم نے اچھا کیا کہ ابوبکر کو کوئی سخت بات نہیں کہی۔ تم اب یوں کہہ دو، ابوبکر اللہ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے۔" حضرت ربیعہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی تو صدیقِ اکبرؓ پر رقّت طاری ہو گئی اور وہ زار زار رونے لگے۔ (فتح الباری، ابنِ حجرؒ)

ایک مرتبہ اپنے ایک غلام پر خفا ہوئے اور اس کو لعنت ملامت کی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا:

"اے ابوبکر! صدیقین اور لعانین دونوں ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہو گئے۔ اسی وقت بطور کفّارہ چند غلام آزاد کر دیئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اب میں کبھی کسی پر لعن طعن نہیں کروں گا۔" (ادب المفرد۔ بخاری)

ایک دفعہ جمعہ کے دن منبر سے اعلان کیا کہ آج میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا لیکن لوگ اونٹ لینے کے لیے اس وقت میرے پاس آئیں جب میں بلاؤں۔ یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا، "یہ اونٹ کی مہار لو اور

خلیفۃ الرسولؐ کی خدمت میں جاؤ ممکن ہے تمہیں بھی ایک اونٹ مل جائے۔"

وہ شخص مہار لیے ہوئے بارگاہِ خلافت میں چلا گیا اور ایک اونٹ کے لیے درخواست کی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اس وقت کسی اور ضروری کام میں مشغول تھے۔ انہوں نے اس شخص کو بطورِ تادیب اسی مہار سے مارا ــــــ جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"اس شخص کو بلاؤ جسے میں نے مارا تھا۔"

وہ شخص ڈرتا ڈرتا حاضر ہوا تو خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا:

"بھائی میں نے تمہیں اس مہار سے مارا تھا تم بھی اسی مہار سے مجھے مار کر اپنا بدلہ لے لو۔"

حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقع پر موجود تھے انہوں نے کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ ــ یہ رسم قائم نہ کیجیے آپ کا مارنا بلا جواز نہ تھا اس شخص نے حکم عدولی کی تھی۔"

فرمایا: "یہ درست ہے لیکن قیامت کے دن مجھ سے باز پرس ہوئی تو کیا جواب دوں گا۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی ایسی تعریف کرو جس کا وہ سزاوار ہے اور امید و خوف دونوں کو مخلوط رکھو۔ دعا مانگتے وقت الحاح و زاری اختیار کرو۔ دیکھو اللہ نے زکریاؑ اور ان کے گھر والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ یَدْعُوْنَنَا

رَغَباً وَّ رَهَباً وَ کَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْن۔

یعنی وہ نیکیوں کے معاملے میں تیز قدمی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمیشہ عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے تھے۔

احتیاط اور تقویٰ

احتیاط اور تقویٰ بھی خوفِ خدا ہی کی شاخیں ہیں۔ سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کی احتیاط اور تقویٰ کی عجیب شان تھی۔ ایک مرتبہ وہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک مقام پر پڑاؤ ہوا۔ سب حضرات مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہر گئے۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ایک اعرابی کے گھر میں قیام فرمایا۔ ایک اور اعرابی اسی گھر میں مہمان ٹھہرا۔ میزبان کی بیوی امید سے تھی۔ مہمان اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط طے کی کہ اگر وہ سب مہمانوں کو بکری کا گوشت کھلائے گی تو اس کے لڑکا پیدا ہوگا۔ عورت نے یہ شرط منظور کر لی اور بکری ذبح کر دی۔ مہمان اعرابی نے اس کے گوشت پر کچھ الٹے سیدھے مسجع جملے پڑھ دیئے۔ بکری کا گوشت کھانے کے بعد حضرت ابُوبکرؓ کو اس شرط کا علم ہوا تو ان کی طبیعت میں سخت انقباض پیدا ہوا اسی وقت حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔ (مُسند احمد)

ایک مرتبہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا۔ اس نے کہا "آپ ہمیشہ پوچھا کرتے تھے کہ فلاں چیز کیسی کمائی کے پیسے سے لایا ہے مگر آج آپ نے نہیں پوچھا"

فرمایا، "بھوک کی شدّت میں ایسا ہو گیا اب بتا کس طرح لایا ہے؟"
غلام بولا، "میں جاہلیت میں جھوٹ موٹ کہانت کا کام کرتا تھا۔ اُسی زمانے میں ایک شخص نے مجھ سے کہانت کرائی تھی (کچھ منتر پڑھوائے تھے) اور اس کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج ایک شادی کی تقریب میں وہ مجھے مل گیا تو اس کہانت کے عوض مجھے یہ کھانا دیا (یا کچھ رقم دی جس سے میں نے یہ کھانا خریدا)۔"
حضرت ابُوبکرؓ نے یہ سُن کر فرمایا: "افسوس! تُو نے تو مجھے مار ہی ڈالا" پھر حلق میں انگلی ڈال کر قے کرنی چاہی مگر لقمہ باہر نہ نکلا۔ کسی نے کہا، پانی کے ذریعے قے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے بہت سا پانی منگایا اور اس وقت تک پانی پی پی کر قے کرتے رہے جب تک لقمہ نکل نہیں گیا۔
ایک شخص نے عرض کیا "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے ایک لقمہ نکالنے کے لیے اتنی زحمت اٹھائی۔"
فرمایا: "اگر یہ لقمہ نکالنے کی خاطر میری جان بھی چلی جاتی تو میں اسے ضرور نکالتا۔ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جو بدن حرام مال سے پرورش پائے اس کے لیے آگ موزوں ہے۔"

(صحیح بخاری ــ خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (ابو محمد امام الدین))

ایک مرتبہ صدّیقِ اکبرؓ کی اہلیہ کا دل مٹھائی کھانے کو چاہا۔ شوہرِ نامدار سے اس کی فرمائش کی تو انہوں نے فرمایا "میرے پاس اتنے دام نہیں ہیں کہ تمہارے لیے مٹھائی خرید سکوں۔"
اہلیہ نے عرض کیا: "اچھا آپ دام نہ دیجیے صرف اتنی اجازت دے دیجیے کہ روزانہ خرچ کے لیے آپ جو پیسے مجھے دیتے ہیں ان میں سے کچھ پیسے بچا

لیا کروں۔"

فرمایا: "اس کا تمہیں اختیار ہے۔"

جب چند روز میں کچھ رقم جمع ہو گئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دی کہ مٹھائی خرید لائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ "یہ رقم ہماری ضرورت غذا سے زیادہ ہے لہذا بیت المال کا حق ہے۔" چنانچہ وہ رقم بیت المال میں جمع کرادی اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص صدیق اکبرؓ کو ایک ایسے راستے سے لے چلا جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ پوچھا "یہ کون سا راستہ ہے؟"

اس نے کہا، "اس راستے میں ایسے بدقماش لوگ رہتے ہیں جن کے پاس سے گزرنے میں بھی شرم آتی ہے۔" یہ سننا تھا کہ فوراً پلٹ پڑے اور فرمایا، "میں ایسے شرمناک راستہ سے نہیں جا سکتا۔"

عبادت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عبادت الٰہی سے خاص شغف تھا۔ یہ شغف تمام عمر قائم رہا۔ اکثر دن کو روزے رکھتے اور راتیں نماز میں گزارتے۔ خشوع و خضوع کا یہ حال تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ قرآن کریم کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ تلاوت کے وقت اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے۔ موسم گرما میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ روزے رکھتے تھے۔ ایام تشریق کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتے

تھے۔ نماز اور تلاوتِ قرآن سے ان کے غیر معمولی لگاؤ کا اندازہ اسی واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ مکہ میں ظہورِ اسلام کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اپنے مکان کے احاطہ میں ایک مسجد بنائی جس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز روزہ جہاد اور خیرات سے شغف کے لحاظ سے بلند ترین درجہ رکھتے تھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایک جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا اس کو جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی، اے اللہ کے بندے یہ نیکی ہے۔ جو شخص نماز گزار ہو گا وہ باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہو گا وہ باب الجہاد سے بلایا جائے گا، جو روزہ دار ہو گا باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو مخیّر ہو گا اس کو باب الصدقہ سے آواز دی جائے گی۔

آپؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا، میرے باپ، ماں آپ پر قربان، جو شخص اُن دروازوں سے بلایا جائے گا ان کی ضرورت کے مطابق بلایا جائے گا۔ لیکن کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں ہو گے۔"

(بخاری کتاب الصوم باب الریان للصائمین)

اس روایت کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ خود ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نماز گزار، مجاہد، روزہ دار اور

محویت ہونے کا اپنی زبانِ مبارک سے اعتراف فرمایا۔

حضرت سہل رضؓ بن سعد نے حضرت ابوبکر رضؓ کے نماز میں انہماک کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"ابوبکرؓ نماز شروع کرتے تو فارغ ہونے تک دوسری طرف التفات نہیں کرتے تھے۔"

(بخاری کتاب التہجد باب ایجوز من التسبیح والحمد فی الصلوٰۃ للرجال)

رِقّتِ قلب

مؤمن کی رِقّتِ قلب، خشیتِ الٰہی ہی کا ایک پہلو ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا دل بہت نرم اور گداز تھا اور وہ خوفِ خدا سے بہت رویا کرتے تھے قرآن حکیم کی تلاوت کرتے وقت اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

"ابوبکرؓ بہت رونے والے شخص تھے جب قرآن پڑھتے آنسوؤں کو روک نہیں سکتے تھے۔" (صحیح بخاری)

اکثر فرمایا کرتے تھے:

"اے لوگو اللہ کے خوف سے روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو۔"

ایک دفعہ پینے کے لیے پانی مانگا۔ لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کیا۔ جیسے ہی پیالہ منہ کے پاس لے گئے رقّت طاری ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا فرمایا۔ "میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

آپؐ کسی چیز کو دُور دُور فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ کیا چیز ہے جس کو دُور فرما رہے ہیں، مجھے تو کوئی شے نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے فرمایا، دنیا میرے سامنے مجسّم ہو کر آئی تھی، میں نے اس سے کہا، دور ہو جا۔ وہ دُور ہو گئی مگر پھر دوبارہ آئی اور کہا آپؐ تو مجھ سے بچ کر نکل گئے، لیکن آپؐ کے بعد جو لوگ آئیں گے ان کا مجھ سے بچ کر نکلنا مشکل ہو گا ــــــ اس وقت یکایک مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا اور میں ڈرا کہ شاید دنیا مجھے اپنے جال میں پھنسا لے۔ (اُسدُ الغابہ)

واقعۂ افک میں جب حضرت عائشہ صدّیقہؓ نے رونا شروع کیا تو حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہو گیا۔

وفات سے پہلے جب رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ ابُو بکرؓ امامت کرائیں تو حضرت عائشہ صدّیقہؓ نے عرض کیا :

"ابُو بکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو اس قدر روئیں گے کہ قرأت کی آواز نہ سنائی دے گی۔" (صحیح بخاری)

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب اشارۃً اپنی وفات کی خبر سنائی ــــ تو سیدنا صدّیقِ اکبرؓ رونے لگے۔

ایک دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا :

"لوگو! پچھلے سال گرمیوں میں تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا تھا.....

یہ کہہ کر رونے لگے ـــــــــــــــ

جب ذرا سکون ہوا تو پھر فرمایا، پچھلے سال تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا تھا..... اتنا کہا اور پھر رونے لگے۔ بڑی مشکل سے طبیعت کو سنبھالا اور پھر فرمایا، آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور دنیا و آخرت کی عافیت طلب کرو۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ کی رقیق القلبی سے متاثر ہو کر بعض اوقات دوسرے لوگ بھی رو پڑتے تھے۔

حضرت اُمِّ ایمنؓ نے حضورؐ کے بچپن میں آپؐ کو کھلایا تھا اس لیے آپؐ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور " امی " کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے یہی وضع قائم رکھی۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ سے کہا: اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰی اُمِّ اَیْمَن نَزُوْرُھَا کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَزُوْرُھَا (چلو سُنّتِ نبوی کی پیروی کریں اور اُمِّ ایمن سے چل کر مل لیں۔) پھر ان کو ساتھ لے کر حضرت اُمِّ ایمنؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اُن کو دیکھ کر رونے لگیں۔ انہوں نے فرمایا:

" آپ روتی کیوں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی بہتر تھا کہ اللہ سے تقرب ہو جائے۔"

حضرت اُمِّ ایمنؓ نے کہا " یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن روتی اس لیے ہوں کہ اب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروق بے اختیار رونے لگے۔

(البدایہ والنہایہ ——— حافظ ابن کثیرؒ)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک دن منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ اتنے میں سیدنا حضرت حسنؓ بن علیؓ وہاں تشریف لائے اس وقت ان کا بچپن تھا حضرت اُبوبکر صدیقؓ کو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر دیکھا تو فرمایا: "میرے بابا کے منبر سے اتریں"، حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے فوراً انہیں گود میں اٹھا لیا اور فرمایا:

" بیٹے تم سچ کہتے ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جگہ ہے۔"

پھر حضورؐ کو یاد کر کے زار زار رونے لگے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی

موجود تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ کہیں ابُوبکرؓ یہ نہ سمجھیں کہ حسنؓ کو میں نے ایسا کہنے کے لیے سکھایا ہے۔ انہوں نے کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ! حسنؓ نے جو کچھ کہا ہے اس کا بچپنا ہے۔ میرا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں ہے۔"

حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے فرمایا: "بے شک آپ کا اس سے کچھ تعلق نہیں اور نہ میں آپ کو الزام دیتا ہوں۔" (ثانی اثنین ——— عبدالحلیم شررؔ)

غریبوں اور محتاجوں کی خدمت

غریبوں اور محتاجوں کی خدمت گزاری حضرت ابُوبکر صدیقؓ کا خاص مشغلہ تھا۔ وہ مصیبت زدوں کی اعانت کرتے تھے۔ غریبوں مسکینوں کی دستگیری کرتے تھے۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے تھے۔ قرابت داروں کا خیال رکھتے اور باقاعدگی سے ان کی مالی مدد کرتے تھے۔ حضرت مسطح بن اثاثہ ان کے غریب رشتہ دار تھے۔ صدیق اکبرؓ نے ان کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اُن کے یہ اخلاقِ طاہرہ ایسے تھے کہ غیر مسلم بھی ان کا اعتراف کرتے تھے۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ ہجرتِ حبشہ کا قصد کیا تو غیر مسلم رئیس ابن الدغنہ نے ان کے یہی اوصاف بیان کر کے انہیں حبشہ جانے سے روک دیا اور اپنی حمایت میں لے لیا۔

اہلِ سیر نے ایک حیرت انگیز روایت تواتر کے ساتھ بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو محتاجوں کی خدمت گزاری میں کس قدر انہماک تھا۔ اطرافِ مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت رہتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ

کو اُس کی حالت کا علم ہوا تو وہ روزانہ رات کو یا علی الصّباح اس کے گھر جا کر ضروری کام کاج کر دیا کرتے تھے۔ چند دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی کوئی شخص اس کے کام کر جاتا ہے۔ ایک دن دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس ضعیفہ کے گھر میں داخل ہو رہے ہیں، یہ اُن کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ بے ساختہ بولے:

"اے خلیفۃ الرسولؐ خدا کی قسم آپ ہی روزانہ سبقت کر جاتے ہیں۔"

(کنز العمال جلد ۶)

رحمدلی

نہایت رحم دل اور بُردبار تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہؐ! یہ آپؐ کی قوم کے لوگ ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ عجب نہیں کہ یہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو قبولِ اسلام کی توفیق بخشے پس میرے خیال میں مناسب یہی ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیجئے۔ فدیہ کی وصولی سے آپؐ کے اصحاب کو اعداء کے مقابلہ میں تقویت پہنچے گی۔"

عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ ایک شخص نے غصہ میں آ کر ان کو منہ پر بُرا بھلا کہا۔ اس پر ایک صحابی نے اس شخص کا سر اڑا دینے کی اجازت طلب کی۔ فرمایا:

"ہرگز نہیں، قتل اس شخص کا جائز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے۔ کسی اور کی گستاخی کرنے والے کو قتل کرنا

ایک قیمتی طیلسان بھی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ازراہِ محبت یہ طیلسان سیدنا حسینؓ بن علیؓ کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔

(فتوح البلدان، بلاذری)

خیبر اور فدک کی جائداد کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو گفتگو حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ہوئی اس میں انہوں نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ سلوک کرنے میں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا اپنے اقربا سے زیادہ محبوب ہیں۔" (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور مزاج پرسی کے بعد فرمایا:

"میں نے تو گھر بار، مال و دولت اور کنبہ و قبیلہ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا اور اے اہلِ بیت تمہاری رضا کے لیے چھوڑا تھا۔"

یہ سن کر حضرت فاطمہؓ ان سے خوش ہوگئیں اور بعض روایات کے مطابق قضیۂ فدک کے سلسلے میں ان کے دل میں جو تکدر پیدا ہو گیا تھا وہ دور ہو گیا۔

گھر آکر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو ہدایت کی کہ وہ سیدہ فاطمہؓ کی تیمار داری کریں۔ چنانچہ ان کے آخری دنوں میں حضرت اسماءؓ ان کی تیمار داری کرتی رہیں۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کا جنازہ جس تابوت میں اٹھایا گیا اس کے بنانے کا طریقہ حضرت اسماءؓ ہی نے بتایا ——— حضرت اسماءؓ حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے میں بھی شریک تھیں (ابن جوزی) ان کے دوران علالت میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ سے نماز کے بعد روزانہ سیدہؓ کا حال دریافت کرتے رہے۔ بعض روایات کے مطابق تو سیدہؓ کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھایا۔ (ریاض النضرہ، محب الدین طبری۔ طبقات ابن سعد، مسند احمد۔ کنز العمال)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو سیدہ فاطمہؓ کی علالت اور وفات کی خبر ہی نہ دی۔ لیکن ان روایتوں کی صحت اس لیے محل نظر ہے کہ صدیق اکبرؓ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس حضرت فاطمہؓ کی وفات سے پہلے ان کے پاس موجود تھیں اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی وفات سے بے خبر کیسے رہ سکتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ کو ساتھ لے کر حضرت علیؓ کے پاس گئے اور سیدہؓ کی تعزیت کی۔

(خلفائے راشدین کی یگانگت۔ از منشی عبدالرحمان خاں بحوالہ کشف الغمہ، مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل بیت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق کا عام طرز عمل یہ تھا:

ارقبوا محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ

(اہل بیت کے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرو)

وہ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔

چونکہ ازواج مطہراتؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں، سیدنا صدیق اکبرؓ ان کا بھی بہت احترام اور لحاظ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو بھی "امّ المؤمنین" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

خَشیَتِ الٰہی

خَشیَتِ الٰہی جو تمام عبادات و اعمال کی روح ہے اس کا حضرت اُبوبکر صِدیقؓ پر اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت محاسبۂ آخرت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ بات بات پر سرد آہیں بھرتے تھے اسی لیے ان کا لقب ــــــ "اَوَّاہٌ مُّنِیبٌ" یعنی بہت آہیں بھرنے والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا پڑ گیا تھا۔

کبھی کسی سرسبز درخت کی طرف دیکھتے تو فرماتے:

"کاش میں درخت ہی ہوتا تاکہ محاسبۂ آخرت سے نجات پا جاتا۔"

کسی باغ کی طرف گزرتے اور پرندوں کو اڑتے پھدکتے اور چہچہاتے دیکھتے تو آہِ سرد کھینچ کر فرماتے:

"پرندو تمہیں مبارک ہو کہ جہاں چاہتے ہو چرتے چُگتے ہو جس درخت کے سایے میں چاہتے ہو بیٹھ جاتے ہو۔ حشر کے دن تمہارا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ کاش اُبوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔"

(کنز العمال)

ایک دن حضرت عُمر فاروقؓ، سیدنا صِدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ بولے، اللہ آپ کو معاف فرمائے ایسا نہ کیجئے۔ فرمایا: "اسی زبان نے تو مجھے برباد کیا ہے۔" (مؤطا امام مالکؒ)

ایک دفعہ فرمایا:۔

"اے کاش میں رہگزر کے کنارے کا ایک درخت ہوتا کہ میرے پاس

سے کوئی اونٹ گزرتا اور مجھے اپنے منہ میں رکھ کر چبا جاتا پھر میں مینگنی بن کر نکل جاتا لیکن انسان نہ بنا ہوتا۔" (مُسندِ احمد)

ایک بار رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص کبر و غرور سے اپنا کپڑا لٹکا کر چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ کرے گا۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کا ارشادِ گرامی سنا تو خوفِ خدا سے لرز اٹھے۔ عرض کیا:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے کپڑے کا ایک کنارہ لٹکتا رہتا ہے البتہ اگر میں اس کا خیال رکھوں۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم تکبر اور غرور سے اپنا کپڑا نہیں لٹکاتے۔" (صحیح بخاری)

ایک بار حضرت ابُوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ میں شکر رنجی ہوئی۔ حضرت ابُوبکرؓ کی زبان سے کوئی سخت جملہ نکل گیا اور حضرت عمرؓ ناراض ہو کر اٹھ گئے۔ حضرت ابُوبکرؓ خوفِ خدا سے لرز اٹھے اور ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتے چلے "عُمر تم میرے لیے خدا سے مغفرت مانگو" لیکن حضرت عمرؓ زیادہ ناراض تھے انہوں نے معاف نہ کیا اور اپنے گھر کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ صدیقِ اکبرؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ کپڑے کا ایک کنارہ ہاتھ میں تھا، زانو کھل گیا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ حضورؐ کی خدمت میں تمام واقعہ بلا کم و کاست عرض کیا۔ آپؐ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکَ یَا اَبَا بَکۡرٍ

"اے ابُوبکر اللہ تمہاری مغفرت فرمائے"

کچھ دیر کے بعد حضرت عُمرؓ کا غصہ دور ہوا تو ان کو اپنی بے اعتنائی اور معافی

نہ دینے پر ندامت ہوئی فوراً حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر گئے اور پوچھا "اثم ابوبکر" کیا ابوبکرؓ موجود ہیں؟ جواب ملا "نہیں"۔ اب حضرت عمرؓ بھی بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھا تو آپؐ کے چہرۂ اقدس پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ ڈرے کہ کہیں عمرؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عتاب میں نہ آجائیں۔ فوراً حضورؐ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا:
"یارسول اللہ واللہ انا کنت اظلم۔ یارسول اللہ خدا کی قسم زیادتی میری تھی"
حضرت ابوبکرؓ نے یہ جملہ دو مرتبہ کہا تو حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم میرے رفیق کو مجھ سے چھڑا دوگے۔ کیا تم میرے رفیق کو مجھ سے چھڑا دوگے (دوبار) میں نے کہا تھا لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن تم نے میری بات کی تکذیب کی اور ابوبکرؓ نے کہا آپؐ سچ کہتے ہیں۔"

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی کے مابین زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں احساس ہوا تو نہایت عجز کے ساتھ حضرت ربیعہؓ سے درخواست کی کہ ربیعہ تم مجھے سخت سُست کہہ لو تاکہ آخرت میں مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔ ربیعہؓ حضرت ابوبکرؓ کے مرتبے سے واقف تھے کوئی سخت بات کہنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا، "تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے تمہاری شکایت کروں گا۔" ربیعہؓ بولے "آپ اس معاملے کو یہیں رہنے دیں، واللہ میں اس زمین سے آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔" تاہم حضرت ابوبکرؓ بارگاہِ نبویؐ کی طرف چل دیئے۔ حضرت ربیعہؓ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ اتنے میں ان کے قبیلے کے کچھ لوگ آگئے اور کہنے لگے: "یہ تو خوب رہی کہ سخت بات بھی خود کہی اور پھر حضورؐ سے شکایت کرنے بھی جارہے ہیں۔" ربیعہؓ

نے ان کو ڈانٹ کر کہا "تم لوگ اس معاملہ میں مداخلت نہ کرو۔ تمہیں علم نہیں یہ رسول اللہ کے رفیق غار ہیں۔ انھوں نے تم لوگوں کو اس طرح میری حمایت کرتے دیکھا تو غضبناک ہو جائیں گے اور حضور نے ان کو غضبناک دیکھا تو آپ کو بھی غصہ آجائے گا اور ان دونوں کے غصّے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑک اٹھے گا اور ربیعہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ لوگ تو یہ سُن کر واپس چلے گئے اور حضرت ربیعہؓ حضرت ابُوبکرؓ کے پیچھے پیچھے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو گئے۔ دونوں نے اپنی معروضات حضورؐ کی خدمت میں پیش کیں تو آپؐ نے فرمایا، "ربیعہ تم نے اچھا کیا کہ ابُوبکر کو کوئی سخت بات نہیں کہی۔ تم اب یوں کہہ دو، ابُوبکر اللہ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے۔" حضرت ربیعہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی تو صدیقِ اکبرؓ پر رقّت طاری ہو گئی اور وہ زار زار رونے لگے۔ (فتح الباری، ابنِ حجرؒ)

ایک مرتبہ اپنے ایک غلام پر خفا ہوئے اور اس کو لعنت ملامت کی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا:

"اے ابُوبکر! صدیقین اور لعانین دونوں ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔"

حضرت ابُوبکر صدیقؓ خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہو گئے۔ اسی وقت بطور کفّارہ چند غلام آزاد کر دیئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اب میں کبھی کسی پر لعن طعن نہیں کروں گا۔" (ادب المفرد۔ بخاری)

ایک دفعہ جمعہ کے دن منبر سے اعلان کیا کہ آج میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا لیکن لوگ اونٹ لینے کے لیے اس وقت میرے پاس آئیں جب میں بلاؤں۔

یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا، "یہ اونٹ کی مہار لو اور

خلیفۃ الرسولؐ کی خدمت میں جاؤ ممکن ہے تمہیں بھی ایک اونٹ مل جائے۔"
وہ شخص مہار لیے ہوئے بارگاہِ خلافت میں چلا گیا اور ایک اونٹ کے لیے درخواست کی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اس وقت کسی اور ضروری کام میں مشغول تھے۔ انہوں نے اس شخص کو بطورِ تادیب اسی مہار سے مارا ——— جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"اس شخص کو بلاؤ جسے میں نے مارا تھا۔"

وہ شخص ڈرتا ڈرتا حاضر ہوا تو خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا:

"بھائی میں نے تمہیں اس مہار سے مارا تھا تم بھی اسی مہار سے مجھے مار کر اپنا بدلہ لے لو۔"

حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقع پر موجود تھے انہوں نے کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ — یہ رسم قائم نہ کیجیے آپ کا مارنا بلا جواز نہ تھا اس شخص نے حکم عدولی کی تھی۔"

فرمایا: "یہ درست ہے لیکن قیامت کے دن مجھ سے باز پرس ہوئی تو کیا جواب دوں گا۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی ایسی تعریف کرو جس کا وہ سزاوار ہے اور امید و خوف دونوں کو مخلوط رکھو۔ دعا مانگتے وقت الحاح و زاری اختیار کرو۔ دیکھو اللہ نے زکریاؑ اور ان کے گھر والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ یَدْعُوْنَنَا

رَغَباً وَّ رَهَباً وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ۔

یعنی وہ نیکیوں کے معاملے میں تیز قدمی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمیشہ عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے تھے۔

احتیاط اور تقویٰ

احتیاط اور تقویٰ بھی خوف خدا ہی کی شاخیں ہیں۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ کی احتیاط اور تقویٰ کی عجیب شان تھی۔ ایک مرتبہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک مقام پر پڑاؤ ہوا۔ سب حضرات مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ایک اعرابی کے گھر میں قیام فرمایا۔ ایک اور اعرابی اسی گھر میں مہمان ٹھہرا۔ میزبان کی بیوی امید سے تھی۔ مہمان اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط طے کی کہ اگر وہ سب مہمانوں کو بکری کا گوشت کھلائے گی تو اس کے لڑکا پیدا ہوگا۔ عورت نے یہ شرط منظور کر لی اور بکری ذبح کر دی۔ مہمان اعرابی نے اس کے گوشت پر کچھ الٹے سیدھے مسجّع جملے پڑھ دیئے۔ بکری کا گوشت کھانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو اس شرط کا علم ہوا تو ان کی طبیعت میں سخت انقباض پیدا ہوا اسی وقت حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔ (مُسند احمد)

ایک مرتبہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا۔ اس نے کہا "آپ ہمیشہ پوچھا کرتے تھے کہ فلاں چیز کیسی کمائی کے پیسے سے لایا ہے مگر آج آپ نے نہیں پوچھا۔"

فرمایا، " بھوک کی شدت میں ایسا ہو گیا اب بتا کس طرح لایا ہے ؟ "
غلام بولا، " میں جاہلیت میں جھوٹ موٹ کہانت کا کام کرتا تھا۔ اُسی زمانے میں ایک شخص نے مجھ سے کہانت کرائی تھی (کچھ منتر پڑھوائے تھے) اور اس کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج ایک شادی کی تقریب میں وہ مجھے مل گیا تو اس کہانت کے عوض مجھے یہ کھانا دیا (یا کچھ رقم دی جس سے میں نے یہ کھانا خریدا)۔ "

حضرت ابوبکرؓ نے یہ سُن کر فرمایا : " افسوس ! تُو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔ "
پھر حلق میں انگلی ڈال کر قے کرنی چاہی مگر لقمہ باہر نہ نکلا۔ کسی نے کہا، پانی کے ذریعے قے ہو سکتی ہے۔ انھوں نے بہت سا پانی منگایا اور اس وقت تک پانی پی پی کر قے کرتے رہے جب تک لقمہ نکل نہیں گیا۔

ایک شخص نے عرض کیا " اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے ایک لقمہ نکالنے کے لیے اتنی زحمت اٹھائی۔ "

فرمایا: " اگر یہ لقمہ نکالنے کی خاطر میری جان بھی چلی جاتی تو میں اسے ضرور نکالتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن حرام مال سے پرورش پائے اس کے لیے آگ موزوں ہے۔ "

(صحیح بخاری ۔ خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (ابو محمد امام الدین))

ایک مرتبہ صدیقِ اکبرؓ کی اہلیہ کا دل مٹھائی کھانے کو چاہا۔ شوہرِ نامدار سے اس کی فرمائش کی تو انھوں نے فرمایا " میرے پاس اتنے دام نہیں ہیں کہ تمہارے لیے مٹھائی خرید سکوں۔ "

اہلیہ نے عرض کیا : " اچھا آپ دام نہ دیجیے صرف اتنی اجازت دے دیجیے کہ روزانہ خرچ کے لیے آپ جو پیسے مجھے دیتے ہیں ان میں سے کچھ پیسے بچا

لیا کروں۔"

فرمایا: "اس کا تمہیں اختیار ہے۔"

جب چند روز میں کچھ رقم جمع ہوگئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دی کہ مٹھائی خرید لائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ "یہ رقم ہماری ضرورتِ غذا سے زیادہ ہے لہٰذا بیت المال کا حق ہے۔" چنانچہ وہ رقم بیت المال میں جمع کرادی اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص صدیق اکبرؓ کو ایک ایسے راستے سے لے چلا جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ پوچھا "یہ کون سا راستہ ہے؟"

اس نے کہا، "اس راستے میں ایسے بدقماش لوگ رہتے ہیں جن کے پاس سے گزرنے میں بھی شرم آتی ہے۔" یہ سننا تھا کہ فوراً پلٹ پڑے اور فرمایا، "میں ایسے شرمناک راستہ سے نہیں جا سکتا۔"

عبادت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ یہ شغف تمام عمر قائم رہا۔ اکثر دن کو روزے رکھتے اور راتیں نمازیں گزارتے۔ خشوع و خضوع کا یہ حال تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ قرآنِ کریم کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ تلاوت کے وقت اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے۔ موسم گرما میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ روزے رکھتے تھے۔ ایامِ تشریق کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتے

تھے۔ نماز اور تلاوت قرآن سے ان کے غیر معمولی لگاؤ کا اندازہ اسی واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ مکہ میں ظہورِ اسلام کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اپنے مکان کے احاطہ میں ایک مسجد بنائی جس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز روزہ جہاد اور خیرات سے شغف کے لحاظ سے بلند ترین درجہ رکھتے تھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایک جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا اس کو جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی، اے اللہ کے بندے یہ نیکی ہے۔ جو شخص نماز گزار ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہوگا وہ باب الجہاد سے بلایا جائے گا، جو روزہ دار ہوگا باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو مخیر ہوگا اس کو باب الصدقہ سے آواز دی جائے گی۔

آپ کا ارشاد سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا، میرے باپ، ماں آپ پر قربان، جو شخص اُن دروازوں سے بلایا جائے گا ان کی ضرورت کے مطابق بلایا جائے گا۔ لیکن کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں ہوگے۔"

(بخاری کتاب الصوم باب الریان للصائمین)

اس روایت کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ خود ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نماز گزار، مجاہد، روزہ دار اور

مخیّر ہونے کا اپنی زبانِ مبارک سے اعتراف فرمایا۔

حضرت سہل ؓ بن سعد نے حضرت ابُوبکر ؓ کے نماز میں انہماک کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"ابُوبکرؓ نماز شروع کرتے تو فارغ ہونے تک دوسری طرف التفات نہیں کرتے تھے۔"

(بخاری کتاب التہجد باب ایجوز من التسبیح والحمد فی الصلوٰۃ للرجال)

رِقّتِ قلب

مؤمن کی رِقّتِ قلب، خشیتِ الٰہی ہی کا ایک پہلو ہے۔ سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کا دل بہت نرم اور گداز تھا اور وہ خوفِ خدا سے بہت رویا کرتے تھے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے وقت اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

"ابوبکرؓ بہت رونے والے شخص تھے جب قرآن پڑھتے آنسوؤں کو روک نہیں سکتے تھے۔" (صحیح بخاری)

اکثر فرمایا کرتے تھے:

"اے لوگو اللہ کے خوف سے روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو۔"

ایک دفعہ پینے کے لیے پانی مانگا۔ لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کیا جیسے ہی پیالہ منہ کے پاس لے گئے رِقّت طاری ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا فرمایا۔ "میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

آپؐ کسی چیز کو دُور دُور فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ کیا چیز ہے جس کو دُور فرما رہے ہیں، مجھے تو کوئی شے نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے فرمایا، دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی تھی، میں نے اس سے کہا، دور ہو جا۔ وہ دُور ہو گئی مگر پھر دوبارہ آئی اور کہا آپؐ تو مجھ سے بچ کر نکل گئے لیکن آپؐ کے بعد جو لوگ آئیں گے ان کا مجھ سے بچ کر نکلنا مشکل ہو گا ـــــ اس وقت یکایک مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا تو اور میں ڈرا کہ شاید دنیا مجھے اپنے جال میں پھنسا لے۔ (اُسدُ الغابہ)

واقعۂ افک میں جب حضرت عائشہ صدیقہ نے رونا شروع کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہو گیا۔

وفات سے پہلے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ امامت کرائیں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا:

"ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو اس قدر روئیں گے کہ قرأت کی آواز نہ سنائی دے گی۔" (صحیح بخاری)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اشارۃً اپنی وفات کی خبر سنائی ـــ تو سیدنا صدیقِ اکبرؓ رونے لگے۔

ایک دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا:

"لوگو! پچھلے سال گرمیوں میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا..... یہ کہہ کر رونے لگے ـــــ

جب ذرا سکون ہوا تو پھر فرمایا، پچھلے سال تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا..... اتنا کہا اور پھر رونے لگے۔ بڑی مشکل سے طبیعت کو سنبھالا اور پھر فرمایا، آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور دنیا و آخرت کی عافیت طلب کرو۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ کی رقیق القلبی سے متاثر ہو کر بعض اوقات دوسرے لوگ بھی رو پڑتے تھے۔

حضرت اُمّ ایمنؓ نے حضورؐ کے بچپن میں آپؐ کو کھلایا تھا اس لیے آپؐ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور " امی " کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپؐ اکثر اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے یہی وضع قائم رکھی۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ سے کہا: اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰی اُمِّ اَیْمَن نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا (چلو سنّتِ نبوی کی پیروی کریں اور اُمِّ ایمن سے مل کر آئیں۔) پھر ان کو ساتھ لے کر حضرت اُمِّ ایمنؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اُن کو دیکھ کر رونے لگیں۔ انہوں نے فرمایا:

" آپ روتی کیوں ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے یہی بہتر تھا کہ اللہ سے تقرّب ہو جائے۔"

حضرت اُمِّ ایمنؓ نے کہا " یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن روتی اس لیے ہوں کہ اب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق بے اختیار رونے لگے۔

(البدایہ والنہایہ ——— حافظ ابن کثیرؒ)

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کے بعد ایک دن منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ اتنے میں سیدنا حضرت حسنؓ بن علیؓ وہاں تشریف لائے اس وقت ان کا بچپن تھا۔ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کو اپنے نانا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے منبر پر دیکھا تو فرمایا: " میرے بابا کے منبر سے اتریں"۔ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے فوراً انہیں گود میں اٹھالیا اور فرمایا:

" بیٹے تم سچ کہتے ہو۔ یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی جگہ ہے۔"

پھر حضورؐ کو یاد کر کے زار زار رونے لگے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی

موجود تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ کہیں ابُوبکرؓ یہ نہ سمجھیں کہ حسنؓ کو میں نے ایسا کہنے کے لیے سکھایا ہے۔ انہوں نے کہا:

"اے خلیفۃ الرسولؐ، حسنؓ نے جو کچھ کہا ہے اس کا بچپنا ہے۔ میرا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں ہے۔"

حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے فرمایا: "بے شک آپ کا اس سے کچھ تعلق نہیں اور نہ میں آپ کو الزام دیتا ہوں۔"
(ثانی اثنین ——— عبدالحلیم شررؔ)

غریبوں اور محتاجوں کی خدمت

غریبوں اور محتاجوں کی خدمت گزاری حضرت ابُوبکر صدیقؓ کا خاص مشغلہ تھا۔ وہ مصیبت زدوں کی اعانت کرتے تھے۔ غریبوں مسکینوں کی دستگیری کرتے تھے۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے تھے۔ قرابت داروں کا خیال رکھتے اور باقاعدگی سے ان کی مالی مدد کرتے تھے۔ حضرت مسطحؓ بن اثاثہ ان کے غریب رشتہ دار تھے۔ صدیق اکبرؓ نے ان کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمّہ لے لیا تھا۔ اُن کے یہ اخلاقِ طاہرہ ایسے تھے کہ غیر مسلم بھی ان کا اعتراف کرتے تھے۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ ہجرتِ حبشہ کا قصد کیا تو غیر مسلم رئیس ابن الدغنہ نے ان کے یہی اوصاف بیان کر کے انہیں حبشہ جانے سے روک دیا اور اپنی حمایت میں لے لیا۔

اہلِ سیر نے ایک حیرت انگیز روایت تواتر کے ساتھ بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو محتاجوں کی خدمت گزاری میں کس قدر انہماک تھا۔ اطرافِ مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت رہتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ

کو اُس کی حالت کا علم ہوا تو وہ روزانہ رات کو یا علی الصّباح اس کے گھر جا کر ضروری کام کاج کر دیا کرتے تھے۔ چند دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی کوئی شخص اس کے کام کر جاتا ہے۔ ایک دن دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ اس ضعیفہ کے گھر میں داخل ہو رہے ہیں، یہ اُن کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حضرت عُمر فاروقؓ بے ساختہ بولے:

"اے خلیفۃُ الرّسولؐ خدا کی قسم آپ ہی روزانہ سبقت کر جاتے ہیں۔"

(کنز العمال جلد ۶)

رحمدلی

نہایت رحم دل اور بُردبار تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہؐ! یہ آپؐ کی قوم کے لوگ ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ عجب نہیں کہ یہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو قبولِ اسلام کی توفیق بخشے پس میرے خیال میں مناسب یہی ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیجئے۔ فدیہ کی وصولی سے آپؐ کے اصحاب کو اعداء کے مقابلہ میں تقویت پہنچے گی۔"

عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ ایک شخص نے غصہ میں آکر ان کو منہ پر بُرا بھلا کہا۔ اس پر ایک صحابی نے اس شخص کا سر اڑا دینے کی اجازت طلب کی۔ فرمایا:

"ہرگز نہیں، قتل اس شخص کا جائز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے۔ کسی اور کی گستاخی کرنے والے کو قتل کرنا

کو تھاما جب ایسا کرنا ہولناک خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا ہر خطرے کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بن گئے اور آپؐ کی حفاظت کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اپنا مال بے دریغ راہِ حق میں صرف کیا اور مفلس ہونے کے اندیشے میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔ ہجرت کے پُر خطر سفر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق بنے۔ غارِ ثور میں پہلے خود داخل ہو کر اس کی صفائی کی اور کسی سانپ بچھو وغیرہ کا ڈر دل میں نہ لائے۔ حضورؐ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور صحابۂ کرامؓ سے مشورہ طلب کرتے ہیں تو صدیقِ اکبرؓ سب سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنی جانیں راہِ حق میں قربان کر دیں گے۔ لڑائی کے آغاز سے پہلے تنِ تنہا حضورؐ کی حفاظت کے لیے شمشیر بدست کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لڑائی کے دوران میں مشرکین کا کوئی گروہ حضورؐ کی طرف بڑھتا ہے تو اس پر جھپٹ پڑتے ہیں اور اس کا منہ پھیر دیتے ہیں۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں میں انتشار پھیل جاتا ہے لیکن وہ اخیر تک میدانِ جنگ میں ڈٹے رہتے ہیں۔ دوسرے دن حمراء الاسد تک مشرکین کا تعاقب کیا جاتا ہے اور وہ تھکن سے چُور چُور ہونے کے باوجود دوسرے صحابہؓ کے ساتھ تعاقب میں شریک ہوتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابۂ کرامؓ کو غم و اندوہ سے نڈھال کر دیتی ہے لیکن صدیقِ اکبرؓ آگے بڑھتے ہیں اور سب کا حوصلہ بندھاتے ہیں۔ سقیفۂ بنو ساعدہ میں انصار کا اجتماع ہے اور مسلمانوں میں سخت انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ صدیقِ اکبرؓ صرف دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اس مجمع میں پہنچتے ہیں اور ہوا کا رخ بدل دیتے ہیں۔ فتنۂ ارتداد کے شعلوں نے سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ سمیت تمام صحابۂ کرامؓ اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے صدیقِ اکبرؓ کو مرتدین سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں،

لیکن صدیقِ اکبرؓ کوہِ استقامت بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ مشورہ رَدّ کر کے پوری قوّت سے مشرکین کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس فتنے کو کچل کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اسلام کی دشمن دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور محدود وسائل کے باوجود محض اللہ کے بھروسے پر ان سے ٹکرا جاتے ہیں۔ غرض صدیقِ اکبرؓ کی کتابِ زندگی کا ایک ایک صفحہ ان کے بے مثال عزم و ہمّت کا آئینہ دار ہے ؎

ہمتِ او کشتِ ملّت را چو اَبر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر!
(اقبالؒ)

مَردُم شناسی

مَردُم شناسی ایک اعلیٰ درجے کا وصف ہے جو حضرت ابُوبکر صدیقؓ میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ مبدءِ فیض نے انہیں کمال درجے کی بصیرت اور نگاہِ حقیقت شناس عطا کی تھی۔ جس طرح وہ علمُ الانساب کے ماہر تھے اسی طرح ہر شخص کی قابلیّت اور صلاحیتوں کو جانچنے کا مَلکہ بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے ملکی نظم و نسق کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے جن اصحاب کا انتخاب کیا وہ اپنے متعلقہ شعبے کی ذمّہ داریاں اٹھانے کے ہر لحاظ سے اہل تھے۔ مرکزِ خلافت میں انہوں نے حضرت عُمر فاروقؓ کو اپنا مشیرِ خصوصی اور قاضیٔ حکومت بنایا تھا۔ اس سے بہتر انتخاب ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ حضرت عمرؓ تدبّر و فراست، حکمت و دانش، ذہانت و فطانت اور علم و فضل کے اعتبار سے اپنا جواب آپ تھے۔ مہتمم خزانہ

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح تھے جن کو بارگاہِ رسالت سے "اَمِینُ الاُمَّت" کا لقب مرحمت ہوا تھا بعد میں عسکری صلاحیتوں کی بناء پر انہیں افواجِ شام کا سپہ سالار مقرر کیا گیا، کُتّاب اور اربابِ افتاء میں حضرت عثمان ذُوالنّورینؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت اُبَیؓ بن کعب، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے باصلاحیت صحابہ شامل تھے۔ مختلف صوبوں کے عُمّال بھی بڑے بیدار مغز اور ذہین و فرس اصحاب تھے۔ ان میں حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری، حضرت علاء حضرمیؓ، حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص، حضرت زیادؓ بن لبید، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عیاضؓ بن غنم اور حضرت حذیفہؓ بن محصن جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ خَلِیفَۃُ الرَّسُولؐ نے جس طرح انتظامیہ میں بہترین آدمیوں کا تقرر کیا تھا اسی طرح فوج کے لیے بھی بہترین افسر منتخب کیے تھے مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت شُرَحبیلؓ بن حَسَنہؓ، حضرت ہاشمؓ بن عتبہ، حضرت مُثنّیٰؓ بن حارثہ شیبانی، حضرت عدیؓ بن حاتم، حضرت ضرارؓ بن الازور اور حضرت قباثؓ بن اشیم وغیرہ ——— مختصر یہ کہ مختلف انتظامی اور فوجی عہدوں کے لیے صِدّیقِ اکبرؓ کا حسنِ انتخاب ان کی مردم شناسی کا بیّن ثبوت تھا۔





ہرچہ حق ، از بارگاہِ کبریا!
ریخت در صدرِ شریفِ مُصطفیٰؐ

آں ہمہ در سینۂ صِدّیقؓ ریخت!
لاجرم لابد ازو تحقیق ریخت!



حضرت شیخ فریدالدّین عطّارؒ، رحمۃ اللہ علیہ

فضل و کمال

مناقب و فضائل

جمعِ قرآن

منجملہ دوسرے عظیم الشان کارناموں کے حضرت ابُوبکر صدیق رض کا ایک مہتم بالشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم کے تمام اجزا کو جمع کر کے کاغذ پر یکجا لکھوانے کا اہتمام کیا[1] جمعِ قرآن کی حقیقت کیا تھی اور اس کا پس منظر کیا تھا، اس کو جاننے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق اور واقعات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

قرآنِ حکیم کی بعض مکّی (عبس، البروج، الطور، الواقعہ) اور بعض مدنی (البقرہ، آل عمران، ہود، البیّنۃ) سورتوں اور متعدد احادیث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ قرآنِ مجید ابتدائے عہدِ نبُوّت ہی سے اہتمام کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور اس کی ترتیب بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم حکمِ الٰہی کے مطابق قائم کرتے جاتے تھے اور فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔ تمام سورتوں کے نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکمِ خداوندی کے مطابق رکھ دیئے تھے اور تمام آیتوں اور سورتوں کی باہمی ترتیب بھی آپ ؐ نے وحی الٰہی کے مطابق قائم فرمائی تھی۔ گویا قرآنِ کریم کی تمام سورتوں اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے — یعنی منجانب اللہ ہے۔ کتابتِ وحی کے کام پر حضُور ؐ نے بہت سے صحابہ رض کو مقرر کر

---

[1] مؤطا امام مالک ؒ میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابُوبکر رض کے حکم سے حضرت زید ؓ بن ثابت نے تمام قرآن کاغذ پر یکجا لکھا۔

رکھا تھا جو حسب ضرورت کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔[1] ان میں سے زیادہ مشہور یہ صحابۂ کرامؓ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت شرحبیل بن حسنہؓ، حضرت عبداللہؓ بن ارقم الزہری، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص، حضرت ابانؓ بن سعید بن العاص، حضرت حنظلہؓ بن ربیع، حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمۃ الدوسی، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت خالدؓ بن ولید حضرت اُبیّؓ بن کعب انصاری، حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری، حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری، حضرت علاءؓ بن الحضرمی۔

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ چنانچہ آپؐ کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا تھا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۸ بحوالہ مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

اب نزولِ وحی کی کیفیت اور کتابتِ وحی کا طریق کار حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری کی زبانی سنیئے وہ فرماتے ہیں:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی محسوس ہوتی تھی اور آپؐ

---

[1] علوم القرآن۔ صبحی صالح۔ ترجمہ اردو مولانا غلام احمد حریری

کے جسمِ اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے پھر آپؐ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں شانے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا ٹکڑا) لے کر حاضر ہوتا۔ آپؐ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآنِ حکیم کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔ بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے "پڑھو"

میں پڑھ کر سناتا۔ اگر اس میں کوئی فرد گزاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔"

(رواہ الطبرانی فی الاوسط و مجمع الزوائد ہیثمی ج ا ص ۱۵۲ مطبوعہ بیروت)

چونکہ اُس زمانے میں عرب میں کاغذ بہت کمیاب تھا اس لیے قرآنی آیات چمڑے کے پارچوں، شانے کی چوڑی ہڈیوں، پتھر کی سلوں، ٹھیکریوں، جانوروں کی ہڈیوں، کھجور کی چھال اور چوڑی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں اور درخت کے پتّوں پر لکھی جاتی تھیں۔ اگر کبھی کاغذ کا کوئی ٹکڑا مل جاتا تو اسے بھی اس مقصد کے لیے استعمال کر لیا جاتا۔ (فتح الباری ج۔۹ عمدۃ القاری جلد ۲۰)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہبطِ وحی تھے جو آیات قرآنی آپؐ پر نازل ہوئیں آپؐ کو فوراً یاد ہو جاتیں اس طرح سارا قرآنِ پاک آپؐ کو اس طرح ازبر تھا کہ اس میں کسی ادنیٰ سی فرد گزاشت کا بھی امکان نہ تھا پھر بھی احتیاط کے طور پر آپؐ ہر سال رمضان المبارک میں ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السّلام کو قرآن سنایا کرتے تھے۔ آخری سال آپؐ نے حضرت جبریلؑ کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔

اہلِ عرب اپنی زبردست قوّتِ حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے

چنانچہ بہت سے صحابۂ کرامؓ کو سارا قرآنِ پاک زبانی یاد ہو گیا تھا اس طرح عہدِ رسالت میں حُفّاظِ قرآن کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی تھی۔ ان میں سے کچھ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ، حضرت مقدادؓ بن الاسود، حضرت حُذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدّیقہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِّ ورقہؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عقبہؓ بن عامر جُہنی، حضرت ابوالدرداءؓ۔

جمہور علماءِ اسلام کے نزدیک سارا قرآنِ مجید سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب کے ساتھ عہدِ رسالت میں تحریری صورت میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سینۂ پاک میں بھی محفوظ تھا اور صحابۂ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کو بھی حفظ تھا۔ گویا عہدِ رسالت میں نفسِ قرآن مرتّب بھی تھا اور مکتوب و محفوظ بھی لیکن یہ متفرق اشیاء پر لکھا ہوا تھا۔ کوئی آیت یا سورۃ چمڑے پر، کوئی پتھر کی تختی پر، کوئی ہڈی پر اور کوئی کسی اور چیز پر۔ کسی صحابیؓ کے پاس اس کے مکمل اجزاء تھے اور کسی کے پاس چند سورتیں یا چند آیتیں جو انھوں نے انفرادی طور پر لکھی تھیں مختصر یہ کہ قرآنِ پاک کے تمام اجزاء یکجا نہیں تھے اور کسی ایک نوع کی چیز پر نہیں بلکہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے صحیح بخاری کی شرح میں

لکھا ہے:

قد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ یتلوا صحفاً مطہرۃً الایۃ، وکان القرآن مکتوباً فی الصحف لکن کانت متفرقۃ فجمعھا ابوبکرؓ فی مکان واحدٍ ثم کانت بعدہ محفوظۃ الی امر عثمان بالنسخ منھا عدۃ مصاحف وارسل بھا الی الامصار (فتح الباری جلد ۹)

(اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ صحیفوں میں جمع ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے یتلوا صحفاً مطہرۃ اور قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن وہ صحیفے متفرق تھے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں ایک جگہ جمع کر دیا پھر ان کے بعد محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں کو روانہ کیے۔)

جمع قرآن کی تقریب کیا ہوئی اس کو حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری نے یوں بیان کیا ہے:

"جنگِ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا۔ میں اُن کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگِ یمامہ میں قرآن کریم کے حُفّاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی ہے اور اگر مختلف مقامات پر (لڑائیوں میں) قرآن حکیم کے حُفّاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے[1] لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے

---

[1] چونکہ متفرق حُفّاظ کے پاس متفرق اجزا تھے اس لیے ممکن تھا کہ جو حُفّاظ شہید ہو جائیں قرآن

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

حکم سے قرآنِ کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کردیں۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں عمرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد عمرؓ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمرؓ کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہو۔ ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے تم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کتابتِ وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تلاش کرکے جمع کرو۔"

حضرت زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں کہ :

"خدا کی قسم اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا اس کام (جمع قرآن) کا جس کے لیے انہوں نے مجھ سے کہا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم اس کام میں خیر ہی خیر ہے اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کے بعض اجزاء صرف انہیں کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں اس صورت میں ان حفاظ کی شہادت کے بعد ان کے مملوکہ اجزاء کے گم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے دل میں یہی اندیشہ پیدا ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق کر دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن کی آیات کو جمع کرنا شروع کیا اور چمڑے کے پارچوں، شانہ کی چوڑی ہڈیوں، کھجور کی چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآنِ حکیم کو جمع کیا۔" (صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۹ ص ۸ تا ۱۱)

خلیفۃ الرسولؓ نے جو کارِ عظیم حضرت زیدؓ بن ثابت کو تفویض کیا وہ جس قدر اہم تھا اُسی قدر مشکل بھی تھا، اس لیے انہوں نے ان کی مدد کے لیے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت مامور کر دی جس میں حضرت عمرؓ فاروقؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب اور متعدد دوسرے فضلاء صحابہ شامل تھے۔ بعض روایتوں میں اس جماعت کے اراکین کی تعداد پچھتر ۷۵ تک بیان کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت زیدؓ کا معاونِ خاص مقرر فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعلانِ عام کر دیا کہ جس شخص کے پاس قرآنِ کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی ہوں وہ زیدؓ بن ثابت کے پاس لے آئے۔

مختلف روایات کے مطابق حضرت زیدؓ بن ثابت نے جمع قرآن کے لیے مندرجہ ذیل طریق کار اختیار کیا۔

جب کوئی شخص ان کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی آیت لے کر آتا — تو وہ

۱۔ سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے ——— پھر

۲ حضرت عمرؓ سے اس کی توثیق کراتے۔ (فتح الباری)

۳۔ اس کے باوجود وہ یہ آیت اسی وقت قبول کرتے جب ۲ دو قابلِ اعتبار گواہ شہادت دیتے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔

(الاتقان)

۴۔ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ (البرہان فی علوم القرآن)

گویا اس کام میں انتہا درجے کی احتیاط سے کام لیا گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ "میں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت گم پائی جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا وہ صرف ایک شخص خزیمہ انصاری کے پاس ملی جن کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی۔" (صحیح بخاری سورۂ احزاب باب فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر)

اس روایت میں جس آیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

(ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔)[1]

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ اور فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ الخ بھی حضرت خزیمہؓ ہی سے ملیں[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیتیں حضرت زیدؓ بن ثابت

---

[1] بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں پیش آیا لیکن جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ واقعہ مصحفِ صدیقی کی تدوین کے وقت پیش آیا۔

[2] حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے ان کا تعلق قبیلہ اوس

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۸ پر)

اور دوسرے حفاظِ قرآن کو یاد نہیں تھیں اور ان کو ان کا جزوِ قرآن ہونا معلوم نہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کی شاخ بنو خطمہ سے تھا۔ وہ ہجرت سے پہلے (سنہ ۱۲ نبوت میں) مشرف بہ اسلام ہوئے اور اپنے ایک پرجوش ساتھی عمیرؓ بن عدی کو ساتھ لے کر بنو خطمہ کے تمام بت توڑ ڈالے۔ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے البتہ بعد کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

مسندِ احمد بن حنبل، مسندِ ابی داؤد، نسائی اور طبقاتِ ابن سعد میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑے کا سودا طے کیا۔ یہ سودا راستے میں کسی ایسی جگہ پر طے ہوا جو حضورؐ کے کاشانۂ اقدس سے کچھ دور تھی۔ آپؐ اس اعرابی کو قیمت دینے کے لیے اپنے ساتھ لے چلے۔ حضورؐ نے چلنے میں جلدی کی تاکہ گھر جلد پہنچ کر قیمت ادا کریں لیکن اعرابی نے چلنے میں سستی کی (یہاں تک کہ بہت پیچھے رہ گیا) اسی اثناء میں اس سے کچھ لوگ ملے اور اس سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے انہیں علم نہیں تھا کہ حضورؐ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ انہوں نے اس اعرابی کو اس قیمت سے زیادہ کی پیشکش کی جو حضورؐ سے طے پا چکی تھی اس پر اعرابی نے حضورؐ کو باآوازِ بلند پکارا "آپ یہ گھوڑا خریدتے ہیں یا نہیں ورنہ میں اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچتا ہوں۔" آپؐ نے اعرابی کی آواز سنی تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا، "تم تو گھوڑا میرے ہاتھ بیچ چکے ہو۔" اعرابی مکر گیا اور بولا "واللہ میں نے اس کو آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔"

آپؐ نے فرمایا "ہاں تو اس کو میرے ہاتھ بیچ چکا ہے اور میں نے تجھ سے اس کو خریدا ہے۔" حضورؐ نے بار بار یہ بات فرمائی اور اعرابی نے ہر مرتبہ انکار کیا اور کہا کہ اگر میں نے اسے آپ کے ہاتھ بیچا ہے تو اس کا کوئی گواہ لائیے۔ اسی دوران میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے انہوں نے اعرابی سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں جھوٹ نہیں بول سکتے جو آپؐ فرما رہے ہیں یقیناً وہی سچ ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۳۹۹ پر)

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضورؐ کی لکھوائی ہوئی متفرق آیتیں لے کر آ رہے تھے۔ ان میں سے سوائے حضرت خُزیمہؓ کے اور کسی کے پاس یہ آیتیں الگ لکھی ہوئی نہ ملیں۔

بہرحال چند ماہ کی جانگسل محنت کے بعد حضرت زیدؓ بن ثابت نے تمام آیاتِ قرآنی کو کاغذ کے صحیفوں پر مرتّب شکل میں تحریر کر دیا۔ لیکن ہر سورۃ علیحدہ صحیفے میں لکھی اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔ ان کے مجموعے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "مُصحف" کا نام دیا۔ اس میں تمام آیات حضورؐ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتّب تھیں اور یہ مُصحف خطِ حیری میں لکھا گیا، اور تمام اکابرِ اُمّت کی اجتماعی تصدیق سے مرتّب کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حیات میں یہ مُصحف انہیں کے پاس رہا، پھر حضرت عُمرِ فاروقؓ کے پاس رہا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کی وصیّت کے مطابق اسے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

لیکن وہ بار بار گواہ مانگے جا رہا تھا۔ اتنے میں حضرت خُزیمہؓ بن ثابت (اتّفاق سے) وہاں آ گئے۔ انہوں نے اعرابی سے مخاطب ہو کر کہا "میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو نے گھوڑا ان کے ہاتھ بیچا ہے"۔ اس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خُزیمہؓ سے پوچھا کہ "تم تو اس وقت وہاں موجود نہ تھے تم شہادت کس طرح دے رہے ہو۔" انہوں نے عرض کیا، "اے اللہ کے رسول میں آپؐ کی تصدیق کر رہا ہوں (یعنی چونکہ آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہی فرماتے ہیں اس لیے میں نے یہ گواہی دی) ان کا جوشِ اخلاص دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا کہ خُزیمہ جس کے مخالف یا موافق گواہی دیں تو بس صرف ان کی تنہا گواہی کافی ہے یعنی ان کی شہادت دو آدمیوں کے برابر ہے۔ چنانچہ حضرت خُزیمہؓ اسی دن سے "ذوالشہادتین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت خُزیمہؓ نے جنگِ صفّین (۳۶ھ) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان سے ۳۸ احادیث مروی ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے حضرت حفصہؓ سے مانگ لیا اور اس کی نقل پر حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری، حضرت سعیدؓ بن عاص، حضرت عبداللہؓ بن الحارث بن ہشام اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو مقرر فرمایا۔ مؤخر الذکر تینوں حضرات قرشی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ جس قرأت کے متعلق تم میں اور زیدؓ بن ثابت میں اختلاف ہو اس میں قریش کی زبان کی پیروی کرو، کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جب متعدد نسخے تیار ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے ایک ایک نسخہ ہر صوبے میں بھیج دیا۔ ان کے علاوہ جتنے نسخے اور تھے ان سب کو ضائع کرا دیا۔ [1]

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶، باب جمع القرآن)

---

[1] مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "خلفائے راشدین" میں حضرت عثمانؓ کی مذہبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی مہم میں شام، مصر، عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں جمع تھیں جن میں تر نو مسلم اور عجمی النسل تھے جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی شریکِ جہاد تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اختلافِ قرأت کا یہ حال ہے کہ اہلِ شام کی قرأت اہلِ عراق سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسی طرح اہلِ بصرہ کی قرأت اہلِ کوفہ سے بالکل جداگانہ ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا:

"امیر المومنین اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۴۰۱ پر)

بعض علماء نے سورتوں کی ترتیب کو صحابہؓ کے اجتہاد پر مبنی قرار دیا ہے۔ لیکن مشہور محقّق ڈاکٹر سعید اللہ قاضی نے لکھا ہے کہ:

"یہ بات لاتعداد مستند ذرائع سے ثابت ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کاتبینِ وحی کو قرآن املا کرواتے اور اُن کو آیات کی ترتیب سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے جو لوگ اس کو صحابہؓ کے اجتہاد کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ اپنی اس رائے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے لُغتِ قریش پر ایک مُصحف تیار کیا تو تمام صحابۂ کرام نے اپنے نسخے (جو اُن کے پاس تھے) ترک کیے اور اس نسخے سے اتّفاق کیا۔ اگر وہ ترتیبِ آیات اور ترتیبِ سُوَر کو مبنی بر اجتہاد سمجھتے تو اپنے اپنے نسخے ترک نہ کرتے اور حضرت عثمانؓ کے مُصحَف سے اتفاق نہ کرتے۔ جہاں تک ترتیبِ توقیفی اور ترتیبِ اجتہادی کے نظریے کا تعلّق ہے تو اس میں ترتیبِ اجتہادی کا نظریہ کسی مستند دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ دوسری جانب دلیل یہ ہے کہ بیشتر سورتوں کی ترتیب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں معلوم تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کرلیں گے۔" حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا اور انہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ سے عہدِ صدیقی کا مرتّب و مدوّن کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیرؓ اور سعیدؓ بن العاص سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطورِ خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیا۔"

جیسے سبع طُوَل اور حوامیم اور مفصل سورتیں وغیرہ۔
البتہ جو لوگ سورتوں کی ترتیب میں اجتہاد کے قائل ہیں وہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو بغیر بسم اللہ لکھنے کو حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کا نتیجہ سمجھتے ہیں مگر حضرت عثمانؓ نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ سورۂ انفال کو سورۂ توبہ کے ساتھ بغیر بسم اللہ کے کس لیے ملایا گیا ہے۔ سورۂ انفال ہجرت کے آغاز میں نازل ہوئی تھی اور سورۂ توبہ عہدِ رسالت کے آخری دَور میں۔ دونوں سورتوں کے مضامین باہم ملتے جلتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا۔ یہ گویا صرف ایک استثنائی صورت ہے۔"

(قرآنِ کریم کی ترتیب از ڈاکٹر سعید اللہ قاضی)

(بحوالہ علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری)

ڈاکٹر صبحی صالح کے اس موقف کی تائید مُسندِ احمد اور مُسندِ ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا: کیا بات ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کو سورۂ توبہ کے ساتھ ملا دیا حالانکہ سورۂ انفال کی آیتیں ۷۵ ہیں اور سورۂ توبہ کی سَو سے زیادہ ہیں اور پھر ان دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں لکھی؟ کیا سبب ہے کہ آپ نے اس سورۂ انفال کو ابتدائی سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا؟
حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ

لمبی سورتوں کے نزول کے زمانے میں جب آپؐ پر کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپؐ کاتبینِ وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت آپؐ پر نازل ہوتی تو آپؐ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے اب سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور سورۂ براءۃ (توبہ) آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے اور ان دونوں سورتوں کا مضمون اگرچہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہمیں واضح طور پر نہیں بتایا کہ سورۂ انفال سورۂ براءۃ کا ایک حصہ ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھتے ہوئے انہیں ساتھ ساتھ بھی رکھا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور اس کو سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا۔"

یہ حدیث ترمذیؒ نے بھی روایت کی ہے۔



علمِ تفسیر

حضرت ابُوبکر صدیقؓ شروع سے لے کر اخیر تک مسلسل فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے رہے اس لیے ان کا سینہ علوم و کمالاتِ نبویہ کا مخزن بن گیا تھا اور وہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کا مصداق بن گیا تھا :۔

ما اوحی الی شیئ الا صببۃ فی صدر ابی بکر

(ریاض النضرہ)

(جو وحی مجھ پر نازل کی گئی میں نے اس کو ابُوبکر کے سینہ میں نچوڑ دیا)

صدیقِ اکبرؓ پر سید المرسلین حاملِ قرآن صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفقت اور کلام اللہ سے ان کے غیر معمولی شغف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورے قرآنِ کریم کے حافظ ہو گئے تھے۔ کئی موقعوں پر انہوں نے کتابتِ وحی کی خدمت بھی انجام دی تھی۔ لسانِ رسالت سے آیاتِ قرآنی کی تفسیر بڑے ذوق وشوق سے سنا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ خود بھی حضورؐ سے بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر پوچھ لیا کرتے تھے اس طرح وہ ہر آیت کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی "یا رسول اللہ اس آیت کے بعد کیا چارہ ہے؟ کیا درحقیقت ہم ہر برے کام کا بدلہ پاتے ہیں :

لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ۙ

(النسآء آیت ۱۲۳)

یعنی (نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر۔

جو شخص بُرے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔

حضورؐ نے فرمایا، "اے ابُوبکر اللہ تمہاری مغفرت کرے کیا تم بیمار نہیں ہوتے، کیا تمہیں کوئی رنج اور صدمہ نہیں پہنچتا اور کیا تم کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ عرض کیا، کیوں نہیں۔ ارشاد ہوا، یہ سب بُرے اعمال ہی کا بدلہ ہے۔"

ایک دفعہ مجمع عام کے سامنے یہ آیت پڑھی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (المائدہ آیت ۱۰۵)

(اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔)

پھر فرمایا شاید تم سمجھتے ہو کہ اس آیت کی رو سے تم پر صرف اپنی ذات کی ذمہ داری ہے (یعنی تم پر صرف تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم برائیوں کو دیکھتے ہو اور ان کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو اللہ کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے (گویا صرف اپنا ہدایت یافتہ ہونا کافی نہیں دوسروں کو ہدایت کی طرف بلانا اور برائیوں کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے)

(ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۶۰)

ایک دفعہ کچھ صحابہ بارگاہِ خلافت میں حاضر تھے۔ صدیق اکبرؓ نے ان سے پوچھا، آپ لوگوں کے نزدیک ان دو آیتوں کا کیا مطلب اور مفہوم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

اور

وَالَّذِيْنَ وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

صحابہؓ نے کہا "استقامُوا کے معنی ہیں ثابت قدم رہ کر کوئی گناہ نہیں کیا اور بُظلم کا مطلب ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایمان میں گناہوں کی آمیزش نہیں کی۔"

اس جواب پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا:

" ان کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے (یعنی کسی دوسرے کو معبود سمجھنے کا تصوّر نہیں کیا) اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی۔"

(تاریخ الخلفاء سیوطیؒ بحوالہ ابو نعیمؒ)

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ سے تفسیر قرآن کے بارے میں پوچھا تو فرمایا

" اللہ کے منشا کے خلاف اگر میں قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کروں (یا بغیر سمجھے بوجھے قرآن کریم کی تفسیر کروں) تو بتاؤ کس زمین میں رہوں اور کس آسمان کے نیچے زندگی گزاروں۔" (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

قرآن حکیم سے استدلال اور استنباطِ احکام میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے حادثہ نے صحابۂ کرامؓ کے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس پر یقین ہی نہ آتا تھا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے اور یہ آیت پڑھی

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ

(سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴)

یعنی "اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (اللہ کے) رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟"

اس ہوشربا موقع پر صدیقِ اکبرؓ کی زبان سے یہ آیت سن کر صحابۂؓ کو یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ یہ آیت پہلی بار سن رہے ہیں۔ سب کو یقین آگیا کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں چنانچہ وہ رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے۔

حدیث

حضرت ابوبکر صدیق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربِ خاص تھے اس لیے وہ حضور کے اسوۂ حسنہ اور ارشادات کے سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے لیکن روایتِ حدیث میں وہ بے حد محتاط تھے اس لیے ان سے صرف ایک سو بیالیس ۱۴۲ احادیث مروی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں امام نوویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی قلتِ روایت کا سبب یہ ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تھوڑی ہی مدت زندہ رہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کی خلافت کے زمانے میں احادیث دریافت کرنے کا زیادہ چرچا بھی نہ تھا بلکہ احادیث کی تلاش و جستجو، سماعت و تحفظ میں تابعین نے محنت کر کے احادیث حاصل و جمع کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا" میں ان کی قلتِ روایت کی وجوہ یہ بیان کی ہیں:

ا۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہے۔

ب۔ یہ تھوڑا عرصہ بھی مہمات امور کے طے کرنے میں گزر گیا۔

ج۔ ان کے معاصر قریباً سب صحابہ تھے جو خود راویانِ حدیث تھے (اس لیے صدیق اکبرؓ کے لیے کثرتِ روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا)۔

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدیقؓ" میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مرویات کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"باوجود قلّتِ روایت کے امہات مسائل میں حضرت ابوبکرؓ کی روایتیں سند ہیں مثلاً طریقۂ نماز حضرت ابوبکرؓ سے ابن زبیرؓ نے حاصل کیا اُن سے امام عطاؒ نے اُن سے ابن الجریجؒ نے۔ ابن الجریجؒ کی نسبت یہ قول ہے کہ اُن کے زمانے میں اُن سے بہتر نماز کا ادا کرنے والا کوئی نہ تھا اہلِ مکہ ادائے نماز میں طریقۂ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کے بارے میں سب سے زیادہ مستند روایت حضرت صدیقؓ کی ہے۔"

گویا صدیقِ اکبرؓ نے خلیفۂ رسول اللہؐ ہوتے کی حیثیت سے ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر خاص توجہ دی جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا۔ اس سلسلے میں ان کا فرمانِ صدقہ (نصابِ زکوٰۃ) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے جس کو انھوں نے تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔ (اس فرمان کی تفصیل "تفقّہ فی الدین" کے عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے)

روایتِ حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے یہ اصول قائم کیے:

۱۔ راوی ثقہ اور مامون ہو اور اس پر کسی قسم کا الزام نہ ہو۔

۲۔ فاتر العقل کی روایت معتبر نہ ہو گی۔

۳۔ خبرِ واحد اس وقت تک قبول نہیں ہو گی جب تک کہ اس راوی کے لیے کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رواۃِ حدیث میں سے مندرجہ ذیل صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ (صاحبزادیاں)، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو اُمامہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی، حضرت زیدؓ بن ثابت حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت معقلؓ بن یسار، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت بلالؓ، حضرت براءؓ بن عازبؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص الصنابحیؒ، قیس بن ابی حازمؒ، سویدؒ بن غفلہ، مرۃ بن شرحبیلؒ، واسط البجلیؒ

حافظ ذہبیؒ نے روایتِ حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حزم واحتیاط کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

حضرت ابوبکرؓ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"انکم تحدثون رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) احادیث یختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) شیئا فمن سئالکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلاله وحرموا حرامه۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۳)

یعنی تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی باہم اختلاف کرتے ہو۔ تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے تو وہ باہم اور بھی سخت اختلاف کریں گے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کرو اور کوئی تم سے کچھ دریافت کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس نے جو چیز حلال قرار دی ہے اس کو حلال سمجھو اور جو حرام قرار دی ہے اس کو حرام سمجھو۔"

اس روایت کے الفاظ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت حدیث

کے یکسر خلاف تھے۔ لیکن شارحینِ حدیث نے اس کا یہ مطلب نہیں لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ صدیقِ اکبرؓ کے اس ارشاد کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو اس کو بیان نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کی صحت پر ان کو کامل یقین تھا۔ اسی طرح وہ دوسروں سے بھی ایسی روایتیں بلا تردد و تامل قبول کر لیتے تھے جن کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی بعض احادیث مناسب مقامات پر بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً:

"نبی کا جہاں انتقال ہوتا ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے مال میں وراثت نہیں ہوگی ہم جو کچھ چھوڑیں گے صدقہ ہوگا۔"

"جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل کر دی جاتی ہے۔"

"جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور سے عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔" وغیرہ۔

ان کے علاوہ ہم یہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی دس مکمل احادیث اور چالیس احادیث کا خلاصہ بطور تبرک درج کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ۱۰ مکمل احادیث (اردو ترجمہ)

۱ حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرما دیجیے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس طرح دعا مانگا کرو:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(اے اللہ میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور پس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مکہ کے کافروں کے پاؤں دیکھے جب کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے غار (ثور) میں چھپے ہوئے تھے اور وہ (کافر) عین ہمارے سروں پر کھڑے تھے تو میں نے کہا: "یا رسول اللہ اگر کوئی ان کافروں میں سے ہمارے قدموں کی طرف نظر کرے تو ضرور ہم کو دیکھ لے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوبکر ایسے دو شخصوں کے بارے میں تیرا کیا ظن ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ اور سونے کی سونے کے ساتھ کی جائے مگر اس صورت میں جائز ہے جب برابر برابر ہو اور یہ بھی فرمایا کہ چاندی کو سونے کے ساتھ جیسے چاہیں خریدیں اور سونے کو چاندی کے ساتھ جس طرح چاہیں لیں دیں۔ کسی نے پوچھا دست بدست؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بس میں نے ایسے ہی سنا ہے (صحیحین)

۴۔ حضرت ابُوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، کیا میں تم کو آگاہ نہ کروں بڑے بڑے گناہوں سے؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ یہ فرماکر آپؐ بیٹھ گئے اور فرمایا۔۔۔ اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ پھر آخری فقرہ کو اتنی بار دہرایا کہ ہم نے دل میں کہا، رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت تکلیف ہو رہی ہے کاش اب آپؐ اپنے ارشاد کو دہرانے کی زحمت نہ فرمائیں۔

۵۔ حضرت ابُوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ عَلیہ وسلّم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ سلطنت دے تو جو شخص (ازراہِ حسد یا بلا وجہ) اس کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذلیل کرے گا۔ (ترمذی)

۶۔ حضرت ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کرکے) گردن کاٹ دی۔ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد فرمایا، جو کوئی تم میں سے (کسی دوسرے کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں اور اس کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (جو تمام حقیقتوں سے آگاہ ہے) اور ایسا نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے (یعنی کسی کے بارے میں ایسا نہ کہے کہ وہ بلاشبہ اور یقیناً پاک اور مقدس ہے کیونکہ یہ اللہ پر حکم لگانا ہے جس کا حق کسی بندے

کو نہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص قرآن کریم کو اس کی اصلی صورت نزول میں پڑھنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابنِ اُمِ عبد (حضرت عبداللہؓ بن مسعود) کی قرأت کی مانند تلاوت کرے۔

(مُسند احمد)

۸۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (دار قطنی)

۹۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور استغفار ہمیشہ پڑھتے رہو کیونکہ شیطان کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے برباد کیا اور لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے وِرد سے مجھے برباد کرتے ہیں۔ اندریں حالت میں لوگوں کو خواہشات میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ خود کو سیدھے راستے پر چلنے والے خیال کرتے ہیں۔

(مُسندِ ابو یعلیٰ)

۱۰۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے دستِ مبارک سے کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں (دُور ہو دُور ہو فرما رہے ہیں) لیکن کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپؐ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا دنیا کی دراز دستیوں کو؟ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیسے؟ ارشاد ہوا، تم سے اور خود سے دنیا کی دراز دستیوں کو ہٹا رہا ہوں۔ تم پر ان کا قابو نہیں چلے گا (یعنی دنیا کی دلفریبیوں کی طرف تمہاری رغبت نہیں ہوگی) (مُسندِ بزّار)



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں سے

چالیس ۴۰ احادیث

کا

خلاصہ

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی عافیت کی دعا کیا کرو۔ (مُسندِ احمد، نسائی و ابنِ ماجہ)

۲۔ مکان بنانے سے پہلے وہاں کی آبادی، ہمسایہ اور راستوں کو دیکھ لو (دیلمی)

۳۔ جھوٹ سے ہمیشہ دور رہو کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور کر دیتا ہے۔

(مکارمِ اخلاق ابنِ لآل)

۴۔ اگر جنّتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے۔ (مُسندِ ابویعلیٰ)

۵۔ جس نے فی سبیل اللہ زمین پر مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں محل تعمیر کر دیتا ہے۔ (طبرانی)

۶۔ کوئی شخص کسی قسم کی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ آئے۔ (طبرانی)

۷۔ تہمت لگانے والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔ (دیلمی)

۸۔ کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہے۔ (دیلمی)

۹۔ دوزخ کی گرمی میرے اُمّتی پر حمام کی گرمی کی طرح ہے۔ (طبرانی)

۱۰۔ ایک جمعہ دوسرے جمعہ کا کفّارہ ہے اور غسلِ جمعہ بھی کفّارہ ہے۔ (عقیلی)

۱۱۔ جنگِ بدر میں شہادت پانے والا جنّتی ہے۔ (دار قطنی)

۱۲۔ کسی کام کے ارادے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دعا فرماتے اے اللہ اپنی پسند کا کام مجھ سے لے۔ (ترمذی)

۱۳۔ اسلامی دعا یہ ہے، اے اللہ غم و آلام سے محفوظ رکھ (بزارؒ و حاکمؒ)

۱۴۔ جس جسم کی پرورش حرام سے ہوئی تو وہ دوزخی ہے۔ (ابویعلیٰ)

۱۵۔ اپنے نسب میں معمولی سی تبدیلی کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ سے کُفر کرتا ہے۔ (بزارؒ)

۱۶۔ مسلمان کو تکلیف دینے والا اور مسلمان کے ساتھ دھوکا کرنے والا ملعون ہے۔

(جامع ترمذی)

۱۷۔ بخیل، بدخواہ، خیانت کرنے والا اور ظالم حاکم قوم ہرگز جنّت میں نہیں جائیں گے۔

(مُسند احمد بن حنبلؒ)

۱۸۔ دوزخ سے بچنے کے لیے کھجور کے ٹکڑے کے برابر ہی خیر خیرات کرو، یہ ٹیڑھے کو سیدھا کرتی، مُردے کو عذاب سے دُور رکھتی اور بھوکے کو سیر کرتی ہے۔

(مُسندِ ابویعلیٰؒ)

۱۹۔ یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ نے لعنت کی ہے کیونکہ انھوں نے انبیاءؑ کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ (مُسندِ ابویعلیٰؒ)

۲۰۔ مسواک منہ کو پاک صاف کرتی ہے اور اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

(مسند احمد بن حنبلؒ)

۲۱۔ فجر کی نماز پڑھنے والے کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔ اللہ کے اس معاہدے میں دست اندازی نہ کرو۔ جو ایسے نمازی کو قتل کرے اللہ اس کے قاتل کو اوندھے منہ دوزخ میں جھونک دے گا۔ (ابنِ ماجہ)

۲۲۔ گناہگار اچھی طرح وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر دُعائے مغفرت

کرے تو اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

۲۳۔ سلطنت کا مقتدرِ اعلیٰ اگر کوئی ایسا حاکم مقرر کرے جو رعایا کے حقوق کی حفاظت نہ کرے تو ایسے مقتدرِ اعلیٰ پر اللہ کی لعنت ہے اگرچہ وہ فرائض و نوافل پڑھتا ہو اور اللہ اس کو جہنم میں جھونک دے گا۔ اور جس نے اللہ کے لیے کسی کی حمایت کی اور پھر بلا وجہ اس حمایت سے دست کش ہو گیا تو اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ (مسندِ احمد بن حنبلؒ)

۲۴۔ مخلوق کے لیے آسانیاں ہیں۔ (مسندِ احمد بن حنبلؒ)

۲۵۔ جسم کا ہر حصہ اس کی تیز زبانی کی شکایت کرے گا۔ (مسندِ ابو یعلیٰؒ)

۲۶۔ چودھویں شعبان کی رات میں کافر اور کینہ پرور کے سوائے باقی اشخاص کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرتا ہے۔ (دارقطنی)

۲۷۔ پانچویں چوری پر چور کو قتل کیا جائے۔ (مسندِ ابو یعلی و دیلمی)

۲۸۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان پرچم ہے اسے اٹھانے کی کس میں طاقت ہے؟ (دیلمی)

۲۹۔ انصاف پرور اور متواضع مقتدرِ اعلیٰ سایۂ الٰہی میں ہے وہ زمین پر اللہ کا نیزہ و علم ہے۔ شب و روز اسے ستر صدیقوں کا ثواب ملتا ہے۔ (عقیلی و ابنِ حبان)

۳۰۔ جانوروں کا شکار، خاردار اور دوسرے درختوں کی قطع و برید صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ تسبیح و ذکرِ الٰہی میں کمی کر دیتے ہیں۔

۳۱۔ جو شخص اپنے امام کی موجودگی میں اپنے یا دوسرے کے لیے جنگ کا آغاز کرے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔ ایسے شخص کو قتل کر دو۔ (دیلمی)

۳۲۔ شیطان سے پناہ مانگنے میں غفلت نہ کرو اگرچہ تم اسے نہیں دیکھتے لیکن وہ تم سے غفلت نہیں کرتا۔ (دیلمی)

۳۳۔ اللہ کا حکم ہے اگر تم کو میری رحمت کی طلب ہے تو میری مخلوق پر مہربانیاں کرو۔ (ابنِ حبان و دیلمی)

۳۴۔ دو آدمیوں کی موجودگی میں تیسرا اللہ تعالیٰ بھی ہوتا ہے۔ (صحیحین)

۳۵۔ جو شخص صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی کی ضرورت پوری کرے تو اللہ اسی دن اس کے کاموں کا اچھا بدلہ دے گا اگرچہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ (دیلمی)

۳۶۔ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کروں۔ (احمد بن حنبلؒ)

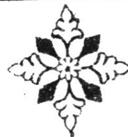
۳۷۔ حلال روزی کھانے کے بعد کسی کو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (بزارؒ)

۳۸۔ وہ حج افضل و برتر ہے جس میں کثرت سے لبیک کہی جائے اور کثرت سے قربانیاں دی جائیں۔ (ترمذی و ابنِ ماجہ)

۳۹۔ جس نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنے قدموں کو غبار آلود کیا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ (بزارؒ)

۴۰۔ دوزخ کی سختیوں سے حفاظت کے طلب گار اور سایۂ الٰہی کے آرزومند کو چاہیے کہ مسلمانوں پر سختی نہ کرے بلکہ ان پر مہربانیاں کرے۔

(ابنِ لآل، ابنِ حبان و ابو شیخ)



بکھرے موتی

سیّدنا صدّیقِ اکبرؓ کے پچاس۵۰ ارشادات

مختلف روایتوں میں سیّدنا صدّیقِ اکبرؓ کے بے شمار ارشادات واقوال نقل کیے گئے ہیں جو بالعموم ان کے خطبات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پچاس ارشادات بطورِ تبرک نیچے درج کیے جاتے ہیں :

۱۔ عقلمند کی پہچان کم گوئی ہے۔

۲۔ جس پر نصیحت اثر نہ کرے اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

۳۔ مصیبت کی جڑ انسان کی گفتگو ہے۔

۴۔ شریف جب علم پڑھتا ہے متواضع ہو جاتا ہے۔

۵۔ گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا واجب تر۔

۶۔ صبح خیزی میں مرغانِ سحر کا سبقت لے جانا تیرے لیے باعثِ شرم ہے۔

۷۔ فقیر (مسکین) کے سامنے عاجزی اور ادب سے صَدقہ پیش کر کیونکہ خوشدلی سے صَدقہ دینا قبولیّت کا نشان ہے۔

۸۔ بوڑھا توبہ کرے تو خوب ہے اور اگر جوان توبہ کرے تو خوب تر ہے۔

۹۔ جوان کا گناہ بھی اگرچہ بُرا ہے لیکن بوڑھے کا گناہ بدتر ہے۔

۱۰۔ تُو دنیا کا سامان جمع کرنے میں مشغول ہے اور دنیا تجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں سرگرم ہے۔

۱۱۔ ہر چیز کے ثواب کا ایک اندازہ ہے لیکن صبر کا ثواب بے اندازہ ہے۔
۱۲۔ جو شخص دعوتِ توحید کی ابتدا میں فوت ہو گیا وہ بہت خوش نصیب تھا۔
۱۳۔ امیروں کا تکبّر کرنا بُرا ہے لیکن غریبوں اور محتاجوں کا تکبّر کرنا بدتر ہے۔
۱۴۔ عام لوگ عبادت میں سُستی کریں تو بُری بات ہے لیکن علماء اور طلباء عبادت میں سُستی کریں تو یہ اور بھی زیادہ بُرا ہے۔
۱۵۔ دولت آرزو کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔
۱۶۔ بالوں کو خضاب لگا کر جوانی حاصل نہیں ہوتی۔
۱۷۔ دوائیں کھا کھا کر صحت مند نہیں بنا جا سکتا۔
۱۸۔ مردوں کا شرم کرنا اچھا ہے لیکن عورتوں کا شرم کرنا بہت اچھا ہے۔
۱۹۔ غریب اگر تواضع کریں تو اچھا ہے لیکن امیروں کا تواضع کرنا بہت اچھا ہے۔
۲۰۔ زبان کو شکوہ و شکایت سے روکو، خوشی کی زندگانی عطا ہو گی۔
۲۱۔ اللہ کے خوف سے روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو۔
۲۲۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی ایسی تعریف کرو جس کا وہ سزاوار ہے۔
۲۳۔ امید اور خوف دونوں کو مخلوط رکھو اور الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرو۔
۲۴۔ دنیا میں حاکم کی ذمّہ داری بڑھ جاتی ہے۔ قیامت کے دن اس سے سختی سے حساب لیا جائے گا اور اس کا اعمالنامہ بہت لمبا ہو جائے گا۔
۲۵۔ اگر میرا ایک پاؤں جنت میں ہو اور دوسرا اس سے باہر تو بھی میں اپنے آپ کو اللہ کے غضب سے محفوظ تصوّر نہیں کرتا۔
۲۶۔ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں اور نہ اس کی روشنی کبھی ماند پڑے گی۔
۲۷۔ (نیک عمل کرنے سے) اپنی رفتار تیز سے تیز تر کر دو کیونکہ تمہارے پیچھے ایک

ایسا تعاقب کرنے والا لگا ہوا ہے جو بڑا ہی تیز رفتار ہے۔

۲۸۔ ہر عمل کا اس کے وقت کے ساتھ بجا لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک نفل قبول نہیں کرتا جب تک تم فرض ادا نہ کرو۔

۲۹۔ اس دن پہ رو جو تیری عمر سے گزر گیا اور اس میں نیکی نہیں کی۔

۳۰۔ ہر کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانو۔ اس سے ڈرو اور شرم کرو۔

۳۱۔ کفّار سے جہاد کرنا جہادِ اصغر ہے اور نفس سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔

۳۲۔ نماز کو سجدۂ سہو، روزہ کو صدقۂ فطر، حج کو فدیہ اور ایمان کو جہاد پورا کرتا ہے۔

۳۳۔ اخلاص یہ ہے کہ اعمال کا عوض نہ چاہے۔ دنیا کو آخرت کے لیے اور آخرت کو اللہ کے لیے چھوڑ دے۔

۳۴۔ جو امر پیش آتا ہے وہ نزدیک ہے لیکن موت اس سے بھی نزدیک تر ہے۔

۳۵۔ مؤمن کو اتنا علم کافی ہے کہ اللہ عزّوجلّ سے ڈرتا رہے۔

۳۶۔ میں نیک کام کروں تو میری اعانت کرو۔

۳۷۔ میں بُرا کام کروں تو مجھے درست کرو۔

۳۸۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔

۳۹۔ عمل بغیر عِلم کے سقیم (بیمار) اور عِلم بغیر عَمل کے عقیم (بے کار) ہے۔

۴۰۔ بُروں کی ہم نشینی سے تنہائی بدرجہا بہتر ہے۔

۴۱۔ جاہ و عزّت سے بھاگو، عزّت تمہارے پیچھے پھرے گی۔

۴۲۔ کسی مسلمان کو حقیر نہ جانو۔

۴۳ - چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہے۔

۴۴ - موت پر دلیر رہو تم کو زندگی بخشی جائے گی۔

۴۵ - ہم نے بزرگی تقویٰ میں، بے نیازی یقین میں اور عزت تواضع میں دیکھی۔

۴۶ - جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس کو ذلیل کر ڈالتا ہے۔

۴۷ - مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ قبولیت اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔

۴۸ - جس قوم میں بُری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۴۹ - باہم قطع تعلق مت کرو، بغض نہ کرو، حسد نہ کرو۔

۵۰ - آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تم کو حکم ہے۔



تفقُّہ فی الدّین

حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے تَفَقُّہ فی الدّین کا خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ "فقہ" استنباطِ مسائل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے استنباطِ مسائل کے چار اصول قائم کیے:

۱۔ سب سے پہلے وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے اگر اس میں کوئی حُکم مل جاتا تو اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

۲۔ اگر قرآنِ کریم میں حکم نہ ملتا تو سُنّتِ رسول اللہؐ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۳۔ اگر اس سے بھی مقصد حاصل نہ ہوتا تو اکابر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جس پر سب مُتَّفِق ہو جاتے اس کا حُکم دیتے تھے۔

۴۔ اگر کسی بات پر صحابہؓ کا اجتماع نہ ہوتا تو اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے تھے اور جس بات کو حق سمجھتے اس کا اعلان کر دیتے تھے۔

دورانِ خلافت میں اُن کو فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے ان کو کمال درجے کی فقہی بصیرت کے ساتھ حل کیا مثلاً میراثِ جد، میراثِ جدہ، تفسیرِ کلالہ، حدِ شربِ خمر وغیرہ۔

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ نے "سیرۃ الصّدیقؓ" میں لکھا ہے کہ انہوں نے مُہمِ شام کی روانگی کے وقت جو احکام امرائے لشکر کو دیئے وہ صدیوں تک اُمرائے اسلام کا دستور العمل رہے۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں صدیقِ اکبرؓ کی فقاہت کا اندازہ اس فرمانِ صدقہ سے

کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنے تمام عُمّال کے نام جاری کیا۔ یہ ایک اہم اور یادگار دستاویز ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

فرمانِ صَدقہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یہ فرائضِ صَدقہ ہیں جن کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم نے اللہ کے حکم سے مسلمانوں پر مقرر فرمایا تھا۔ جس مسلمان سے ان کے مطابق مانگا جائے تو اس کو دے دینا چاہیے اور جس سے مقررہ مقدار سے زیادہ طلب کیا جائے اس کو نہ دینا چاہیے۔ چوبیس اونٹ اور اس سے کم میں ہر پانچ پر ایک بکری ہو گی۔ جب پچیس سے پینتیس تک ہوں تو ایک مادہ بنت مخاض (سال بھر کی اونٹنی)۔ جب چھتیس سے پینتالیس تک ہوں تو ایک مادہ بنت لبون (تین سال سے کم کی اونٹنی) جب چھیالیس سے ساٹھ تک ہوں تو ایک حقہ قابلِ نر (چار سال سے کم کی اونٹنی) جب اکسٹھ سے پچھتر تک ہوں تو ایک جذعہ (پانچ سال سے کم کی جس کے آگے کے دانت ٹوٹ چکے ہوں) جب چھہتر سے نوّے تک ہوں، دو بنت لبون۔ جب اکانوے سے ایک سو بیس تک ہوں تو دو حقے قابلِ نر۔ جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس پر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ۔ جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں اس میں صَدقہ نہیں ہے اگر ان کا مالک دینا چاہے (تو تطوعاً اور تبرعاً قبول کیا جا سکتا ہے) جب پانچ ہوں تو ایک بکری۔

بکریوں کا صَدَقہ اگر وہ چرنے والی ہوں، چالیس سے ایک سو بیس تک ایک بکری، جب ایک سو بیس سے اوپر دو سو تک ہوں تو دو بکری۔ جب دو سو سے اوپر تین سو تک ہوں تو تین بکری۔ جب تین سو سے اوپر ہوں تو ہر سَو پر ایک بکری۔ جب چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں، ان میں صَدَقہ نہیں ہے البتہ اگر ان کا مالک دینا چاہے۔

چاندی (مضروب وغیر مضروب) میں (قابلِ زکوٰۃ مقدار کے) دسویں کا ربع ہے اگر ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ نہیں البتہ اگر مالک دینا چاہے [1]

جس کے پاس اونٹ کا صَدَقہ جذعہ تک پہنچ گیا ہو اور جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو حقہ کو قبول کر لینا چاہیے اور اس کے ساتھ دو بکریاں لینی چاہئیں اگر آسانی سے ممکن ہو، یا بیس درہم لے لینے چاہئیں اور جس کے پاس حقہ کا صَدَقہ ہو اور حقہ موجود نہ ہو بلکہ جذعہ ہو تو جذعہ لے کر مصدق بیس درہم یا دو بکریاں مالک کو دے دے اور جس کو صَدَقہ میں حقہ دینا ہو اور اس کے پاس صرف بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون لے کر اس کو دو بکریاں یا بیس درہم دے دینے چاہئیں اور جس کو صَدَقہ میں بنتِ لبون دینا ہو اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ لے کر مصدق بیس درہم یا دو بکریاں اس کو دے دے اور جس کو صَدَقہ میں

---

[1] چاندی کا نصابِ زکوٰۃ کم از کم دو سو درہم (یا ساڑھے باون تولے) کے برابر چاندی ہے۔ اس سے کم مقدار پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

بنت لبون دینا ہو اور اس کے پاس نہ ہو بلکہ بنتِ مخاض ہو تو اس سے بنتِ مخاض قبول کی جائے گی اور اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دی جائیں گی۔ اور جس کو صدقہ میں بنتِ مخاض دینا ہو اور اس کے پاس نہ ہو بلکہ بنت لبون ہو تو وہ قبول کی جائے گی اور مصدق مالک کو بیس درہم یا دو بکریاں دے گا اگر بنت مخاض صدقہ کے مطابق نہ ہو بلکہ ابنِ لبون (تین سال سے کم کا اونٹ) ہو تو وہ لے لیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ کچھ نہ دیا جائے گا۔

اور صدقہ میں اس قدر بوڑھا جانور جس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں نہ نکالا جائے اور نہ عیب دار جانور لیا جائے اور نہ بکرا لیا جائے البتہ اگر مصدق چاہے تو لے سکتا ہے۔

اور صدقہ کے خوف سے متفرق کو مجتمع اور مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اور دو شرکاء برابر برابر اپنا حصہ لگالیں۔"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم وغیرہ)

بعض فقہی مسائل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی مخصوص رائے رکھتے تھے۔ اس قسم کے چند مسائل کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ قرآنِ کریم میں دریائی جانوروں کے متعلق حکم ہے کہ "تمہارے لیے دریا (سمندر) کا شکار اور اس کا طعام حلال کیا گیا ہے جو تمہارے لیے متاع ہے۔"

لیکن دریا (سمندر) میں بعض جانور مرنے کے بعد سطح کے اوپر آجاتے ہیں اور ان کا شکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"مُردہ ہو کر جو جانور دریا (سمندر) کی سطح پر آجائے اس کا کھانا حلال ہے۔"

(صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید)

۲۔ تھپڑ کے قصاص کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ اس کا بھی قصاص لینا جائز ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت سویدؓ بن مقرنؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان کی اس رائے کے مؤید تھے۔

۳۔ دادا کی میراث کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے اس معاملہ میں یہ تھی کہ دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک ایسا شخص مر جاتا ہے جس کی نسبی اولاد کوئی نہیں اور باپ بھی زندہ نہیں البتہ دادا اور بہن بھائی موجود ہیں۔ اس صورت میں میت کا مستحق وارث کون ہو گا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے میں دادا باپ کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے مستحق وارث ہو گا اور بھائی بہن محجوب الارث ہوں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے:

"وہ شخص جس کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اگر میں اس اُمّت میں کسی کو خلیل بناتا تو اسی کو بناتا (یعنی حضرت ابوبکرؓ) اس نے دادا کو باپ کا قائم مقام قرار دیا ہے۔"

(کتاب المناقب، مناقب ابی بکرؓ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور تقریباً گیارہ دوسرے صحابہؓ انہی کے ہم خیال ہیں۔ امام بخاریؒ کے قول کے مطابق "حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں کسی نے اس خیال کی مخالفت نہیں کی۔" (بخاری کتاب الفرائض باب میراث الجدّ)

البتہ بعد میں صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے اس قسم کی صورت میں بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیا ——— سیدنا صدیق اکبرؓ قیاسی مسائل میں رائے دینے میں بہت محتاط تھے اگر مجبوراً کسی معاملے میں قیاس سے کام لیتے تو فرماتے "میری یہ رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے اور میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں۔"

علمُ الاَنسَاب میں مہارت

علم الانساب یعنی قبائل کا نام ونسب یاد رکھنا اُس زمانے میں عرب کا مایۂ ناز علم تھا اور جس شخص کو اس میں مہارت حاصل ہوتی اس کو بڑی عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے دور کے بہت بڑے نسّاب تھے۔ اس علم یا فن میں ان کی مہارت کا خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتراف فرماتے تھے۔ حضور تبلیغ کے لیے عرب کے مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر آپؐ کے ہم رکاب ہوتے۔ اس وقت ان کا علم انساب بہت کام آتا اور وہ حضورؐ کا ان قبائل سے تعارف کراتے تھے۔

مشرکین قریش کے بعض شعرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتے تھے۔ حضرت حسّانؓ بن ثابت انصاری (شاعر دربارِ رسالت) نے حضورؐ سے ان کا جواب دینے کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا، جب میں خود قریش سے ہوں تو تم اُن کی ہجو کیسے کرو گے؟

حضرت حسّانؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میں آپؐ کو ان سے اس طرح الگ کر لوں گا جس طرح بال (یا جو) کو آٹے (یا خمیر) سے نکال لیتے ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ تم سے زیادہ قریش کے انساب سے واقف ہیں۔ (بروایت دیگر — وہ انساب عرب کے سب سے زیادہ ماہر ہیں)

چنانچہ قریش کی ہجو کرنے سے پہلے حضرت حسّانؓ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ درس لیتے تھے۔ (الاستیعاب جلد ا - لابن عبد البرؒ)

حضرت علی کَرَّمَ اللہ وجہہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ علم الانساب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ (العقد الفرید ج ۳ ۔ لابن عبد ربہ)

حضرت جُبَیرؓ بن مطعم جو بہت بڑے نسّاب تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت اُبُوبکرؓ سے سیکھا ہے جو نسب دانی میں تمام عرب اور قریش سے فائق تر ہیں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے " ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا" میں لکھا ہے کہ انساب قریش سے متعلق تمام علم بروایت زبیر بن بکارؒ محفوظ ہے انہوں نے مصعب زبیریؒ سے حاصل کیا۔ مصعبؒ نے بیک واسطہ جبیرؓ بن مطعم سے اور جبیرؓ نے حضرت اُبُوبکرؓ سے۔



تعبیرِ رُؤیا

تعبیرِ رُؤیا کو عُلومِ نبُوّت میں شمار کیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کے بعد یہ علم بعض دوسرے خاصانِ خدا کو ان کی روحانی لطافت و نظافت کے مطابق عطا ہوتا ہے۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم نے "سیرۃ الصدیقؓ" میں بہت خوب لکھا ہے کہ

"یہ (تعبیر رویا) بھی ایک علمِ الٰہی ہے جس کا ادراک جدید روشنی میں مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ جو لوگ نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے ـــــ وہ نور و صفائی باطن سے محروم ہیں جس کی ضرورت اس فن کے لیے ہے۔"

حضرت اُبو بکر صدیقؓ تعبیرِ رُؤیا کے علم میں تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے اور یہ کمال حاصل کیا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں لوگوں کو خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرینؒ جن کو فنِ تعبیر میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ فرمایا کرتے تھے :

کان ابوبکرؓ اعبر ھٰذہ الامۃ بعد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

(نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اس اُمت میں ابُو بکرؓ فنِ تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے) (طبقات ابن سعد)

ابنِ عساکرؒ نے حضرت سمُرۃؓ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے خواب کی تعبیر ابُو بکرؓ سے پوچھ لیا کروں کیونکہ انہیں تعبیرِ خواب میں کمال حاصل ہے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

ارباب سیر و حدیث نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تعبیرِ رؤیا کے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں :۔

مشہور صحابی حضرت خالدؓ بن سعید اُموی نے قبولِ اسلام سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ ایک غار کے دہانے پر کھڑے ہیں جس میں آگ بھڑک رہی ہے اور ان کا مشرک باپ سعید بن عاص پوری قوت سے ان کو اس غار میں دھکیل رہا ہے لمتے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اُن کا گریبان پکڑ کر انہیں اس غار میں گرنے سے بچا لیتے ہیں۔

صبح ہوئی تو وہ سیدھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا، میں نے یہ خواب دیکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے آپ ہی مجھے اس کے بارے میں کچھ بتائیں کیونکہ مکہ میں کوئی اور ایسا شخص مجھے نظر نہیں آتا جو تعبیرِ رؤیا میں آپ جیسی مہارت رکھتا ہو۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا "برادر زادے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں تم فوراً اس کو قبول کرو۔ تمہارے خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے تم اس آتشیں غار میں گرنے سے بچ جاؤ گے البتہ تمہارے والد کی قسمت میں یہ سعادت نہیں ہے وہ ضرور اس غار میں گرے گا۔"

چنانچہ حضرت خالدؓ بن سعید فوراً سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ ان کا والد اس سعادت سے محروم رہا اور حالتِ شرک ہی میں فوت ہوا۔ (مستدرک حاکم)

غزوۂ طائف (۸ ہجری) کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھا کہ ایک بھرا ہوا پیالہ آپؐ کو ہدیہ میں دیا گیا ہے لیکن ایک مرغ اس میں ٹھونگ ماردی، اور پیالے میں جو چیز تھی وہ گر پڑی۔

حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ نے اس خواب کا ماجرا سنا تو بارگاہِ رسالت میں عرض کی " یارسول اللہ صلعم میرے ماں باپ آپ پر قربان ، میرے نزدیک اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ طائف کے محاصرے میں کامیابی نہیں ہوگی۔"

حُضُورؐ نے فرمایا: " ہاں میرا بھی یہی خیال ہے "

چنانچہ کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ حضورؐ نے طائف کا محاصرہ اٹھالیا۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کالی بکریوں کے پیچھے جارہے ہیں پھر سفید بکریوں کے پیچھے چلنے لگے اور کالی بکریاں اوجھل ہوگئیں۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو انہوں نے عرض کیا، " یارسول اللہ کالی بکریاں اہلِ عرب ہیں جو پہلے آپؐ پر ایمان لائیں گے اور سفید بکریاں اہلِ عجم ہیں جو اس کثرت سے ایمان لائیں گے کہ اہلِ عرب سے بڑھ جائیں گے۔

یہ تعبیر سُن کر حضورؐ نے فرمایا، صحیح ہے یہی تعبیر صبح ایک فرشتے نے بھی دی تھی۔

ایک اور روایت میں حضورؐ کا یہ خواب بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ ایک کنوئیں سے پانی کھینچ رہے ہیں اتنے میں کچھ سیاہ بکریاں آپؐ کے پاس آئیں اور ان کے بعد کچھ اور بکریاں آئیں جن کے سفید بالوں میں تھوڑی سی سرخی تھی۔

حضرت ابُوبکر رضؓ نے یہ خواب سن کر مندرجہ بالا تعبیر دی۔ (تاریخ الخلفاء۔ سیوطیؒ)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا کہ ابر کا ایک ٹکڑا ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے ، اور لوگ ہاتھوں پر لے رہے ہیں کوئی زیادہ لیتا ہے اور کوئی کم۔ اسی اثنا میں ایک رسّی آسمان سے زمین تک لٹک آئی۔ آپؐ نے اس کو پکڑ کر کھینچا اور اوپر چڑھ گئے پھر دوسرے شخص نے اس کو پکڑا اور اوپر چڑھ گیا پھر تیسرا شخص آیا اور پکڑ کر چڑھ گیا پھر چوتھے

نے چڑھنا چاہا تو رسّی ٹوٹ گئی لیکن پھر جڑ گئی۔
حضرت ابوبکرؓ بھی اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر تھے انہوں نے عرض کیا:
"یارسول اللہ! میرا باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم مجھے تعبیر دینے دیجئے۔"
ارشاد ہوا "اچھا تم ہی تعبیر دو۔"
حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، "ابر تو اسلام ہے اور شہد اور گھی قرآن ہے جس کی حلاوت ٹپک رہی ہے۔ کسی کے پاس زیادہ قرآن ہے اور کسی کے پاس کم۔ رسّی سے مراد حق ہے جس پر آپؐ قائم ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ آپ کو بلند کرے گا۔ پھر آپؐ کے بعد ایک اور شخص اس حق پر قائم رہ کر بلند ہوگا۔ پھر ایک اور شخص اس پر قائم رہ کر بلند ہوگا پھر ایک اور شخص اس پر رہنا چاہے گا لیکن رسی ٹوٹ جائے گی لیکن جب دوبارہ جوڑ دی جائے گی تو وہ بھی بلند ہو جائے گا ——— "یارسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان، فرمائیے میں نے صحیح کہا یا غلطی کی۔" حضورؐ نے فرمایا، بعض باتیں صحیح کہیں اور بعض میں غلطی کی۔"
حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "خدا کی قسم یارسول اللہ میری غلطیاں تبلا دیجئے۔"
آپؐ نے ارشاد فرمایا "قسم نہ دلاؤ" (صحیح بخاری۔ کتاب التعبیر)
حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے خواب میں دیکھا کہ اُن کے حجرے میں تین چاند اترے ہیں۔ انہوں نے والدِ گرامی حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خواب بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارا خواب سچا ہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اُن کے حجرے میں مدفون ہوئے تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا، "عائشہ یہ تمہارے حجرے کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے۔" (موطا امام مالکؒ)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنا خواب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا، "تمہارے حجرے میں روئے زمین کے تین بہترین اشخاص مدفون ہوگے۔" (تاریخ الخلفاء سیوطی)

ذوقِ شعر و سخن

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ شعر و سخن کا نہایت پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ اُن کی شعر فہمی پر تو سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے لیکن شعر گوئی کے بارے میں اختلاف ہے اِس سلسلے کی مشہور روایتوں کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ عرب کے نامور خطباء اور شعراء کا کلام ان کے مطالعہ میں رہتا تھا۔ وہ اشعار کثرت سے روایت کرتے تھے اور بے شمار امثالِ عرب ان کو حفظ تھیں۔ شعر و ادب کا گہرا ذوق ان کی اولاد کو ورثہ میں ملا۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ شعر گوئی کا عمدہ ملکہ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بہت سے اشعار یاد تھے اور وہ ان کا حوالہ دیا کرتی تھیں۔

۲۔ حضرت ابُوبکرؓ نے بذاتِ خود کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔

۳۔ حضرت ابُوبکرؓ نے قبولِ اسلام کے بعد وفات تک کوئی شعر نہیں کہا اس کی تائید اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

اَنَّ اَبَا بَکْرٍ مَا قَالَ بَیْتَ شِعْرٍ فِی الْاِسْلَامِ حَتّٰی مَاتَ

(بلاشبہ ابُوبکرؓ نے اسلام کے زمانہ میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے۔) (الاستیعاب لابنِ عبدالبرؒ)

اس روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ شاید وہ قبولِ اسلام سے پہلے شعر کہہ لیتے تھے۔

۴۔ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کبھی کبھار موقعہ کی مناسبت سے شعر کہہ لیتے تھے۔ ابنِ رشیقؒ نے "کتاب العمدہ" میں ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں، ابنِ ہشامؒ نے

السیرۃ النبویہ میں اور امام سُہیلیؒ نے "روض الانف" میں حضرت ابُوبکرؓ کے بعض قصائد اور اشعار نقل کیے ہیں۔ بعض اہلِ علم حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی طرف ان کا انتساب صحیح تسلیم نہیں کرتے البتہ کچھ اربابِ علم اپنے وجدان کی بناء پر بعض قصائد اور اشعار کو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی سے منسوب کرتے ہیں [۱]۔

ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے تین مرثیے نقل کیے ہیں جو (بقول ابنِ سعد) انہوں نے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات پر کہے تھے۔ ان میں ایک مشہور مرثیہ یہ ہے:

یَا عَیْنِ فَابْکِیْ وَلَا تَسْأَمِیْ
وَحَقَّ الْبُکَاءُ عَلَی السَّیِّدِ

اے آنکھ اشک بار ہو اور رونے سے نہ تھم کیونکہ تجھ پر واجب ہوگیا ہے کہ اپنے آقا اور اس ہستی کی رحلت پر گریہ زاری کرتی رہے۔

---

[۱] ڈاکٹر امین اللہ وثیر صاحب نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے ۲۵ قصائد کا ایک مجموعہ ۱۳۹۴ھ میں لاہور سے شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "اس میں اسناد کا ذکر نہیں اور نہ ہی کتب سیرت میں سے کسی معتبر کتاب کا حوالہ ملتا ہے لیکن مجھے ان اشعار کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف نسبت کی تصدیق الہامی طور پر ہوئی کیونکہ مجھے ان سے آپ کے نفسِ قدسیہ کی خوشبو آرہی ہے۔ یقیناً محب اور محبوب کے حالات مخفی نہیں رہتے بلکہ اس سلسلے میں کوئی التباس نہیں ہوتا اس بات کی رہنمائی انسان کو غیبی طور پر ہوتی ہے کیونکہ قلبِ انسانی ایک سچا رہنما ہے جیسا کہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جیسے چاہے تصرف میں لا سکتا ہے اور وہی حقائق کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ بہر حال میں نے اس مجموعے میں انتخاب (حضرت صدیقِ اکبرؓ کے اشعار) کو بطور تبرک محفوظ کرلیا ہے۔"

عَلٰی خَیْرِ خِنْدِفَ عِنْدَ الْبَلَاءِ — جو مصائب کے وقت ہمارا بہترین سہارا
اَمْسٰی یُغَیَّبُ فِی الْمُلْحَدِ — تھی حسرت ہے کہ وہ ہستی آج لحد میں چھپ گئی ہے

فَصَلَّی الْمَلِیْکُ وَلِیُّ الْعِبَادِ — آج حضرت احمدؐ پر پادشاہِ دوجہاں، بندوں کا پروردگار
وَرَبُّ الْبِلَادِ عَلٰی اَحْمَدِ — اور ملکوں کا رب درود بھیج رہا ہے۔

فَکَیْفَ الْحَیَاۃُ لِفَقْدِ الْحَبِیْبِ — پس اس ہستی کی جدائی پر ہم کیسے زندہ رہ
وَزَیْنِ الْمَعَاشِرِ فِی الْمَشْهَدِ؟ — سکیں گے جو ہماری محبوب اور میدانِ جہاد میں بہترین ساتھی تھی۔

فَلَیْتَ الْمَمَاتَ لَنَا کُلِّنَا — کاش ہم سب کو بھی موت آجاتی اور ہم سب
وَکُنَّا جَمِیْعًا مَعَ الْمُهْتَدِیْ — کے سب اپنے رہبر و ہادی کے ساتھ ہی رہتے

ہجرت کے بعد مدینہ میں قیام کیا تو بخار میں مبتلا ہو گئے۔ جب بخار چڑھتا تھا تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

کُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِیْ اَهْلِهٖ — صبح کے وقت گھر کے لوگ آدمی کو سلامتی کی
وَالْمَوْتُ اَدْنٰی مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ — دعا دیتے ہیں حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

(صحیح بخاری باب بنیان الکعبہ باب مقدم النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ)

اکثر یہ شعر تمثیلاً پڑھا کرتے تھے:

اِذَا اَرَدْتَ شَرِیْفَ النَّاسِ کُلِّهِمْ — اگر تم لوگوں میں سے شریف ترین انسان کو
فَانْظُرْ اِلٰی مَلِكٍ فِیْ زِیِّ مِسْکِیْنٖ — دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو فقیر کی گودڑی میں ہو

(کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ج ۲)

علامہ طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے مرضِ وفات میں یہ شعر

پڑھتے تھے۔

وَكُلُّ ذِي اِبِلٍ مُوْرُوْثٌ	وَكُلُّ ذِي سَلَبٍ مَسْلُوْبٌ
وَكُلُّ ذِي غَيْبَةٍ يَئُوْبُ	وَغَائِبُ الْمَوْتِ لَا يَئُوْبُ

اور ہر اونٹ (مال و متاع) والے کو ایک دن اپنا مال وارث کو سونپنا ہے
اور جو کوئی کسی دوسرے کا حق سلب کرتا ہے وہ اس سے سلب کیا جاتا ہے۔
ہر غائب چیز لوٹ آتی ہے لیکن جسے موت نے غائب کر دیا وہ دوبارہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔



خطابت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ ان کے خطبوں میں بے مثل فصاحت و بلاغت کے ساتھ متانت اور سنجیدگی بھی ہوتی تھی اور وقار بھی۔ وہ برجستہ اس قدر عمدہ تقریر کر سکتے تھے کہ بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء حیران رہ جاتے تھے۔ جمہور ارباب سیر کی رائے ہے کہ خطبوں کی فصاحت و بلاغت میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خطبے اتنے پُر تاثیر ہوتے تھے کہ سننے والوں کے دلوں پر نقش ہو جاتے تھے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ان کا اثر قبول نہ کریں۔

وفاتِ نبوی کی خبر صحابہؓ کے کانوں کو نامانوس معلوم ہوتی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ تو اس کو باور کرنے کے لیے ہی تیار نہ تھے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اس بلیغ پیرایہ میں ادا کر دیا۔

أَلَا! مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔

(ہاں جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اس کو جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی)

تو سامعین (صحابۂ کرامؓ) کی یہ حالت ہوئی کہ وہ چیخ چیخ کر رونے لگے اور ان کو حضورؐ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب۔ مناقب ابی بکرؓ)

سقیفۂ بنو ساعدہ میں انہوں نے برجستہ جو فصیح و بلیغ تقریر کی اس کو سن کر حضرت عمر فاروق جیسے "اخطب العرب" کو اعتراف کرنا پڑا کہ :

"ابوبکرؓ مجھ سے زیادہ متین اور باوقار تھے ، خدا کی قسم میں نے اپنی تقریر کے لیے جو عمدہ جملے سوچے تھے ، انہوں نے فی البدیہہ اسی قسم کے یا ان سے بہتر جملے کہے۔ (صحیح بخاری)

ایک دن دوران خطبہ میں فرمایا :

"کہاں ہیں وہ حسین اور پاکیزہ چہرے جن کی جوانی (اور شادابی) کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے ۔ کہاں ہیں وہ بادشاہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر بسائے اور ان کو قلعہ بند کیا ۔ کہاں ہیں وہ سورما جو میدان جنگ میں غالب آتے تھے ۔ گردش زمانہ نے ان کی قوتیں پست کر دیں ان کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے اور آج وہ اندھیری قبروں میں پڑے ہیں ۔ دوڑو دوڑو اور عمل صالح کے لیے جلدی کرو ۔" (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا :

"لوگو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ کا خوف ہر کام اور ہر حال میں تمہارے پیش نظر رہے اور اپنی پسند یا کراہت کے معاملے میں حق کا التزام رہے ۔ سچائی سے ہٹنے میں بھلائی نہیں ہے جھوٹ بولنے والا حق سے روگردانی کرتا ہے اور حق سے روگردانی کرنے والا بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے ۔ خبردار فخر (غرور) نہ کرنا ۔ مٹی سے پیدا ہونے والی مخلوق جو پھر مٹی میں مل جائے گی ۔ اس کو فخر (غرور) کب زیبا ہے جو آج زندہ ہے اور کل مردہ ۔ عمل جاری رکھو اور اپنے آپ کو مرجانے والوں میں شمار کرتے رہو ۔ جس بات کے سمجھنے سے تم قاصر رہو ۔ اس کو اللہ

کے حوالے کر دو۔ اپنی خیر کے لیے اچھے اعمال پہلے سے کر رکھو کل یہی توشہ تمہارے پاس ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس دن ہر شخص اپنے اچھے اعمال کو سامنے پائے گا اور اپنے بُرے اعمال کا سامنا کرتے وقت یہی چاہے گا کہ کاش اس کی بدی اس سے بہت دور ہو جاتی۔"

(العقد الفرید لابنِ عبدربہ۔ جلد ۴)

ایک اور خطبہ کا نمونہ:

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں اور موت کے بعد اسی سے کرامت کا خواستگار ہوں۔ ہم تم سب کو ایک دن مرنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اُس نے حقیقی طور پر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے تاکہ زندہ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور کافروں پر حُجّت پوری کر دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس نے نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہے۔ لوگو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ یہ اسی کا حکم ہے کہ اپنے امیرِ ملّت کے احکام سنو اور ان کی تعمیل کرو۔ کیونکہ جس نے اللہ اور اپنے امیرِ ملّت کے امر معروف پر عمل کیا اور ممنوعات سے پرہیز کیا وہ یقیناً کامیاب ہوا ہے اور اس نے انسانیت کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ تم لوگوں کے حقوق ادا کرو، جو کوئی غصہ، لالچ اور خواہشاتِ نفسی سے بلند رہا وہ کامیاب ہے مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ قبولیت اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ خود کو مُردہ شمار کرو اور ثابت قدم رہو کیونکہ ثابت قدمی کے ذریعے

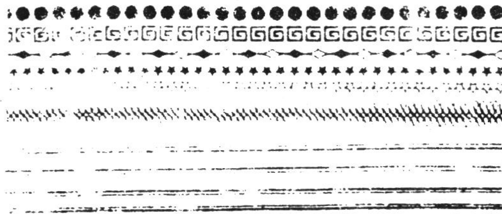
ہی سے کام پورے ہوتے ہیں۔ پرہیز کی عادت ڈالو کیونکہ پرہیز سود مند ہے۔ سمجھو اور سمجھاؤ۔ ڈرو اور ڈراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے والوں کی ہلاکت کے اسباب بیان کر دیئے ہیں اور جنہوں نے احکامِ الٰہی کی تعمیل کی انہوں نے نجات پائی۔ قرآنِ کریم میں حلال، حرام، پسندیدہ اور مکروہ کام بتا دیئے گئے ہیں۔ میں تمہیں اور خود کو نصیحت کرنے میں دیر نہیں کرتا۔ اللہ ہی مددگار ہے اس کے سوا کسی دوسرے میں کسی قسم کی قوت اور غالبیت نہیں ہے۔ اپنے اعمال میں خلوص پیدا کرو۔ تم میں سے اکثر لوگوں نے اللہ کی اطاعت کی اور اپنے حصّوں کو محفوظ کر لیا۔ پورے انہماک سے اللہ کے احکام کی تعمیل کرو اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بناؤ اس کی ترکیب یہ ہے کہ نوافل ادا کرو تاکہ اپنے اعمالِ سابقہ کی تکمیل کر سکو کیونکہ نوافل کے ذریعے فرائض میں واقع ہونے والی کمی کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اپنی حاجت اور افلاس کے وقت تم ان نوافل کی برکات کے مستحق ہوگے۔ اسی کے ساتھ اے اللہ کے بندو اپنے ان بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں غور کرو جو فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے اعمال کے مطابق بھلی یا بُری جزا پائی۔ سنو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی نسبی رشتہ نہیں وہ اپنی مہربانی سے مخلوق کو سرفراز کرتا ہے۔ وہ اس وقت تک لوگوں کی برائیوں کو دور نہیں کرتا جب تک مخلوق اُس کی اطاعت اور فرماں برداری میں پیش قدمی نہ کرے۔ کسی نیک کام کا بدلہ دوزخ نہیں اور کسی بُرے کام کے بدلے میں ہرگز ہرگز جنت نہیں مل سکتی۔ میں آپ لوگوں سے اتنا ہی کہنا چاہتا تھا آپ کے اور اپنے لیے اللہ سے مغفرت کا طلب گار رہوں۔

ہزاروں درود اور سلام ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔
(تاریخ الخلفاء بحوالہ ابنِ عساکرؒ)

تحریر و کتابت

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب میں بہت ہی کم لوگ پڑھنا جانتے تھے گویا بحیثیتِ مجموعی اعراب ایک اَن پڑھ قوم تھے۔ معدودے چند جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کتابتِ وحی کی خدمت بھی لیتے تھے۔ اہلِ سیر نے ان کو بالاتفاق کاتبانِ وحی کے زُمرے میں شمار کیا ہے۔



طریقت یا تصوّف

طریقت یا تصوف کی اصطلاح عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ میں موجود نہیں تھی لیکن بعد میں جن اوصاف پر طریقت یا تصوّف کی اساس رکھی گئی وہ سب صحابہ کرامؓ میں موجود تھے کسی میں زیادہ اور کسی میں کم۔ تصوّف کے ان اجزا میں سے کچھ یہ ہیں: خشیتِ الٰہی، زہد و تقویٰ، پابندیٔ شریعت، توکّل علی اللہ، تواضع، عبرت پذیری، عجز و انکسار، رقّتِ قلب، فقر و استغنا، صبر و تحمّل، شفقت علی الخلق، کفِ لسان، رضا، حُبِّ رسولؐ۔

سب سے پہلے تصفیہ و تزکیۂ باطن کے لیے کلمۂ طیّبہ کا طریقۂ ذکر حضرت ابوبکرؓ نے تلقین کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ توحید میں احسن کلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول ہے:

سُبحَانَ مَن لَّم یَجعَلُ لِخَلقِهٖ سَبِیلاً اِلَّا بِالعِجزِ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لیے سوائے عجز کے کوئی راستہ نہیں بنایا)

حضرت ابوبکر واسطیؒ کا قول ہے کہ اُمّتِ محمّدیہ میں سب سے پہلے تصوّف کا راز حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اشارۃً فاش کیا جس سے اہلِ فہم نے لطائف اخذ کیے اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ تو انھوں نے پہلے خدا کا نام لیا پھر رسولؐ کا اور حقائقِ تفرید میں اہلِ توحید کے لیے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اور بھی بہت سے اشارات

ہیں جن سے دوسرے لطائف نکلتے ہیں جو اہل حقیقت کو معلوم ہیں۔

(اسوۂ صحابہ حصہ دوم از مولانا عبدالسلام ندوی بحوالہ کتاب اللمع)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالۃ الخفا" میں لکھتے ہیں:

"صاحب کشف المحجوب[1] در مدح صدیق اکبرؓ کلمہ دارد اِنَّ الصَّفَا صِفَتُہُ الصِّدِّیْق اِن اَرَادَتْ صُوْفِیَا عَلَی التَّحْقِیْق از آنچہ صفا را اصلے ہست و فرعے، اصلش انقطاع دل است از اغیار و فرعش خلوے دل است از دنیائے غدار و ایں ہر دو صفت صدیق اکبرؓ است پس امام اہل ایں طریقہ اوست۔"

یعنی صاحب کشف المحجوب نے مدح صدیق اکبرؓ میں فرمایا ہے کہ صفا صدیقؓ کی صفت لازمہ ہے۔ اس صفت (صفا) کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اصل انقطاع عن الاغیار ہے اور فرع دنیا سے دل کا خالی ہونا ہے اور یہ دونوں صفتیں (اصل اور فرع) حضرت ابوبکر صدیقؓ میں موجود تھیں پس وہ "امام اہل ایں طریقہ" ہیں

اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان تمام اوصاف کی تفصیل بیان کی ہے جو جانِ تصوف ہیں۔

صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں البتہ ایک سلسلہ (نقشبندیہ) حضرت سلمان فارسیؓ کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔



---

[1] حضرت علی ہجویریؒ معروف بہ داتا گنج بخش

خلیفۃ الرسول رضؓ کے چند فیصلے

خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے وقتاً فوقتاً اہم مقدمات اور مسائل پیش کیے جاتے تھے اور وہ ان کا فیصلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں صادر فرماتے تھے۔ اگر قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو اکابر صحابہؓ سے مشورہ کرتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے جو فیصلے صادر فرمائے ان میں سے کچھ یہ ہیں :

۱ ۔ میراثِ رسولؐ کا معاملہ ——— (اس کی تفصیل الگ بیان کی جا چکی ہے۔)

۲ ۔ زکوٰۃ کی معافی کا معاملہ ——— (اس کی تفصیل فتنۂ ارتداد کے باب میں بیان کی جا چکی ہے۔ صدیق اکبرؓ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ زکوٰۃ کی مقدار میں مطلق کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کریں گے۔

۳ ۔ حضرت عُمر فاروقؓ نے ایک انصاریہ خاتون سے شادی کی تھی ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عاصم رکھا گیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے اس خاتون کو طلاق دے دی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن حضرت عمرؓ قُبا تشریف لے گئے، وہاں ان کی نظر اپنے فرزند عاصم پر پڑی جو مسجد کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ ان کی شفقتِ پدری نے جوش مارا اور انہوں نے بچے کو اٹھا کر اپنی سواری پر بٹھا لیا۔ اتنے میں عاصم کی نانی آ گئیں اور اپنے نواسے کو حضرت عمرؓ سے چھیننا چاہا۔ حضرت عمرؓ بیٹے کو اپنے ساتھ لے جانے پر مُصر تھے۔ آخر دونوں اس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے

دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دیا کہ حضرت عمرؓ کو بچّہ نانی کے حوالے کرنا ہوگا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بچّہ نانی کے حوالے کر دیا۔ (مؤطا امام مالکؒ)

۴ ۔ ایک شخص حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے والد مجھ سے میرا سارا مال لے کر مجھے محتاج کر دینا چاہتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے والد کو بُلا کر فرمایا کہ تم اس کے مال سے بقدرِ ضرورت لے سکتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا: "اے خلیفۂ رسول اللہؐ آپ کو علم ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے، بیٹے کا مال اس کے باپ کا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "یہ بالکل درست ہے لیکن اس ارشادِ نبویؐ کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کے مال سے بقدرِ ضرورت نفقہ لے سکتے ہو یہ نہیں کہ اس کو بالکل کنگال کر دو۔

۵ ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے بارگاہِ خلافت میں فریاد کی کہ فلاں شخص نے میرا کان کاٹ ڈالا ہے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے مجرم کو طلب کیا اور اس کو حکم دیا کہ پندرہ اونٹ بطور جرمانہ مظلوم کو دو۔ پھر مظلوم کو ہدایت کی کہ اپنے کٹے ہوئے کان کو اپنے بالوں اور صافہ سے چھپا لیا کرو

۔ ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیئے۔ مظلوم نے جب اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا تو کاٹنے والے کے اگلے دو دانت باہر نکل پڑے۔ یہ مقدمہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس صورت میں ظالم (کاٹنے والا) کوئی دیت یا جرمانہ وغیرہ ادا نہیں کرے گا۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ بخاری)

۔ عہدِ صدّیقی میں مہاجرؓ بن ابی اُمیّہ حاکم یمامہ کے پاس کچھ لوگ گانے والی دو عورتوں

کو پکڑ کر لائے۔ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ گیت گاتی تھی اور دوسری عام مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی۔ مہاجر بن امیہؓ نے دونوں کے ہاتھ کٹوا کر ان کے دانت بھی نکلوا دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکمِ یمامہ کے نام فرمان جاری کیا جس میں لکھا کہ :

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے دو عورتوں کو یہ سزا دی ہے، اگر تم سزا دینے میں جلدی نہ کرتے تو میں تم کو یہ حکم دیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والی کو قتل کر دیا جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی شان دوسروں سے بلند و بالا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کہلانے والا ایسی حرکت کرے تو وہ مرتد ہے اور غدار ہے اور اس سے جنگ کرنی چاہیے اور دوسری عورت جو مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی اگر خود کو مسلمان کہلاتی تو اسے شرم دلائی جاتی یا کوئی معمولی سزا دی جاتی اس کے اعضا کاٹنا مناسب نہ تھا۔ اگر یہ عورت ذمیہ ہے تو مشرکہ سے بُری نہیں حالانکہ شرک نہایت ہی مذموم فعل ہے اور مشرکہ سے بھی چشم پوشی کی جا سکتی تھی۔ احکامِ سزا نافذ کرنے سے پہلے اگر تم سوچ لیتے تو ہاتھ کٹوانے کو خود ناپسند کرتے۔ اب ان عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کرو قصاص کے سوا دوسرے جرائم میں لوگوں کے ہاتھ کٹوا دینا مناسب نہیں۔ سزا پانے والے خود ہی لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔"

(تاریخ الخلفاء بحوالہ کتاب الفتوح)

۸۔ ایک غیر شادی شدہ شخص کسی کنواری عورت سے زنا کے جرم میں گرفتار ہوا اس نے بارگاہِ خلافت میں اپنے جرم کا اقرار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو

"سو کوڑے لگوا کر فدک کی جانب جلا وطن کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ دارقطنی)

۹۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے چوری کے الزام میں ایک ایسا شخص پیش کیا گیا جو پہلے چار مرتبہ چوری کے الزام میں سزا پا چکا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں پہلے ہی کٹ چکے تھے۔ پانچویں مرتبہ چوری کے اس مجرم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم جیسے لوگوں کے قتل کا بہترین فیصلہ صادر فرمایا ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔" پھر انہوں نے حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابویعلیٰ)

۱۰۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کوئی ایسی ناپسندیدہ حرکت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت غضب ناک ہو گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ ایک اور شخص نے عرض کیا، اے خلیفۂ رسولؐ آپ حکم دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔" صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔"

(تاریخ الخلفاء بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

۱۱۔ ایک مرتبہ ایک شخص شراب پینے کے جرم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس کو چالیس کوڑے لگائے جائیں۔

(مسند ابوداؤد)

۱۲۔ ایک مرتبہ ایک یمنی نے جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر حاکمِ یمن کے ظلم کی شکایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں ٹھہرا لیا۔ وہ بظاہر رات بھر عبادت میں مشغول رہا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کا کوئی زیور گم ہو گیا ہے۔ تلاش پر گمشدہ زیور مدینہ کے ایک سنار سے برآمد ہوا۔ اس نے

بیان دیا کہ ایک شخص نے جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، یہ زیور میرے پاس فروخت کیا ہے۔ اس یمنی کو چوری کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور اس کے خلاف شہادت بھی مل گئی۔ اس پر خلیفۂ رسولؐ نے اس کا دوسرا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء)

۱۳۔ ایک شخص نے پانچ درم مالیت کی ایک ڈھال چوری کی اس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کا ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ دار قطنی)

۱۴۔ ایک مرتبہ ایک دادی اپنے مرحوم پوتے کا ترکہ اور ورثہ طلب کرنے کے لیے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا کہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا، کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ اس پر حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری نے اٹھ کر کہا، جی ہاں یہ واقعہ میرے سامنے پیش آیا تھا۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ دیا جائے۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ دار قطنی)

۱۵۔ ایک مرتبہ ایک نانی اور ایک دادی نے بارگاہِ خلافت میں ترکے میں اپنے حصّے کا دعویٰ کیا۔ خلیفۃ الرسولؐ نے نانی کا ترکہ دلا دیا۔ اس پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا، اے خلیفۂ رسول اللہؐ آپ نے نانی کو ترکہ دلا دیا۔ اگر نانی مر جائے تو اس کی وراثت محجوب نواسی کو نہیں مل سکتی۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے نانی اور دادی دونوں کو ترکہ نصفا نصف تقسیم کر دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ دار قطنی)

۱۶۔ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ نے شامیوں

کے خلاف ایک معرکے میں فتح پائی اور شامیوں کے سردار کا سر کاٹ کر بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرجیلؓ کا یہ کام پسند نہ آیا اور انہوں نے فرمایا، "یہ کوئی اچھا کام نہیں ہے۔" سر لانے والے قاصد نے عرض کیا: "اے خلیفۂ رسول اللہؐ یہ ظالم بھی تو ہمارے شہیدوں کے سر کاٹ لیتے ہیں۔"

صدیق اکبرؓ نے فرمایا، "عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ دونوں نے اہلِ فارس و روم کی پیروی کی ہے۔ آئندہ کسی کا سر کاٹ کر ہمارے پاس روانہ نہ کیا جائے اور ہم سب کو قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ بیہقی)"

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا یہ فیصلہ ایک فرمان کی صورت میں تمام سردارانِ فوج کو بھیجا جس میں ان کو سختی سے تاکید کی کہ دشمنوں کے سر کاٹ کر مجھے ہرگز نہ بھیجو۔



اَوّلیاتِ صدّیقی

۱ ۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔
۲ ۔ سب سے پہلے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حمایت میں مشرکینِ قریش سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔
۳ ۔ مکّہ میں ظہورِ اسلام کے بعد سب سے پہلے مسجد بنائی۔
۴ ۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ میں سب سے پہلے امارتِ حج کا شرف حاصل کیا۔
۵ ۔ سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا۔
۶ ۔ سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں۔
۷ ۔ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔
۸ ۔ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کا نفقہ عوام النّاس نے مقرر کیا۔
۹ ۔ سب سے پہلے انھوں نے بیت المال قائم کیا۔
۱۰ ۔ سب سے پہلے اجتہاد و استنباطِ احکام کے اصول مقرر کیے اور صحابۂ کرامؓ میں سب سے اوّل اجتہاد کیا۔
۱۱ ۔ سب سے پہلے انھوں نے خلافت کے لیے اپنا جانشین نامزد فرمایا۔
۱۲ ۔ سب سے پہلے انھوں نے بارگاہِ رسالتؐ سے کوئی لقب حاصل کیا۔
۱۳ ۔ سب سے پہلے ان کو لسانِ رسالت سے دوزخ سے نجات کی خوشخبری ملی، اور وہ عتیق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

۱۴ - رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ان کو بشارت دی گئی کہ وہ اُمّتِ محمّدیہ میں سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔

۱۵ - سب سے پہلے یہ مقولہ انہوں نے فرمایا اَلبلاءُ مُوَکّلٌ بالمنطِق۔

۱۶ - رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے پہلے انہوں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔

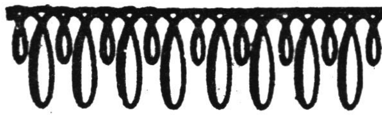
۱۷ - سب سے اوّل انہوں نے قرآن شریف کا نام مُصحَف رکھا۔

۱۸ - سب سے پہلے انہوں نے اپنا سارا مال راہِ حق میں وقف کر دیا۔

۱۹ - صحابۂ کرامؓ میں سب سے پہلے انہوں نے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا خویش (داماد) بنایا۔

۲۰ - صحابۂ کرامؓ میں ان کو سب سے پہلے تعبیرِ رُؤیا میں درجۂ کمال حاصل ہوا۔

۲۱ - سب سے پہلے انہوں نے فوجوں کو مرتّب کر کے مرتدین کا مقابلہ کیا اور پھر ایران اور روم کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز کیا۔



بارگاہِ ایزدی میں
حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ کا مقام

جمہور مفسّرین اور علماء اہل سُنّت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ حکیم کی متعدد آیات حضرت ابوبکر صِدّیقؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔ ان میں سے کچھ آیات یہ ہیں:

○ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ؕ (التوبہ - ۴۰)

(اگر تم اس کی (یعنی اللہ کے رسول کی) مدد نہیں کرتے ہو (تو کچھ پروا نہیں) اللہ نے ان کی مدد اس وقت کی جب کافروں نے اس کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھا، جب دونوں غار میں تھے جس وقت وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے)

آیۂ بالا کی شانِ نزول بالکل ظاہر ہے۔ اس کی تفصیل حضورؐ کے سفرِ ہجرت میں آچکی ہے۔

○ سورۃ اللَّیل کی آیت وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى سے لے کر آیہ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى تک تمام آیتیں حضرت ابُوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ پوری سورۃ اللَّیل حضرت ابُوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی اور بعض نے اس کی بعض آیتوں کی نسبت حضرت ابُوبکرؓ سے کی ہے۔ پوری

سورۃ کا ترجمہ یہ ہے :

"قسم ہے رات کی جس وقت وہ ڈھانپ لیتی ہے اور دن کی جس وقت وہ روشن ہوتا ہے اور اس (حکمتِ الٰہی) کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا بیشک تمہاری سعی جداگانہ ہے پھر جس کسی نے خیرات کی اور احتیاط کی اور اعلیٰ نیکی کی تصدیق کی تو ہم اسے آسانی دیں گے راہِ آسان کی۔ اور جس کسی نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور اعلیٰ نیکی کو جھٹلایا ہم اس کو جلد ہی سختی (دشواری) میں پہنچائیں گے اور اس کا مال اسے کوئی کام نہ دے گا جب وہ ہلاکت میں گرے گا ہمیں تو راستہ بتا دینا ہے اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی بس میں ہے سو ہم نے تم کو خبردار کر دیا ایسی آگ (دوزخ) سے جو بھڑکتی رہتی ہے۔ اس میں نہ داخل ہو گا مگر وہ چوٹی کا بدبخت جو جھٹلاتا اور منہ موڑتا رہا اور اس سے دور رکھا جائے گا بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیا کرتا ہے پاکیزگی حاصل کرنے کو اور کسی کا اس پر کوئی احسان بھی نہیں جس کو اتارنا ہو بلکہ اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے جو برتر ہے دیتا ہے اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔"

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہو جانے والے مظلوم غلاموں کو کفار کے پنجۂ ستم سے چھڑانے کے لیے اپنا مال بے دریغ صرف کرتے رہتے تھے۔ ایک دن ان کے والد حضرت ابو قحافہؓ نے (جو اس وقت دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) ان سے فرمایا کہ بیٹا تم حقیر اور کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو کیا اچھا ہوتا تم طاقتور اور کام کے آدمیوں کو خرید کر آزاد کرتے تاکہ وہ تمہاری پشت پناہ بنتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر جواب دیا :

"آبا جان میں (کسی دنیوی نفع کے لیے نہیں بلکہ) صرف اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی کا طالب ہوں"۔

اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ محدث ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ اس پر اجماعِ امت ہے کہ سورۃ الیل کی آیۃ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچالیا جائے گا) حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ گویا بارگاہِ خداوندی سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو "بڑا یا سب سے زیادہ پرہیزگار" کا خطاب مرحمت ہوا۔

○ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ○

(الحجر آیۃ ۴۷)

(اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اُن کو ہم نکال کر صاف کر دیں گے گویا بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں)

امام سیوطیؒ نے ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے:

○ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔ (الاحزاب آیۃ ۴۳)

(وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور خدا مومنوں پر مہربان ہے)

امام سیوطیؒ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ابو حمید نے بحوالہ مجاہدؒ لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں ہے۔

○ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور ہر ایک کام میں اُن سے مشورہ لو)

(آل عمران آیۃ ۱۵۹)

امام حاکمؒ کے مطابق یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔

(تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

○ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (سورۃ التحریم آیۃ ۴)

(اور اگر رسول اللہؐ کی ایذا پر باہم اعانت کرو گے تو اللہ اور جبریل اور صالح اہلِ ایمان ان کے حامی اور دوست دار ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں)

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ مفسّرین کے سوادِ اعظم کے نزدیک یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ صالح مومنین سے وہی مراد ہیں۔

○ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ الزُّمَر آیۃ ۳۳)

(اور جو شخص سچّی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ مُتّقی ہیں)

علّامہ سیوطیؒ نے بحوالہ بزّار اور ابنِ عساکرؒ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے قسم کھائی، قسم ہے اللہ کی جس نے محمّد رسول اللہؐ کو مبعوث فرمایا جب آپؐ کی رسالت کی ابوبکرؓ نے تصدیق کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء)

○ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (سورۃ الرَّحمٰن آیۃ ۴۶)

(اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں۔)

امام سیوطیؒ نے ابنِ ابی حاتمؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

○ امام سیوطیؒ نے ابنِ عساکر کے حوالے سے لکھا ہے کہ سورہ الاحقاف کی پندرھویں اور سولھویں آیتیں وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا سے لے کر

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ تک ابُوبکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئیں کیونکہ وہ اپنے والدین کے بہت خدمت گزار تھے۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی کے ساتھ جنا۔ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح و تقویٰ دے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمالِ نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور یہی اہلِ جنت میں ہوں گے (یہ) سچا وعدہ (ہے) جو ان سے کیا جاتا تھا۔"



سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک
حضرت ابُوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کا مقام

جیسا کہ اس کتاب کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے خاص سیّدنا حضرات ابُوبکر صدّیق کی شان میں ایک سو اکاسی (۱۸۱) احادیث مروی ہیں۔ ان کے علاوہ اٹھاسی ۸۸ حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل مشترکہ طور پر بیان فرمائے گئے ہیں۔ سترہ ۱۷ احادیث ایسی ہیں جن میں حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فضائل مجموعی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ چودہ ۱۴ احادیث ایسی ہیں جن میں چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں۔ مزید براں وہ سینکڑوں احادیث بھی حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی شان میں صادق آتی ہیں جن میں عمومی طور پر سابقون الاوّلون، مہاجرین، مجاہدین، مؤمنین، اصحابِ بدر اور اصحاب الشجرہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث کا خلاصہ "تمہید" میں درج کر دیا گیا ہے۔ کچھ مزید احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ابُوبکر رضی اللہ عنہ سوائے نبیوں کے سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔ (طبرانی رحمۃ اللہ علیہ)
- آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا (سوائے نبی کے) جو ابُوبکر سے افضل ہو۔ (ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمٰن بن حمید رحمۃ اللہ علیہ)
- ابُوبکر رضی اللہ عنہ مجھے سب آدمیوں میں محبوب ہے۔ (صحیحین)

○ میری اُمت میں، میری اُمت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکرؓ ہیں۔
(ترمذیؒ، احمد بن حنبلؒ)

○ جو وحی مجھ پر نازل کی گئی میں نے اس کو ابوبکرؓ کے سینہ میں نچوڑ دیا۔
(ریاض النضرہ محب الدین طبریؒ)

○ ابوبکرؓ کو تم پر نماز یا روزے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ایک باوقار شے کی وجہ سے ہے جو ان کے سینے میں ہے۔

(ریاض النضرہ محب الدین طبری)

○ ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے سمع اور بصر ہیں۔ (ترمذیؒ، حاکم، طبرانی)

○ قیامت کے دن سب سے پہلے میرے لیے زمین کشادہ کی جائے گی پھر ابوبکرؓ کے لیے اور پھر عمرؓ کے لیے۔ (ترمذیؒ، حاکمؒ)

○ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر آسمان میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔ میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبریل اور میکائیل ہیں اور اہلِ زمین میں سے ابوبکرؓ اور عمرؓ۔ (ترمذیؒ)

○ ابوبکرؓ جنتی ہیں (اصحابِ سنن وغیرہ)

○ بلند درجات والے جنتیوں کو نیچے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق پر روشن ستارے کو دیکھتے ہو۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ ان ہی میں ہیں۔
(ترمذیؒ۔ طبرانیؒ)

○ ابوبکرؓ اور عمرؓ انبیاء اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں۔ (ترمذیؒ)

○ اے ابوبکرؓ اللہ اور مومنین کو اس سے سخت انکار ہے کہ تمہارے بارے میں اختلاف ہو (حاکمؒ)

○ جسے زمین پر دوزخ سے آزاد کیے ہوئے کو دیکھنا ہو وہ ابُوبکر کو دیکھ لے۔

(ابنِ سعد۔ ابویعلی)

○ مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے کہ میں مستحق (خلافت) ہوں اور اللہ تعالیٰ اور مُومنین نہیں چاہتے مگر ابُوبکر کو۔

(صیحح مسلم)

○ عُمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ)

○ کسی قوم کو یہ لائق نہیں ہے کہ اس میں ابوبکر ہوں اور امامت کوئی دوسرا کرے۔

(ترمذیؒ)

○ اے ابوبکر۔ اے عُمر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے تم دونوں کو میرا مددگار اور معاون بنایا ہے۔ (بزارؒ۔ حاکمؒ۔ طبرانیؒ)

○ ابوبکر نے مجھے کبھی رنجیدہ نہیں کیا یاد رکھو کہ میں ابُوبکر سے راضی اور خوش ہوں۔ (طبرانیؒ)

○ اچھے خصائل تین سو ساٹھ ہیں اور یہ تمام خصائل حَسنہ ابُوبکر میں موجود ہیں۔

(ابنِ عساکرؒ)

○ میری اُمت پر واجب ہے کہ ابُوبکر سے محبت والفت کرے اور ان کا شکریہ ادا کرتی رہے۔ (ابنِ عساکرؒ)

○ ابُوبکر پر اللہ تعالیٰ اور مہربانیاں کرے انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کی، دارالہجرت مدینہ تک مجھے پہنچایا اور بلال کو آزاد کیا۔ (ابنِ عساکر)

○ ایک مرتبہ ایک خاتون کہیں دور سے چل کر مدینہ منورہ آئیں اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ جب رخصت ہونے لگیں تو عرض کیا: "یا رسول اللہؐ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ نہ ملیں تو مسئلہ

کس سے دریافت کروں۔ آپؐ نے فرمایا :۔ "اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔ (تاریخ بخاری)

○ حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ روز پہلے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا:

"تحقیق سب سے زیادہ اپنی رفاقت اور مال سے مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر ہیں۔ اگر میرے لیے یہ ممکن ہوتا کہ اس اُمت میں کسی شخص کو اپنا خلیل بنا سکتا (یعنی اسے وہ انتہائی محبت دے سکتا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے) تو ابوبکر کو بناتا لیکن ان سے اُخوّتِ اسلام ہے (یعنی وہ میرے اسلامی بھائی ہیں)"

(بخاری ومسلم)

امام جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے کیونکہ اسے چودہ عظیم المرتبت صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خُدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت انسؓ بن مالک حضرت جندبؓ بن عبداللہ، حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو واقد لیثیؓ اور حضرت ابوالمعلیٰؓ

مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں۔

○ ایک مرتبہ حضرت اُبوبکر صدیقؓ اور حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کے درمیان کچھ چشمک ہو گئی۔ حضرت عقیلؓ کی سخت بات کے جواب میں حضرت اُبوبکر خاموش

رہے کیونکہ وہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رشتہ دار (ابنِ عمّ) تھے۔ تاہم انہوں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی۔ اس پر حضورؐ نے حضرت عقیلؓ اور دوسرے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا، میرے صاحب اور ساتھی کو میرے لیے چھوڑ دو، اپنی حیثیت اور اس کی شان کو دیکھو۔ واللہ تم سب لوگوں کے دروازے پر اندھیرا ہے اور ابُوبکرؓ کا دروازہ نور سے جگمگا رہا ہے۔ واللہ تم نے میری تکذیب کی اور ابُوبکرؓ نے میری تصدیق کی۔ تم نے اسلام کی خاطر مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا اور ابوبکرؓ نے دل کھول کر مال خرچ کیا۔ تم نے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی اور ابُوبکرؓ نے میری امداد اور دلداری کی اور ہمیشہ میری پیروی کی۔ (ابنِ عساکرؒ)

○ مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد بعض صحابۂ کرام نے اپنے مکانات مسجد کے گرد تعمیر کرائے۔ ان صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابُوبکر صدیقؓ بھی تھے۔ ان تمام مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں۔ رحلت کے قریب سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ابوبکر غار میں میرے رفیق تھے اور غار میں میرے مونس تھے۔ مسجد میں جس قدر کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو البتہ ابُوبکرؓ کے مکان کی کھڑکی کھلی رکھو۔

(عبداللہ بن احمدؒ، مسلمؒ و ترمذیؒ)

○ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ حضرت حسّانؓ بن ثابت سے فرمایا کہ تم نے ابُوبکرؓ کی شان میں کچھ کہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، "جی ہاں یا رسول اللہؐ" ارشاد ہوا، مجھ کو سناؤ۔ انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا
وکان حب رسول اللہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ احدا

(اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے۔ جب دشمن پہاڑ پر
چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے۔

وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق
کے ساتھ اس کا علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپؐ کے نزدیک ان
کے برابر کوئی نہیں ہے)۔

یہ سن کر رسول اللہ صُلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس قدر ہنسے کہ دندانِ مبارک
نمایاں ہوگئے اور آپؐ نے فرمایا:

"اے حسّان تم نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا۔
(ابو سعیدؓ۔ حاکمؒ)



بارگاہِ نبویؐ میں تقرّب

بارگاہِ نبویؐ میں جن صحابۂ کرامؓ کو خصوصی تقرّب اور اثر و رسوخ حاصل تھا، سیّدنا حضرت ابُوبکر صدیقؓ کا اسمِ گرامی اُن میں سرِ فہرست ہے۔ خلوت ہو یا جلوت، سفر ہو یا قیام وہ اکثر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے اور گوناگوں فضائل سے بہرہ اندوز ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ حضورؐ تبلیغِ حق کے لیے مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تو اکثر حضرت ابُوبکرؓ کو ساتھ لے جاتے۔ اسی طرح آپؐ کسی کی عیادت یا تعزیت کے لیے یا کسی دوسری غرض سے کسی کے گھر تشریف لے جاتے، جہاد یا کسی دوسری ضرورت کے لیے سفر اختیار فرماتے تو حضرت ابُوبکرؓ کو بھی ہمراہ لے لیتے تھے۔ مکّہ میں حضورؐ روزانہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ سفرِ ہجرتؐ میں بھی اپنی رفاقت کے لیے انہی کو منتخب فرمایا —— فی الحقیقت سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کو محرمِ اسرارِ نبوّت کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت عُمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم رات رات بھر حضرت ابُوبکرؓ سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کو ان کی رازداری اور خلوص پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔

حضورؐ کو صدیقِ اکبرؓ سے جو محبت تھی آپؐ اکثر اس کا اظہار دوسرے صحابۂ کرامؓ کے سامنے کرتے رہتے تھے۔ بسا اوقات اس اظہارِ محبت و شفقت میں حضرت عُمر فاروقؓ کو بھی شریک فرما لیتے تھے۔ صحیح بخاری کے مطابق آپؐ اکثر فرمایا

کرتے تھے :

"میں تھا اور ابوبکرؓ و عمرؓ تھے، میں نے (فلاں کام) کیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیا، میں گیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ گئے۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے اپنے والد (حضرت عبداللہ شہید اُحد) کا قرض ادا کرنا چاہا تو زمین پر کھجوروں کا ڈھیر لگا دیا اور حضورؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر تشریف لائے اور دعا کی۔ کھجوریں دیکھنے میں کم تھیں لیکن حضورؐ کی دعا سے ان میں اتنی برکت ہوئی کہ سارا قرض ادا ہو گیا اور پھر بھی کچھ بچ گئیں۔ مغرب کے وقت حضرت جابرؓ نے حضورؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے متبسم ہو کر فرمایا :

"ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پاس جاؤ اور ان کو بھی مطلع کرو۔"

حضرت جابرؓ نے ان کے پاس جا کر یہ واقعہ گوش گزار کیا تو دونوں نے فرمایا :

"ہم کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی وہ پوری ہو کر رہے گی۔"

بارگاہِ رسالت میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے غیر معمولی تقرب اور رسوخ کی بنا پر لوگوں کو بارگاہِ نبوی میں کوئی خاص بات عرض کرنی ہوتی، تو انہیں وسیلہ بناتے۔ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے خلاف صبح سے شام تک خاموش رہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر آپؐ کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو صحابۂ کرامؓ کو آپؐ کی غیر معمولی خاموشی پر بڑی حیرت اور پریشانی ہوئی لیکن کسی کو حضورؐ سے اس سکوت کا سبب پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ بالآخر سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے درخواست کی کہ وہ آپؐ سے اس غیر معمولی سکوت کی وجہ دریافت کریں، انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا : "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آج آپ سارا

دن خاموش رہے یہ بات ہمارے لیے سخت پریشانی کا باعث ہوئی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ سب آج مجھے دکھایا گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے تفصیل کے ساتھ قیامت کے واقعات بیان فرمائے۔

۸ھ ہجری میں قریش مکہ نے صلحنامۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور حضورؐ کے قاصد کو گستاخانہ جواب دے کر واپس بھیج دیا لیکن بعد میں پچھتائے اور ابوسفیانؓ کو تجدیدِ معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ اس معاملہ میں حضورؐ سے سفارش کریں —— لیکن حضرت ابوبکرؓ مزاج شناسِ رسولؐ تھے انہوں نے سفارش کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

سیّدنا صدیق اکبرؓ نہ صرف دن کو بلکہ رات کو بھی بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد حضورؐ سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات کافی رات گزرنے کے بعد گھر جاتے تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مہاجرین و انصار کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کا کوئی فرد آپؐ کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا البتہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپؐ کی جانب نظر بھر کر دیکھتے اور مسرت کے عالم میں مسکراتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دونوں کی جانب دیکھ کر تبسم فرماتے تھے۔ (ترمذی)

ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ آپ کے دائیں بائیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ حضورؐ نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا، قیامت کے دن ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

(ترمذی۔ حاکم۔ طبرانی)

بارگاہِ نبویؐ میں صحابۂ کرامؓ اس قدر پاس پاس بیٹھتے تھے کہ دیوار کی مانند نظر

آتے تھے البتہ حضرت اُبوبکر صدیق رضؓ کی نشست گاہ فراخ اور کشادہ ہوتی تھی اور وہاں جا کر بیٹھنے کی کوئی جراُت نہ کر سکتا تھا حضرت اُبوبکرؓ تشریف لا کر مقررہ جگہ پر بیٹھتے پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف رُخ کر کے گفتگو فرماتے۔

(ابن عساکر)

ابو قاسم لغوی رحؒ نے ابو ملیکہ رحؒ کی زبانی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کے ہمراہ ایک تالاب پر تشریف لائے اور فرمایا، ہر شخص اپنے ساتھی کے ساتھ تیراکی کرے۔ چنانچہ ہر شخص نے اپنے ساتھی کے ساتھ تیراکی کی آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیرتے ہوئے حضرت اُبوبکرؓ کے پاس گئے اور ان کو گلے سے لگا کر فرمایا کہ اگر میں زندگی بھر کے لیے کسی کو دوست بناتا تو اُبوبکر کو بناتا لیکن وہ تو (پہلے ہی) میرے ساتھی ہیں۔

صدیقِ اکبرؓ کے مناقب میں جو کثیر التعداد حدیثیں ملتی ہیں ان سے بھی بارگاہِ نبویؐ میں ان کے غیر معمولی تقرّب کا بڑی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔



خاندانِ نبوّت کے صُلحا کے نزدیک سیّدنا صِدّیق اکبرؓ کا مقام

○ ابو مریمؒ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا (حضرت) حسن بن علیؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، ایہا النّاس رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، میں نے رَبّ تعالیٰ کو عرش پر دیکھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرمایا پھر (حضرت) ابوبکرؓ تشریف لائے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دوشِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر (حضرت) عمرؓ آئے اور (حضرت) ابوبکرؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر (حضرت) عثمانؓ آئے۔ اُن کے ہاتھ میں ان کا سر تھا انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، الٰہی اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھے کس خطا پر قتل کیا۔ ان کے اس کہنے پر آسمان سے خون کے دو پرنالے زمین میں بہنے لگے ـــــ یہ خطبہ سُن کر لوگوں نے (حضرت) علیؓ سے کہا، آپ دیکھتے ہیں کہ حسن کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، جو دیکھا وہ کہتے ہیں۔ (ابو یعلیٰ)

○ سیّدنا حضرت علی (زین العابدین) بن حسینؓ سے پوچھا گیا کہ ـــــ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا کیا مرتبہ تھا۔ فرمایا وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے (یعنی روضۂ اقدس میں سب سے زیادہ قریب ہیں)۔ (امام احمدؒ)

○ سیّدنا حضرت ابی جعفر محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور

حضرت عمرؓ کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سُنّت کو نہیں جانتا۔ (امام محمدؒ)

○ ابی حفصہ سالمؒ سے روایت ہے کہ میں نے مُحمّد بن حنفیہؒ اور (حضرت) جعفر (صادقؒ) سے پوچھا کہ آپ کا (حضرت) ابُوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ دونوں نے کہا کہ وہ امامِ عادل تھے ہم ان کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہیں پھر حضرت جعفر (صادقؒ) نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اے سالم کیا کوئی شخص اپنے جدّ کو بھی گالی دے سکتا ہے! ابُوبکر صدیقؓ میرے جد ہیں مجھ کو میرے جدّ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں سے محبّت نہ رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے بیزار نہ ہوں۔

(امام محمدؒ)

○ حضرت ابی جعفر محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ ابُوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ سے بغض رکھنا نفاق ہے۔ (امام محمدؒ)

○ سیدنا حضرت حسن عسکریؒ سے روایت ہے کہ (ہجرت کے موقع پر) حضرت جبریل امینؑ حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعتِ قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ ابوبکرؓ کو اپنا رفیق سفر بنائیں۔

(تفسیر حسن عسکریؒ)



سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

قریب قریب تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو انبیاء علیہم السّلام کے بعد افضل النّاس مانتے تھے اور اُن کا دل و جان سے احترام کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد اُن کی خلافت پر تمام اُمّت کا اجماع ہو گیا تھا۔

یہاں ہم چند اکابر صحابہ رضؓ کے اقوال سیّدنا صدیق اکبر رضؓ کے متعلق نقل کرتے ہیں:

- حضرت عُمر فاروق رضؓ نے فرمایا، حضرت ابو بکر رضؓ ہمارے سردار ہیں (بخاری)
- حضرت عُمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت ابُو بکر رضؓ کا ایمان تمام روئے زمین کے اہلِ ایمان سے تولا جائے تو اس کا پلّہ بھاری ہو گا۔ (بیہقی)
- حضرت عُمر رضؓ بن خطّاب نے حضرت ابُو بکر رضؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

  "یَا خَیْرَ النَّاس بعد رسول اللہ ﷺ"

  (اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ ﷺ کے بعد) (ترمذی)
- حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس اُمّت میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ابو بکر رضؓ اور عُمر رضؓ سب سے بہتر ہیں۔

  (امام احمد بن حنبل رحؒ)
- حضرت علی رضؓ نے فرمایا، قسم ہے اس ذاتِ پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے ہم کسی نیکی کی طرف نہیں لپکے مگر یہ کہ ابوبکرؓ اس میں ہم سے سبقت لے گئے۔ (طبرانی)

○ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، میری محبت اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (طبرانیؒ)

○ حضرت علیؓ نے فرمایا، ابوبکر ہم سب میں شجاع ترین انسان ہیں۔ (بزّارؒ)

○ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا اس میں ان کو جملہ محاسنِ اخلاق اور گوناگوں فضائل کا جامع قرار دیا۔ (ریاض النضرہ محب الدین طبریؒ)

○ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سب سے زیادہ عزیز ابوبکرؓ تھے۔

○ حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ ـــــ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اُمتِ محمّدیہ میں سب سے برتر حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ (ابنِ عساکرؒ)

○ حضرت عبداللہؓ بن جعفر طیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوقِ الٰہی میں سب سے بہتر تھے۔ اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش۔ (حاکمؒ)

○ حضرت زبیرؓ بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ مستحق حضرت ابوبکرؓ کو جانتے تھے وہ بالتحقیق رفیقِ غار تھے اور دو میں کے ایک تھے اور ہمیں

ان کا شرف اور بزرگی بہت اچھی طرح معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں ان کو امامت کا حکم فرمایا تھا۔ (حاکمؒ)

○ حضرت حسّانؓ بن ثابت انصاری (شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بعض اشعار میں فرمایا ہے کہ ابُوبکرؓ پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے، پرہیزگار تھے، عادل تھے، بارِ خلافت اٹھانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، ثانی اثنین تھے، شریعت کے پابند تھے اور سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تھے۔

(ابو سعیدؒ۔ حاکمؒ)



حدیثِ دیگراں

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

غیر مسلم مغربی مؤرخین (جن میں یورپ اور امریکہ کے سبھی مستشرقین شامل ہیں) نے اسلامی شخصیات اور تاریخ پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن افسوس کہ وہ اپنی بیشتر تحریروں میں انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ گئے ہیں اور تعصّب، تنگ نظری اور اسلام سے بُغض کے زیرِ اثر اسلامی شخصیات پر کیچڑ اچھالنے اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے علمی بددیانتی سے بھی بے دریغ کام لیا ہے۔ ان تلخ حقائق کے باوجود ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اپنی کتابوں کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے بے انتہا محنت کی ہے اور بعض موقعوں پر صحیح باتیں بھی لکھ گئے ہیں (شاید اس لیے کہ ان کو چھپانا یا مسخ کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا)۔ متعدّد مستشرقین نے اپنی کتابوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے اسے پڑھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ باہمہ تعصّب ان لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بڑے شاندار الفاظ میں ان کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند مشہور مستشرقین کی کتابوں سے چند ایسے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے۔

سٹینلے لین پول —— "ابوبکر رضی اللہ عنہ کوئی فیصلہ کرتے وقت بڑی متانت اور

انصاف سے کام لیتے تھے وہ دل کے نرم اور کریم النفس تھے اور بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار۔" (سٹڈیز ان اسے ماسک)

ای آئی جے روزنتھال ـــــــ "حضرت ابُوبکرؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنی ذاتی اور عوامی زندگی میں پیغمبر اسلامؐ کی پوری پوری متابعت کی۔" (اسلام ان دی ماڈرن نیشنل سٹیٹ)

ٹی ڈبلیو آرنلڈ ـــــــ "ابُوبکرؓ ایک امیر تاجر تھے۔ ان کے اعلیٰ کردار اور قابلیّت کی بناء پر لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنی دولت کا بیشتر حصہ ان غلاموں کو خریدنے پر صَرف کر دیا جنہیں کفّار اسلام قبول کرنے پر اذیّتیں دیتے تھے۔" (دی پریچنگ آف اسلام)

سر ولیم میُور ـــــــ "حضرت ابُوبکرؓ کے دل و دماغ میں اپنی ذاتی بڑائی کا خیال کبھی پیدا نہ ہوا حالانکہ ان کے پاس بادشاہوں جیسے اختیارات تھے اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھے انہوں نے اپنی ساری توانائیاں اسلام کی خدمت اور ترقّی میں صَرف کر دیں۔ ان کی کامیابی حضرت محمّدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر مکمل ایمان و لیقین کی مرہونِ منّت تھی وہ لوگوں سے ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے:

"مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو میں رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا خلیفہ ہوں۔"

کوئی بھی معاملہ ہوتا، ابوبکرؓ اس سے رسول اللہؐ کے طرزِ عمل یا حُکم کی روشنی میں عہدہ برآ ہوتے۔ وہ تمام عمر رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی تعلیمات پر کاربند رہے اور انہی کے مطابق ہر طرح کی شورشوں اور مخالفتوں کا خاتمہ کر کے اسلام کو نئے سرے سے مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ حضرت ابُوبکرؓ کا دورِ خلافت اگرچہ بہت مختصر تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو ایمان اور عمل میں ابُوبکرؓ پر فوقیّت رکھتا ہو۔" (خلافت کا عروج، زوال اور خاتمہ)

ڈاکٹر اندری سرد یر ـــــــ "ابوبکرؓ منصب خلافت کے لیے موزوں ترین انسان تھے۔ ان کے مزاج میں انتہا درجے کی سادگی تھی۔ بڑے اونچے مرتبے پر پہنچنے کے باوجود انہوں نے فقیرانہ زندگی بسر کی۔ جب وہ فوت ہوئے تو ورثے میں کپڑوں کا ایک جوڑا، ایک غلام اور ایک اونٹ چھوڑا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک نیک سرشت صوفی تھے۔"

(اسلام اینڈ دی سائیکالوجی آف دی مسلمان)

ایچ جی ویلز ـــــــ "(حضرت) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اسلام کا دل اور دماغ تھے تو (حضرت) ابوبکرؓ اسلام کا ایمان اور عزم تھے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں اس عزم و استقلال کا مظاہرہ کیا جس کے سامنے پہاڑ بھی ٹل جاتے ہیں۔ ان کی منصوبہ بندی سادہ مگر مؤثر ہوتی تھی۔

(ہسٹری آف دی ورلڈ)

ڈاکٹر ویل ـــــــ "حضرت ابوبکرؓ کی نجی زندگی اور عہد حکومت ایسا بے عیب گزرا جس پر انگشت نمائی کرنا ممکن نہیں ہے۔"

(ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز)



خلیفۃؓ الرسولؐ
کا
نظامِ خلافت





خلافت کی قبا کو جس نے حسنِ سادگی بخشا
جہانبانی کی فطرت کو شعورِ عاجزی بخشا
عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ تھے خلافت میں مشیر اس کے
جلیل القدر اصحابِ پیمبرؐ تھے وزیر اس کے
نگہباں تھا رعایا کا لبوں پر تھیں مناجاتیں
خلافت کے لیے دن تھے عبادت کے لیے راتیں



حافظؔ لدھیانوی

نظامِ خلافت

(نظمِ مملکت)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی مدّتِ خلافت صرف سوا دو برس ہے۔ لیکن اس قلیل مدّت میں انہوں نے جو مہتم بالشّان کارنامے انجام دیئے ان کا حال پڑھ کر انسان ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ انہیں اپنے دورِ خلافت کا بیشتر حصہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نپٹنے میں صرف کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ ملکی نظم ونسق سے غافل نہیں رہے۔ فی الحقیقت انہوں نے اپنی قوّتِ ایمانی، تدبر وفراست اور عزم وہمت کی بدولت نوزائیدہ خلافتِ اسلامیہ کو اتنی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جس پر ان کے اولوالعزم جانشین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک عظیم الشّان عمارت تعمیر کر دی۔ یہاں ہم خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نظامِ خلافت کے خدوخال اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

مجلسِ شوریٰ

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے:

اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

(ان کے تمام کام باہمی مشورے سے چلتے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہدِ خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا۔ انہوں نے کوئی باقاعدہ مجلسِ شوریٰ تو قائم نہیں کی تھی لیکن جب کوئی اہم مسئلہ درپیش آتا تو وہ

اکابر مہاجرین و انصار کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ "جب کوئی (اہم) امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہؓ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز اصحاب حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل انصاری، حضرت ابیؓ بن کعب انصاریؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری کو بلاتے تھے۔ یہ سب حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے۔"

سنن الدارمی میں حضرت میمونؒ بن مہران سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس کوئی معاملہ آتا تو وہ پہلے یہ دیکھتے کہ اس معاملہ میں قرآنِ حکیم میں کیا حکم ہے۔ اگر وہاں کوئی حکم نہ ملتا تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس قسم کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ اگر سنتِ رسولؐ میں بھی کوئی حکم نہ ملتا تو وہ قوم کے نیک اور سرکردہ اصحاب کو جمع کرتے تھے اور ان کے مشورے کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

اس طرزِ حکومت کو اگر کوئی نام دیا جا سکتا ہے تو وہ "شورائی نظامِ حکومت" ہے۔

ملکی نظم و نسق

ملکی نظم و نسق کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف عہدوں پر مناسب اور موزوں آدمیوں کا تقرر کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوری مملکت کو متعدد صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ خاص خاص صوبے اور ضلعے یہ تھے۔

مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ، طائف، صنعاء، حضرموت، خولان، زبید

جند، بحرین، نجران، دومۃ الجندل، عراقِ عرب، جرش، حمص

اردن، دمشق، فلسطین۔

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے صیغۂ مال کو صیغۂ فوج سے الگ کر دیا تھا اور ہر ایک کے لیے الگ الگ امیر مقرر فرمائے تھے جو امیر الخراج اور امیر الثغور کے لقب سے ممتاز تھے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک صوبہ یا ضلع مخصوص کر دیا تھا۔ (طبَریؒ)

صوبے یا ضلعے کے حاکم کو عامل کہا جاتا تھا۔ شروع شروع میں وہ ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا البتہ جب فتوحات میں وسعت ہوئی اور کام بہت پھیل گیا تو فرائض اور ذمہ داریوں کو مختلف عہدیداروں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت ابُوبکرؓ نے عُمّال کے تقرر میں حسب ذیل اصول پیشِ نظر رکھے :

۱۔ جو اصحاب عہدِ رسالت میں عامل مقرر ہوئے تھے۔ انہیں اپنے عہدوں پر بحال رکھا۔

۲۔ ان کے علاوہ جو عُمّال یا امراء مقرر کیے اس میں کسی قسم کی رو رعایت سے کام نہیں لیا اور جس کسی کو ذمہ داری کے عہدے پر مقرر فرمایا اس کو اقربا پروری سے اجتناب، خوفِ خدا اور سلامت روی کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام بھیجا تو ان کو ہدایت کی کہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ ترجیحی سلوک ہرگز نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو گی۔ خدا اس کا کوئی عُذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔

حضرت عمروؓ بن العاص اور ولیدؓ بن عقبہ کو قبیلۂ قضاعہ پر محصّلِ صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی :

"خلوت اور جلوت میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے ایسی سبیل اور رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر کثیر کر دیتا ہے۔ بے شک مخلوقِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جن میں دین کا استحکام اور امر (خلافت) کی حفاظت مضمر ہے۔ اس لیے سستی اور تغافل سے اجتناب کرنا۔" (طبری)

۳ ۔ کسی بدری صحابی کو عامل نہیں بناتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں، اصحاب بدر اپنے بہترین اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اور صُلحاء کے ذریعہ سے اُمتوں کی مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے جتنی ان سے (اُمورِ حکومت) میں مدد حاصل ہو سکتی ہے۔

۴ ۔ عُمّال و حُکّام کی معمولی یا اجتہادی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے تھے لیکن کسی سنگین غلطی کو معاف نہیں کرتے تھے اور سخت باز پرس کرتے تھے۔

۵ ۔ جو لوگ فتنۂ ارتداد میں ملوث ہو گئے تھے اور بعد میں تائب ہو گئے تھے ان کو کوئی ذمہ داری کا کام سونپنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو فوج میں شامل ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے البتہ بعد میں انھوں نے اس اصول میں لچک پیدا کر لی اور امرائے فوج کو اجازت دے دی کہ توبہ کرنے والے جس شخص کے خلوص اور ایمان کی پختگی کا ان کو یقین آجائے اس کو فوج میں شامل کر لیں۔

۶ ۔ عُمّال (گورنروں) کو عمومی طور پر جو فرائض سونپے ان کی تفصیل یہ ہے:

۔ اپنے علاقہ میں امن و امان قائم رکھنا، لوگوں کی اخلاقی حالت سدھارنا،

لوگوں کو نماز پڑھانا اور جمعہ کا خطبہ دینا، محصولات کو جمع کرنا، حدود کو نافذ کرنا، حج پر جانے والے قافلوں کی حفاظت کرنا، کسانوں کی فلاح وبہبود کا خیال رکھنا اور زراعت کو ترقی دینا۔ فوج کی نگرانی کرنا، اس میں مالِ غنیمت تقسیم کرنا اور مالِ غنیمت کا خمس مرکز کو بھیجنا۔

عمائدِ حکومت اور افسرانِ فوج

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں عہدِ صدیقی کے عمائدِ حکومت اور افسرانِ فوج کے جو نام ملتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

مرکزِ خلافت (مدینہ منورہ)

۱۔ مشیرِ خصوصی ــــــ حضرت عمرِ فاروقؓ

۲۔ قاضیٔ حکومت (قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس) ــــــ حضرت عمرِ فاروقؓ

۳۔ مہتممِ خزانہ ــــــ امین الاُمّت حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح
(بعد میں سپہ سالارِ افواج شام مقرر ہوئے)

۴۔ کُتّاب ــــــ حضرت عثمانِ غنیؓ۔ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری
کبھی کبھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی خط وکتابت کا کام کرلیتے تھے۔

۵۔ اربابِ افتاء ــــــ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت معاذؓ بن جبل انصاری، حضرت اُبَیؓ بن کعب انصاری، حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری ــــــ یہ حضرات فتویٰ بھی دیتے تھے اور قضا کا کام بھی کرتے تھے۔

مختلف صوبوں، علاقوں کے عُمّال (گورنر) اور مُحصّلین (کلکٹر)

۱۔ مکہ معظمہ ——— حضرت عتابؓ بن اسید

۲۔ طائف ——— حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی

۳۔ صنعا (یمن) ——— حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ

۴۔ حضرموت (یمن) ——— حضرت زیادؓ بن لبید انصاری

۵۔ خولان (یمن) ——— حضرت یعلی بن منیہؓ

۶۔ زبید و رمع (یمن) ——— حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

۷۔ جند (یمن) ——— حضرت معاذؓ بن جبل انصاری

۸۔ بحرین ——— حضرت علاءؓ حضرمی

۹۔ نجران ——— حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی

۱۰ عُمان ——— حضرت حُذیفہؓ بن محصن

۱۱۔ جرش ——— حضرت عبداللہ بن ثور

۱۲۔ دومۃ الجندل ——— حضرت عیاضؓ بن غنم

۱۳۔ عراقِ عرب ——— حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہ

۱۴۔ نجد (قبائلِ ہوازن) ——— حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

سپہ سالارانِ عساکر

۱۔ حضرت خالدؓ بن ولید ——— مرتدین کے خلاف بھیجے جانے والی ایک فوج اور عراق عرب کو بھیجے جانے والے لشکر کے سالارِ اعلیٰ

۲۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی ——— نجران جانے والے لشکر کے سالارِ اعلیٰ

۳۔ حضرت عیاضؓ بن غنم ــــ دومۃ الجندل کی فوجی مہم کے سالارِ اعلیٰ
۴۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ــــ بالائی عرب (عراقِ عرب) کی چھاپہ مار فوج کے سالارِ اعلیٰ۔
۵۔ حضرت سُوَیدؓ بن قطبہ عجلی ــــ زیریں عرب عراق کی چھاپہ مار فوج کے سالارِ اعلیٰ۔
۶۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح ــــ شام پر حملہ کرنے والی فوج کے سالارِ اعلیٰ

سالارانِ عساکر

۱۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ ــــ محاذِ شام پر جانے والے ایک لشکر کے سالار۔
۲۔ حضرت شُرحبیلؓ بن حسنہؓ ــــ محاذِ شام پر جانے والے ایک لشکر کے سالار
۳۔ حضرت عمروؓ بن العاص ــــ محاذِ شام پر جانے والے ایک لشکر کے سالار
۴۔ حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری ــــ نجدی باغیوں کے خلاف بھیجے گئے لشکر میں انصاری دستے کے سالار
۵۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ــــ محاذِ شام کی عقبی فوج کے سالار
۶۔ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل ــــ محاذِ شام کی عقبی فوج کے سالار
۷۔ حضرت صفوانؓ بن اُمیہ ــــ محاذِ شام کی عقبی فوج کے سالار
۸۔ حضرت ولید بن عُقبہ ــــ محاذِ شام کی عقبی فوج کے سالار
۹۔ حضرت ہاشمؓ بن عتبہ ــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار
۱۰۔ حضرت سعیدؓ بن عامر ــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار
۱۱۔ حضرت قیس بن مکشوح مرادی ــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

۱۲ - حضرت عدیؓ بن حاتم طائیؓ ـــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

۱۳ - حضرت معنؓ بن یزید سُلیمیؓ ـــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

۱۴ - حضرت حمزہؓ بن مالک ہمدانیؓ ـــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

۱۵ - حضرت حبیبؓ بن مسلمہ ـــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

۱۶ - حضرت ضحاکؓ بن قیس ـــــ محاذِ شام پر جانے والی کمکی فوج کے سالار

بعض دوسرے مشہور افسرانِ فوج

ان میں زیادہ تر شام میں لڑنے والی رسالہ فوج کے افسر تھے

۱ - حضرت معاویہؓ بن خدیج

۲ - حضرت ذوالکلاع حمیریؓ

۳ - حضرت ربیعہؓ بن عامر

۴ - حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی

۵ - حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی

۶ - حضرت ضحاکؓ بن سفیان کلابی

۷ - حضرت علقمہؓ بن مجزز

۸ - حضرت زیادؓ بن حنظلہ تمیمی

۹ - حضرت عمارہؓ بن مخشی

۱۰ - حضرت سمطؓ بن اسود

۱۱ - حضرت ابوالاعورؓ بن سفیان سلیمی

۱۲ - حضرت امرأ لقیسؓ بن عابس کندی

۱۳ - حضرت عمروؓ بن عبسہ سُلیمی

۱۴ - حضرت مذعورؓ بن عدی عجلی

۱۵۔ حضرت یزیدؓ بن یُحنّس
۱۶۔ حضرت قیس بن عمرو
۱۷۔ حضرت ابن ذی الحمارؓ
۱۸۔ حضرت ضرارؓ بن الازور اسدی
۱۹۔ حضرت قباثؓ بن اشیم ۔۔ (مقدمۃ الجیش کے کمانڈر)
۲۰۔ حضرت جاریہؓ بن عبد اللہ اشجعی
۲۱۔ حضرت عتبہؓ بن ربیعہ سُلیمی
۲۲۔ حضرت حوشبؓ ذو ظلیم یمنی
۲۳۔ حضرت لقیطؓ بن عبد القیس
۲۴۔ حضرت ابو سفیانؓ بن حرب ۔ (فوج میں آیاتِ جہاد پڑھنے والے حضرات کے مہتمم)
۲۵۔ حضرت ابو الدرداء انصاریؓ ۔۔۔ قاضیٔ عسکر
۲۶۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود ہُذیلی ۔۔۔ غنیمت کے انچارج

تعزیرات و حدود

مختلف جرائم کی سزا اور نفاذِ حدود میں حضرت ابو بکرؓ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اس کا ذکر ان کے فیصلوں اور تفقہ فی الدین کے عنوانات کے تحت آ چکا ہے۔ انہوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا البتہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اور برائیوں کے انسداد کا ہمیشہ خاص خیال رکھا اس سلسلے میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کو نگرانِ عام مقرر فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔

عہدِ رسالت میں شارب خمر (شراب نوش) کے لیے کوئی خاص سزا متعیّن نہیں تھی بلکہ حسب موقع حضورؐ شرابی کو (ہاتھوں اور جوتوں سے) پٹوا دیتے تھے تاکہ وہ نادم ہو کر آئندہ کے لیے توبہ کرلے اور کبھی چالیس کوڑے لگوا دیتے تھے۔ حضرت ابُوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس کوڑوں کی سزا لازمی کر دی۔ (مُسندِ ابوداؤد کتاب الحدود)

سرقہ کی سزا قرآنِ حکیم میں منصوص ہے اس لیے اس کی نسبت اختلاف نہیں ہوسکتا البتہ سرقہ کی بعض خاص صورتیں بھی پیش آسکتی ہیں جن کی قرآن حکیم میں تخصیص نہیں کی گئی۔ ایسی صورتوں میں حضرت ابُوبکر صدّیقؓ سُنّتِ نبویؐ کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے اور اگر ایسی مثال نہ ملتی تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اگر چور نابالغ ہوتا تو حضرت ابُوبکرؓ اس پر حد جاری نہیں کرتے تھے۔

سنگین قسم کے قومی جرائم پر حضرت ابُوبکرؓ نہایت سخت سزا دیتے تھے۔ الفجاءۃ ایاس بن عبد یالیل سلمی نے ارتداد سے توبہ کرنے کے بعد بدعہدی کی اور رہزنی اختیار کر لی۔ اس نے بے گناہ مسلمانوں کو بے دریغ لوٹا اور قتل کیا۔ حضرت ابُوبکرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت طریفہؓ بن حاجز کو حکم بھیجا کہ ایاس کو گرفتار کر کے آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت ابُوبکرؓ کو لکھا کہ نواحِ مدینہ کا ایک شخص علّتِ اُبنہ میں مبتلا ہے۔ اہلِ عرب کے لیے یہ ایک انوکھا فعلِ قبیح تھا جس کی قرآن وحدیث میں کوئی سزا متعیّن نہیں کی گئی تھی۔ حضرت ابُوبکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہؓ نے اس پر اتّفاق کیا۔

(خلفائے راشدین۔ شاہ معین الدین احمد ندوی بحوالہ الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۱۱۶)

اشاعتِ اسلام

حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ کو اشاعتِ اسلام میں شروع ہی سے غیر معمولی انہماک تھا۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ان کی تبلیغی مساعی کی بدولت قریش کے بہت سے سربرآوردہ لوگ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئے۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ :

"قریش کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے رہتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور حسنِ مجالست کی بناء پر ان سے مُحبّت کرتے تھے۔ چنانچہ ان آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں میں جن لوگوں پر اُن کو اعتماد تھا، اُن کو انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیرؓ بن العوّام، حضرت عثمانؓ بن عفّان اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اسلام لائے۔"

بعض دوسرے اربابِ سیَر نے ان بزرگوں کے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم، حضرت عثمانؓ بن مظعون اور حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کے نام بھی لیے ہیں گویا یہ سب اصحاب حضرت ابُوبکرؓ کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

اپنے عہدِ خلافت میں بھی انہوں نے اشاعتِ اسلام پر بھرپور توجہ دی۔ حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہ مدینہ آئے تو ان کو ہدایت کی کہ اپنے قبیلے (بنو شیبان) کے کافروں کو اسلام کی دعوت دیں اور اپنے پڑوسی قبائل کے بُت پرستوں اور عیسائیوں میں بھی اسلام کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ حضرت مثنّیٰؓ کی تبلیغ و ترغیب کے

نتیجے میں ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔
ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلے میں جو فوجیں روانہ کیں انہیں ہدایت کی کہ سب سے پہلے فریقِ مخالف کو اسلام کی دعوت دیں اس کے علاوہ جو عرب قبائل عراق اور شام کی سرحدوں کے اردگرد آباد ہیں ان میں اسلام کی اشاعت کے لیے پوری کوشش کریں چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید کی تبلیغی مساعی کی بدولت عراقِ عرب اور حدودِ شام کے بہت سے عرب قبائل مسلمان ہو گئے۔

رسومِ جاہلیّت کا انسداد

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیّت کے جن عقائد و اعمال کو مٹا دیا تھا اگر کبھی وہ صحابۂ کرامؓ کے سامنے رونما ہوتے تو وہ نہایت سختی سے ان کی ممانعت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر انہیں بتایا گیا کہ قبیلہ احمس کی فلاں عورت کسی سے گفتگو نہیں کرتی انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "یہ جاہلیّت کا طریقہ ہے اسلام میں جائز نہیں تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو۔"

(صحیح بخاری باب ایام الجاہلیّۃ)

ذمّی رعایا کے حقوق

کسی اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم اگر اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرلیں اور جزیہ دینے کی حامی بھرلیں تو وہ ذمّی کہلاتے ہیں۔ اسلامی حکومت ان

کی جان مال زمین اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور ساتھ ہی ان کی مذہبی آزادی کی ضامن ہوتی ہے۔ فی الحقیقت اسلام کا صاف حکم یہ ہے کہ ان لوگوں کے بنیادی حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہوں گے یعنی جان و مال عزت و آبرو اور نجی زندگی کا تحفظ، عقیدہ کی آزادی، مذہبی دلآزاری سے تحفظ اور حاجت مندوں، مسکینوں اور معذوروں کے لیے وسائل ریاست سے متمتع ہونے کا حق وغیرہ۔ غیر مسلم قوموں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی تعلقات کی ابتدا، عہد رسالت ہی میں ہو گئی تھی۔ خیبر فتح ہوا تو حضورؐ نے یہودِ خیبر سے ایک معاہدۂ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

> "اس معاہدہ کی رو سے ان کے مال، جان، زمین، مذہب، حاضر، غائب، قبیلہ اور گرجوں کی حفاظت کی جائے گی نیز ہر اس تھوڑی بہت چیز کی حفاظت کی جائے گی جو اُن کے قبضہ میں ہے۔ کسی پادری، کسی راہب اور کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہیں کیا جائے گا۔"
>
> (کتاب الخراج لقاضی ابو یوسفؒ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدے کو نہ صرف بجنسہٖ برقرار رکھا بلکہ اپنے دستخط و مہر سے اس کی توثیق و تجدید فرمائی۔

اسی طرح خود ان کے عہد میں جو علاقے فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

عہد صدیقی میں حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ فتح کیا تو وہاں کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ کیا جس کی قابل لحاظ شرطیں یہ تھیں:

> "ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ گرائے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں

قلعہ بند ہوتے ہیں اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکال سکیں گے۔

جو بوڑھا شخص بیکار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے گا یا کوئی متموّل شخص اس قدر محتاج ہو جائے گا کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ دینے لگیں گے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔"

(کتاب الخراج)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی تکمیل

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہتے تھے اس لیے وہ ہر ایسے کام کی تکمیل اپنا فرض سمجھتے تھے جو حضورؐ کی رحلت کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا۔ حضورؐ نے جیشِ اُسامہؓ کو روانہ ہونے کا حکم دیا لیکن وہ آپؐ کی وفات کی وجہ سے روانہ نہیں ہو سکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سریر آرائے خلافت ہو کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جیشِ اُسامہؓ کو مدینہ منوّرہ سے اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔

حضورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بعض اصحاب سے (کچھ مال دینے کے) وعدے کیے تھے لیکن ابھی ان وعدوں کی تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔ عہدِ صدیقی میں بحرین سے مالِ غنیمت آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلانِ عام کر دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی (مال دینے کا) وعدہ کیا ہو یا حضورؐ کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو وہ میرے پاس آئے ــــــــ اس اعلان پر

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے حاضر ہو کر عرض کی :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب فلاں جگہ سے مال آیا تو میں تمہیں تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دوں گا ۔"

حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا ۔

حضرت ابوبشیر مازنیؓ نے حاضر ہو کر بیان کیا کہ حضورؐ نے مجھے اتنا مال دینے کا وعدہ فرمایا تھا ۔ خلیفۃ الرسولؓ نے انہیں چودہ سو درہم عطا فرمائے ۔

ایک اور صاحب نے (جن کا نام ایک روایت میں ابن ابی نجیح آیا ہے) حاضر ہو کر کہا :

"مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ بحرین سے مال آیا تو (دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے) اتنا اور اتنا دوں گا ۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "اچھا تو دونوں ہاتھوں سے اٹھا لو ۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو پانچ سو درہم نکلے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں پانچ سو درہم مزید عطا فرمائے ۔



مالی نظام

عہدِ رسالت میں صیغۂ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا تاہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمدنی اور خرچ کا ایک سادہ سا نظام وضع فرما دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی نظام کو برقرار رکھا۔ عہدِ صدیقی میں آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع اور مصارف کی تفصیل یہ ہے:

زکوٰۃ

صرف صاحبِ نصاب مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ نقد روپیہ، پھل اور پیداوار اسبابِ تجارت اور مویشی (بجز گھوڑا) کی صورت میں وصول کی جاتی تھی۔ دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے، پانچ اونٹ اور ۵ وسق پیداوار سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں کی شرح زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد پر الگ الگ مقرر فرما دی تھی۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "سیرۃ النبیؐ" میں لکھا ہے کہ:

"محصلینِ زکوٰۃ کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بتصریح بتایا جاتا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اسی کے مطابق عمل کیا اور ایک فرمان تمام عمالِ زکوٰۃ وصدقات کے پاس روانہ کیا جس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مفصل ہدایات واحکام تھے (اس کی نقل اس کتاب میں "تفقہ فی الدین" کے عنوان کے تحت درج کردی گئی ہے۔)

عُشر

مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کی پیداوار پر عُشر مقرر تھا۔ جن زمینوں کے جوتنے اور بونے میں کاشتکاروں کو کم محنت کرنی پڑتی تھی اور جن کی سیرابی ندی نالوں کے پانی سے ہوتی تھی یا جن سے موسمی خصوصیات کے باعث کاشتکاروں کو زیادہ مشقت کیے بغیر پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ ان زمینوں کی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ عُشر مقرر تھا۔ دوسری قسم کی اراضی (جس کی سیرابی کے لیے پانی کا خاص انتظام کرنا پڑتا تھا) اس کی پیداوار کا ۱/۲۰ حصہ (یعنی نصف عُشر) مقرر تھا۔ عُشر روپیہ یا جنس کسی بھی صورت میں دیا جا سکتا تھا۔ سبزی پر کوئی عُشر نہ تھا۔

خراج

غیر مسلم کاشتکاروں سے حقِ مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو حصہ باہمی مصالحت سے معین ہو جاتا تھا اس کو خراج کہا جاتا تھا۔ عہدِ رسالت میں خیبر اور فدک کی زمینوں کو اس شرط پر مالکوں کے پاس رہنے دیا گیا کہ وہ پیداوار کا نصف حصہ حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کریں گے۔ بٹائی کے اس طریقے کو حضرت ابوبکرؓ

نے بھی قائم رکھا البتہ جب عراق اور شام کے بعض علاقے فتح ہوئے تو خلیفۃ الرسولؐ نے ان پر سرسری طور پر کچھ رقم بطور خراج مقرر کر دی۔

جزیہ

غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ اس کی شرح متعین نہیں تھی بلکہ سہولت کے ساتھ جو شخص جتنا دے سکتا تھا اس سے اتنا ہی لیا جاتا تھا۔ عہدِ صدیقی میں حیرہ فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں سے دس درہم فی کس جزیہ وصول کیا گیا۔ جو لوگ اپاہج اور بیکار ہو جاتے تھے ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا اور ان کو حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا۔

فَے اور غنیمت

فے اس مال کو کہتے تھے جو فریقِ محارب سے جنگ و جدال کے بغیر حاصل ہوتا تھا اور جنگ میں فتح کی صورت میں جو مال و اسباب حاصل ہوتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ اس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ چار حصے جنگ میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے اور پانچواں حصہ (خمس) بارگاہِ خلافت میں بھیجا جاتا تھا۔

معادن پر ٹیکس

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ عہدِ صدیقی میں بنو سُلیم کے علاقے میں واقع ایک معدن (کان)

فتح ہوئی تو اس کی آمدنی بیت المال میں داخل کی گئی اسی طرح بعض اور معدنوں (کانوں) سے بھی کثیر مال آتا تھا۔ گویا کانیں بھی حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ تھیں۔ عہدِ صدیقی میں کانوں کی پوری آمدنی بیت المال میں داخل کی جاتی تھی یا اس کا کچھ حصہ؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مَصارِف

عہدِ صدیقی میں آمدنی کے بڑے بڑے مَصارِف یہ تھے

۱۔ عُمّالِ صدقات و زکوٰۃ کا روزینہ (یہ انہی کے جمع کیے ہوئے مال سے دیا جاتا تھا۔)

۲۔ خلیفہ اور دوسرے کارپردازانِ حکومت کا روزینہ۔

۳۔ فوج کے لیے ہتھیار اور سامانِ رسد وغیرہ کی فراہمی۔

۴۔ رفاہِ عامّہ کے کام

۵۔ مختلف سماجی معاشرتی اور دینی امور مثلاً اپاہجوں کمزوروں بوڑھوں مسکینوں کی مدد۔ اپاہج اور بیکار ذمّیوں کے وظائف۔

۶۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وعدوں کی تکمیل

ضروری مَصارِف کے بعد جو رقم بچتی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کو سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیتے تھے۔ ان میں چھوٹے بڑے آزاد، غلام مرد اور عورت سب شامل تھے۔ چنانچہ پہلے سال مال آیا تو ہر شخص کے حصے میں سوا سات درہم (بروایتِ دیگر دس درہم) آئے۔ دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور حسبِ سابق سب میں برابر تقسیم کیا گیا تو ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے بعض

لوگوں نے کہا کہ آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے فضائل کی بدولت ترجیح دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ "فضائل کا ثواب خدا دے گا۔ یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔"

مالِ غنیمت کے خُمس کی تقسیم کا طریقہ الگ تھا۔ اس کا ایک حصہ جسے قرآن کریم میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، فوجی مصارف کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ خاندانِ نبوّت کے لیے مخصوص کر دیا جاتا تھا اور باقی حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیے جاتے تھے۔

اپنے عہدِ خلافت کے اواخر میں حضرت ابوبکرؓ نے ایک بیت المال تعمیر کرایا لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کی نوبت نہ آئی اس لیے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے کہا کہ آپ کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر کرتے تو فرمایا، اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرِ فاروقؓ نے چند اکابر صحابہؓ کو ساتھ لے کر بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک دینار (بروایت دیگر ایک درہم) برآمد ہوا۔ ان اصحاب کی زبان سے بے اختیار نکلا "اللہ ابوبکرؓ پر رحمت نازل کرے۔"

پھر انہوں نے بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات تک بیت المال میں کل کس قدر مال آیا ہوگا۔ اس نے کہا "دو لاکھ دینار" لیکن جو مال آتا حضرت ابوبکرؓ اس کو ضروری مدوں پر فوراً خرچ کر دیتے تھے یا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔



عسکری نظام

عرب میں مستقل فوج کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ لوگوں کو فوجی تربیت دینے کے لیے وہاں کوئی فوجی مدرسہ یا ادارہ تھا لیکن عرب فطری طور پر ایک جنگجو قوم تھے۔ وہ ہر دور میں شہسواری، شمشیر زنی، تیر اندازی، نیزہ بازی اور سخت کوشی میں مشہور تھے۔ وہ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے صحراؤں، میدانوں اور سنگلاخ گھاٹیوں میں اپنے اپنے قبیلوں کے بڑے بوڑھوں سے فوجی تربیت حاصل کرتے تھے یہاں تک کہ قبیلے کا ہر فرد سپاہی بن جاتا تھا۔ ان کی مضطرب فطرت ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور وہ اپنی جنگی صلاحیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑ لڑ کر ضائع کرتے رہتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور عرب دینِ حق کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے تو اسلام نے انہیں ایک نیا تخیل عطا کیا، نظم و ضبط اور راہِ حق میں سرفروشی کا ایک نیا احساس۔ جب ضرورت پیش آتی اور جہاد کا اعلان ہوتا تو صحابہ کرامؓ رضاکارانہ طور پر بڑے ذوق و شوق سے پرچمِ جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے اور باطل کے خلاف اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے۔ اس طرح خود بخود ہی ایک رضاکار فوج تیار ہو گئی۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب کی اخلاقی تربیت فرمائی اور ان کو نظم و ضبط کے ساتھ لڑنا سکھایا۔ حضورؐ نے موقع اور محل کے مطابق چھاپہ مار یا گریز پا طریقۂ جنگ سے بھی کام لیا اور مجاہدین کو صف بند کر کے بھی (صف بند) دشمن کے خلاف جنگ کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی لیکن انہوں نے مستقل طور پر اس طرزِ عمل کو

اپنایا جو حضورؐ نے فتح مکّہ کے موقع پر اختیار فرمایا تھا یعنی اسلامی لشکر کو بہت سے دستوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر دستے کو الگ الگ پرچم عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ جب وہ مجاہدین کا کوئی لشکر کسی مُہم پہ روانہ فرماتے تو اس کو مختلف دستوں پر تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرّر فرما دیتے۔ شام پر لشکر کشی کے وقت اسی طریقہ پر عمل کیا گیا۔

امیر الامراء یا کمانڈر انچیف کے عہدے کی بنیاد بھی حضرت ابوبکرؓ نے رکھی۔ وہ یوں کہ انہوں نے شام جانے والے لشکروں کے امراء کو ہدایت کی کہ جب وہ سب کسی جگہ یکجا ہو جائیں تو ان کے سپہ سالارِ اعلیٰ (کمانڈر انچیف) حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام جانے کا حکم دیا تو انہیں شام کی تمام افواج کا سپہ سالارِ اعلیٰ (امیر الامراء یا کمانڈر انچیف) مقرّر کر دیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے کثیر التعّداد دشمن کے مقابلے میں اپنے قلیل التعّداد لشکر کو بہت سے دستوں میں تقسیم کر دیا اور میدانِ جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعیّن کر دیا۔ اس طرح کسی ترتیب و نظام کے بغیر لڑنے سے جو قباحتیں پیدا ہوتی تھیں ان کا تدارک ہو گیا۔

فوج کی اخلاقی تربیت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جہاد میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے لیے اخلاقی ضابطے اور اصول مقرر فرما دیئے تھے اور ان پہ سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا تھا مثلاً عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، راہبوں اور مذہبی پیشواؤں سے کوئی تعرّض نہ کرنا۔ کلیساؤں (گرجوں) کو نہ چھیڑنا، لاشوں کا مُثلہ نہ کرنا، اسیرانِ جنگ سے اچھا سلوک کرنا وغیرہ۔

حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ نے بھی فوج کی اخلاقی تربیت پر خاص توجہ دی۔ اِس کا نمونہ وہ ہدایات ہیں جو انہوں نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو یا حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام بھیجتے وقت دیں۔ ان کی تفصیل مناسب مقام پر آچکی ہے۔ قریب قریب ایسی ہی ہدایات انہوں نے دوسرے امرائے فوج کو بھی دیں۔ زبانی ہدایات کے علاوہ وہ امرائے فوج کو تحریری ہدایات بھی بھیجتے رہتے تھے جن میں ان کو اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی تاکید ہوتی تھی۔

اسلحۂ جنگ

فوج میں سوار اور پیادہ دونوں قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ان کے پاس بالعموم یہ ہتھیار ہوتے تھے۔ تلوار، بڑا نیزہ، چھوٹا نیزہ، تیر کمان۔

دشمن کے قلعوں پر حملہ کرتے وقت ضرورت ہوتی تو منجنیقوں، دبابوں اور ضنبوروں کا استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ منجنیقوں کے ذریعے قلعوں کی دیواروں پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ دبابوں اور ضنبوروں کے اندر مجاہدین کی ایک تعداد بیٹھ جاتی تھی اور ان کو دھکیل کر قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ جاتے تھے۔ دبابوں اور ضنبوروں میں مجاہدین اس طرح محفوظ ہوتے تھے کہ دشمن کے تیروں سے اُن کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا تھا۔

فوجی لباس

ارباب سیر و تاریخ نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت اُبوبکر صدیقؓ کے عہد میں مجاہدین کا لباس کیسا ہوتا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کا کوئی

مخصوص لباس (جسے وردی یا یونیفارم کہا جاتا ہے) نہیں تھا اور وہ اپنا عام قومی لباس پہن کر ہی لڑتے تھے۔

مصر کے دو مصنّفین ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اور پروفیسر علی ابراہیم حسن نے اپنی مشترکہ تصنیف "النظم الاسلامیہ" میں لکھا ہے کہ:

"(عربوں کی) پیادہ فوج گھٹنوں تک قبائیں اور پائجامے اور جوتے پہنے ہوتی تھی۔ سوار زرہ اور خود پہنے ہوتے تھے۔ یہ خود فولاد کا ہوتا تھا اور اس میں گدھوں کے پر منڈھے ہوتے تھے۔

فاضل مصنّفین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں فوجیوں نے اس لباس کو اختیار کر لیا تھا یا اس کا رواج بعد میں ہوا۔ زرہ اور خود کا سراغ البتہ عہدِ رسالت میں بھی ملتا ہے اور عہدِ صدیقی میں بھی۔

سامانِ جنگ کی فراہمی

سامانِ جنگ میں ہتھیار، خوراک (رسد) خیمے، سواریاں (اونٹ گھوڑے خچر گدھے) وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں۔ مجاہدین بالعموم اپنا اپنا اسلحہ لے کر آتے تھے۔ جو خود انتظام نہیں کر سکتے تھے ان کا انتظام حکومت کرتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ سامانِ جنگ کی فراہمی پر خاص توجّہ دیتے تھے اور مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ اسلحہ اور سامانِ باربرداری وغیرہ پر صرف فرماتے تھے۔ مالِ غنیمت کا جو حصہ قرآنِ حکیم میں اللہ اور رسول کا قرار دیا گیا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو کلیتہً فوجی مصارف کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔

جنگی گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کی پرورش کا بھی حضرت ابوبکرؓ نے خاص

انتظام کیا تھا اور ان کے لیے کچھ چراگاہیں مخصوص کردی تھیں۔

فوجی مراکز کا معائنہ

جو مجاہدین عرب کے مختلف حصوں سے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کی خاطر مدینہ منورہ پہنچتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کو بالعموم خود ضروری ہدایات دے کر مدینہ منورہ سے رخصت کیا کرتے تھے۔ ان مجاہدین کے پڑاؤ کے لیے جرف اور ذوالقصہ سے متصل وسیع میدان مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ وقتاً فوقتاً ان فوجی مراکز کے معائنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ انتظامات یا مجاہدین کی مادی اور روحانی حالت میں کوئی خامی نظر آتی تو اس کی اصلاح فرماتے تھے۔

ایک دفعہ فوجوں کے معائنے کے لیے جرف تشریف لے گئے اور گھوم پھر کر مختلف امور کا جائزہ لینے لگے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو انہوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کو اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا۔ ان لوگوں نے عرض کیا:

"یا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ گھوڑوں کی سواری میں خوب مہارت رکھتے ہیں اس لیے گھوڑے ساتھ لائے ہیں آپ لشکر کا بڑا پرچم ہمیں عنایت فرمایئے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے انہیں دعائے خیر و برکت دے کر فرمایا:

"بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا کیونکہ وہ بنو عبس کو دیا جا چکا ہے۔"

ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا، "ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے خفا ہو کر فرمایا:

"چپ بیوقوف تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے۔"

ایک عبسی نے بھی اٹھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اسے بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا:

"میں جو کچھ کہہ چکا ہوں وہ تمہاری طرف سے کافی ہے۔"

غرض اسی طرح فوجی مراکز میں جا کر مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ ان کو مفید نصیحتیں کرتے تھے اور باہمی اُخوّت اور محبّت کا سبق دیتے تھے۔

(طبقات ابنِ سعدؒ)



خلیفۃ الرسولؐ کے سرکاری خطوط

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انتظامیہ اور فوج کے افسروں کو جو فرامین اور خطوط بھیجے وہ ان کی بے مثال بصیرت اور تدبر کے آئینہ دار ہیں ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غیر معمولی فہم و دانش سے نوازا تھا کوئی بھی معاملہ ہو وہ اس کے ایک ایک پہلو اور جزو پر نظر رکھتے تھے۔ ان کی ہدایات نہ صرف بڑی جامع اور فکر انگیز ہوتی تھیں بلکہ فصاحت و بلاغت، زورِ بیان اور تاثیر کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہوتی تھیں۔ یہاں ہم خلیفۃ الرسولؐ کے چند سرکاری خطوط کا ترجمہ بطور نمونہ اور تبرک پیش کرتے ہیں:

حضرت زیادؓ بن لبید انصاری (عامل کندہ) کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ عبداللہ ابوبکر کی طرف سے زیاد بن لبید کو سلامٌ علیک!!

میں اس معبود کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں۔ تمہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اس علم کے ساتھ ہر کام کی سربراہی اور انجام دہی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد پر منحصر ہے۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ کمرِ ہمت باندھ

لو اور وہ کام کرو جو تمہارے شایانِ شان ہے۔ اپنے علاقے کے لوگوں سے میری بیعت لو اور جو بیعت سے انکار کرے اس کی تلوار سے خبر لو اور بیعت کرنے والوں کی مدد سے انکار کرنے والوں کا مقابلہ کرو۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو سارے دینوں پر ضرور غالب کرے گا خواہ مشرک اس کو کتنا ہی ناپسند کریں۔

والسلام

حضرت خالدؓ بن ولید کے نام
(جب انہیں مرتدین کی سرکوبی پر مامور کیا گیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی طرف سے خالد بن ولید کے نام

اپنے تمام معاملات میں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان لڑا دو اور پوری طاقت کے ساتھ ان لوگوں کا قلع قمع کرو جنہوں نے اسلام سے روگردانی کی ہے اور شیطانی آرزوؤں کو اپنے دل میں بسایا ہے۔ ہاں ان کی سرکوبی سے پہلے ان کو دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنے کا موقع دو۔ اسلام نے ان کو جو حقوق دیئے ہیں اور ان کے بدلے میں ان پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اُن کو ان سے آگاہ کرو اور سچے دل سے ان کی ہدایت کی کوشش کرو۔ جو لوگ دعوتِ حق کو قبول کر لیں، کالے ہوں یا گورے ہوں ان کا اسلام تسلیم کر لو۔ جن کو اسلام کی دعوت دو ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اگر سرکشی پر اڑے رہیں تو تلوار سے کام لو۔ تمہاری لڑائی صرف ایسے لوگوں سے ہے جو اللہ پر ایمان لانے کے بجائے کفر اختیار

کریں۔ جو لوگ اپنے اسلام کا علانیہ اقرار کریں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو (اور جو لوگ دل سے مسلمان ہوں) اللہ تعالیٰ خود ان کا مواخذہ کرے گا۔ جو باغی کلمہ پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر ان سے لڑو۔ وہ جہاں ہوں اور جہاں کہیں بھی بھاگ کر جائیں ان میں سے جن پر قابو پالو ان کو قتل کردو اور کسی سے کلمۂ شہادت کے سوا اور کچھ قبول نہ کرو۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یمامہ کی طرف پیشقدمی کرو اور پہلے بنو حنیفہ اور اُن کے کذّاب مسیلمہ سے لڑو، لیکن لڑنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کریں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور مجھے اطلاع دو، اور اگر وہ کفر سے باز نہ آئیں اور اپنے کذّاب (مسیلمہ) کی پیروی ترک نہ کریں تو دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ان سے سخت لڑائی لڑو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اسلام کی مدد کرے گا اور اس کو سب دینوں پر غالب کرے گا جیسا کہ اس نے قرآن میں وعدہ کیا ہے، کافروں کو یہ بات خواہ کتنی ہی ناپسند ہو۔ اگر اللہ اپنے فضل سے تمہیں بنو حنیفہ پر فتح دے تو ان کو قتل اور تباہی کی سزا دو۔ مالِ غنیمت کا خمس مجھے بھیج دو اور باقی مسلمانوں میں بانٹ دو۔ یہاں خمس کو میں اسلام کے قانون کے مطابق صَرف کروں گا۔

تم کو تاکید کی جاتی ہے کہ اپنے ساتھیوں میں اختلافِ رائے کو راہ نہ پانے دو جس سے ان میں کمزوری پیدا ہو۔ عجلت میں کوئی غلط قدم نہ اٹھاؤ۔ اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارے لشکر میں ایسے لوگ نہ شامل ہو جائیں جن کے بارے میں تمہیں پوری واقفیت نہ ہو کہ وہ کون ہیں

کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے لشکر میں شامل ہونے سے ان کا کیا مقصد ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے لشکر میں ایسے بدو اور گنوار عرب نہ شامل ہو جائیں جو نہ تو مسلمان ہوں اور نہ تمہارے دوست اور خیر خواہ، بلکہ تمہارے لشکر میں شامل ہونے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہیں۔

قیام اور کوچ ہر حال میں مسلمانوں کے ساتھ اخلاق اور محبت سے پیش آؤ اور ان کی ضرورتوں اور دکھ درد کا خیال رکھو۔ کوچ کے وقت فوج کے ایک حصے کو دوسرے سے دور نہ رکھو۔ میں تمہیں انصار کے ساتھ بطورِ خاص حسنِ سلوک کی تاکید کرتا ہوں۔ انھوں نے اسلام کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ ان میں سے جو اچھے ہوں ان کی بات مانو اور جو تلخ، کج خلق اور تند مزاج ہوں ان سے درگزر کرو یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔"

والسلام

حضرت عمرو بن العاص کے نام
(جب وہ محصّلِ زکوٰۃ بنا کر بھیجے گئے)

"ہر کام میں خواہ وہ پوشیدہ ہو یا ظاہر اللہ سے ڈرو۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو رزق دیتا ہے جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کو انعامِ عظیم سے نوازتا ہے۔ بلاشبہ لوگوں کے لیے اس سے بہتر کوئی کام نہیں کہ

ایک دوسرے کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین کریں۔ اسلام کی جو خدمت تمہارے سپرد کی گئی ہے اس کو انجام دینے میں دھوکے ڈھیل یا تساہل سے کام نہ لینا اور نہ کسی ایسے کام سے غافل ہونا جس سے تمہارے دین کا مفاد یا تمہارے منصب کی بقا وابستہ ہو۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کے نام
(فتنۂ رِدّہ کے استیصال کے بعد)

"مسلمانوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دو۔ ہاں اگر کوئی مجاہد خوشی سے تمہارے ساتھ رہنا چاہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو اپنے ساتھ ٹھہرنے پر مجبور نہ کرو اور اپنی کسی جنگ میں ایسے شخص سے فوجی خدمت نہ لو جو برضا و رغبت اس کے لیے تیار نہ ہو۔ تمہارے قریب بکر بن وائل، بنو قیس اور بنو تمیم کے جو قبائل آباد ہیں ان کو یمامہ کی افتادہ اراضی کی کاشت پر آمادہ کرو۔ مفتوحہ علاقے کی اراضی سرکاری مِلکیّت ہے جو شخص اس اراضی کا کوئی حصہ کاشت کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گا لیکن جس علاقے کے باشندے (بغیر لڑے) اسلام قبول کرلیں ان کی افتادہ اراضی کو سرکاری ملکیّت قرار نہیں دیا جائے گا۔"

حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہ کے نام
(جب ان کی مدد کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقِ عرب بھیجا گیا)

"واضح ہو کہ میں نے خالد بن ولید کو سرزمینِ عراق میں تمہارے پاس جانے کی ہدایت کی ہے۔ تم اپنی قوم کو ساتھ لے کر اس سے جا ملو۔ اس کی مدد کرو اور دشمنوں کے خلاف لڑنے میں اس کا ہاتھ بٹاؤ

اس کے حکم کی خلاف ورزی اور اس کی رائے کی مخالفت نہ کرنا وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح کیا ہے:

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ان کے ساتھی کافروں کے لیے بہت سخت اور آپس میں نرم اور مہربان ہیں کبھی تم ان کو رکوع میں دیکھو گے اور کبھی سجدے میں۔"

جب تک خالدؓ تمہارے ساتھ ہے تو لشکر کا سپہ سالار وہی ہوگا اور جب وہ کسی دوسری جگہ جائے گا تو تم اپنے سابقہ منصب پر بحال ہو جاؤ گے۔"

والسلام

اہلِ مکّہ کے نام

(جب ان کو رومیوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی گئی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُبوبکر عبداللہ عتیق بن ابی قحافہ کی طرف سے مکّہ اور نواحِ مکّہ کے مسلمانوں کے نام۔

"میں اُس اللہ کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کے نبی محمدؐ پر درود بھیجتا ہوں ——— آپ لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے میں مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے اور مُلکِ شام فتح کرنے کے لیے طلب کر چکا ہوں۔ اب میں آپ کو لکھتا ہوں کہ اپنے ربّ کے اِس حکم کی جلد از جلد تعمیل کر دکھایئے کہ

"پاپیادہ یا سوار جس حال میں ہو نکل پڑو اور اپنے مال و جان سے جہاد کرو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

یہ آیت آپ لوگوں ہی کے متعلق نازل ہوئی تھی اس لیے سب سے زیادہ

آپ ہی کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ اس کی مدد کرے گا اور جو اللہ کی مدد سے گریز کرے گا اللہ اس سے بے نیاز ہو جائے گا۔ جلد از جلد چل پڑیں ایک ایسی جنّت کی طرف جس کے پھل نیچے ہیں اور جسے اللہ نے مجاہدین، مہاجرین انصار اور ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو اس کی راہ پر چلیں۔"

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کے نام

(جب انہوں نے خلیفۃ الرسولؐ کو قیصرِ روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تمہارا خط آیا جس میں تم نے لکھا ہے کہ دشمن کی فوجیں تم سے لڑنے کے لیے روانہ کر دی گئی ہیں نیز ان کے بادشاہ نے اتنی بڑی فوج بھیجنے کا وعدہ کیا ہے جس کا زمین میں سمانا مشکل ہو جائے گا۔ واللہ سرزمینِ شام میں تمہاری موجودگی سے زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود قیصر اور اس کے لشکروں پر تنگ ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے اُمید ہے کہ تم جلد ہی قیصرِ روم کو اس کے مستقر (انطاکیہ) سے نکال باہر کرو گے۔ تم اپنے رسالے دیہات اور مزروعہ بستیوں میں چھاپے مارنے کے لیے پھیلا دو اور رومی فوجوں کو غلّے اور چارے سے محروم کر کے ان پر جینا دوبھر کر دو۔ بڑے شہروں کا محاصرہ اس وقت تک نہ کرنا جب تک میں یہاں سے نہ لکھوں۔ اگر دشمن تم سے لڑنے بڑھے تو تم بھی لڑنے بڑھو اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اُن پر غالب کرے۔ اُن کے پاس جتنی رسد آئے گی میں اتنی یا اس سے دگنی تگنی بھیجوں گا

اللہ کا شکر ہے نہ تو تمہاری تعداد کم ہے اور نہ تم کمزور ہو۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ پھر تم ان سے لڑنے میں کیوں مذبذب ہو۔ اللہ ضرور تم کو دشمن پر فتح دے گا اور غالب کرے گا وہ تم کو سرفراز کر کے آزمانا چاہتا ہے کہ تم کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو۔ عمرؓ کے ساتھ تمہارا برتاؤ عمدہ ہونا چاہیے میں نے اس کو سمجھا دیا ہے کہ صحیح مشورہ دینے میں پس و پیش نہ کرے وہ تجربہ کار اور صائب الرائے آدمی ہے۔"

والسلام

حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کے نام

(جب انہوں نے خلیفۂ رسولؐ کو قیصر کی فوجی تیاریوں کی اطلاع دی)

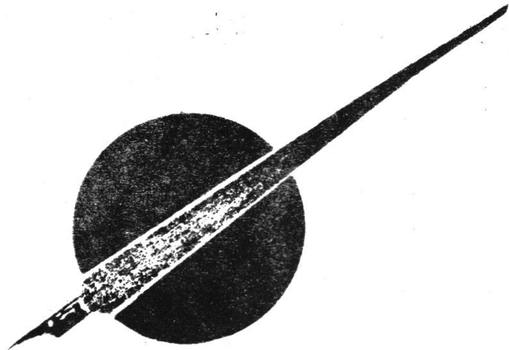
بسم اللہ الرحمن الرحیم

"تمہارا خط ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ قیصرِ روم مسلمان فوجوں سے ایسا دہشت زدہ ہوا کہ وہ انطاکیہ چلا گیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو اللہ تعالیٰ جس کے ہم شکر گزار ہیں ایک طرف کافروں پر ہماری ہیبت طاری کر کے اور دوسری طرف فرشتے بھیج کر ہماری مدد کرتا تھا۔ جس دین کے قیام کے لیے اللہ نے رعب و ہیبت سے کل ہماری مدد کی اسی دین کی طرف آج بھی ہم لوگوں کو بُلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم مسلمانوں کا انجام مجرموں کے انجام جیسا نہیں ہوگا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ سوائے اللہ واحد کے کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ان کا انجام ان لوگوں کا سا نہیں ہو سکتا جو کئی کئی خداؤں کو مانتے ہیں اور اللہ کے ساتھ عبادت میں ان کو بھی شریک کرتے ہیں۔ جب رومیوں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان پر پوری قوت سے حملہ کرنا اور ثابت قدمی سے

لڑنا اللہ تعالیٰ ہرگز تمہاری مدد سے ہاتھ نہیں کھینچے گا۔ اللہ جل شانہٗ نے ہم کو خبر دی ہے کہ چھوٹی فوج اس کے فضل سے بڑی فوج پر غالب آجاتی ہے۔

تم مطمئن رہو میں تمہارے پاس پے بہ پے رسد بھیجوں گا جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو جائے گی اور تم ایک بھی آدمی کی کمی محسوس نہیں کرو گے۔ انشاء اللہ!"

والسلام علیک ورحمۃ اللہ



سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

کے

قریبی متعلّقین

اعزّہ واقارِب



قریبی متعلّقین

والد اور والدہ ——— حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد حضرت ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر اور والدہ حضرت اُمّ الخیر سلمیٰؓ بنت صخر کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔

بھائی بہنیں

جمہور اہل سیر کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صرف دو بہنیں تھیں، جن کے نام اُمّ فروہؓ اور قُریبہؓ تھے۔ البتہ طبریؒ نے حضرت ابوبکرؓ کے دو بھائیوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کے نام معتق اور عُتیق تھے لیکن ان دونوں کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے، قیاس یہ ہے کہ وہ سنِ شعور کو پہنچنے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

حضرت اُمّ فروہؓ اور حضرت قُریبہؓ کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

حضرت اُمّ فروہؓ اہل سیر نے ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ نہیں لکھا لیکن اُن کے شرفِ ایمان وصحابیت پر سب کا اتّفاق ہے۔ ان کی شادی پہلے قبیلہ ازد کے ایک شخص سے ہوئی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق پہلے شوہر کی وفات کے بعد ان کا نکاح تمیم الداریؓ سے ہوا جو پہلے عیسائی تھے۔ ۹ھ ہجری میں اپنے وطن شام سے مدینہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ میاں بیوی

میں کسی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور دونوں میں تفریق ہو گئی۔ لیکن یہ روایت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ ۱۱ھ ہجری کے اواخر میں حضرت اُمِّ فروہؓ کا نکاح کندہ کے رئیس اشعثؓ بن قیس سے ہوا۔ اشعث ۱۰ھ ہجری میں اسّی آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اُمِّ فروہؓ سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس وقت بوجوہ نکاح نہ ہو سکا اور وہ واپس وطن چلے گئے۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد بدقسمتی سے اشعث فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے۔ اسلامی لشکر نے انہیں شکست دی اور گرفتار کر کے خلیفۃُ الرّسولؐ حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کی خدمت میں بھیج دیا، انہوں نے خلیفۃُ الرّسولؐ کے سامنے سچّے دل سے توبہ کی اور اپنی لغزش پر سخت پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے انہیں معاف کر دیا۔ اس موقع پر اشعثؓ نے حضرت ابُوبکرؓ سے درخواست کی کہ وہ اُمِّ فروہؓ کا نکاح اُن سے کر دیں۔ صدّیقِ اکبرؓ نے ان کی یہ درخواست بھی قبول کر لی اور اُمِّ فروہؓ کا نکاح اُن سے کر دیا۔ نکاح کے بعد اشعثؓ بازار گئے وہاں اونٹوں کی منڈی لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے تلوار سونت لی اور جو اونٹ سامنے آتا گیا اس کی کونچیں کاٹ کر زمین پر گراتے گئے، لوگوں کو حیرت ہوئی تو اشعثؓ نے کہا —— "خلیفۃُ الرّسولؐ نے اپنی ہمشیرہ کا عقد مجھ سے کر دیا اگر آج میں اپنے وطن میں ہوتا تو ولیمہ کا اور ہی سر و سامان ہوتا —— مدینہ والو! اس گوشت کو لے جاؤ اور کھاؤ —— اور اونٹوں کے مالکو آؤ اور اپنے اونٹوں کی قیمت مجھ سے لے لو۔"

یہ کہہ کر اونٹوں کی قیمت ادا کر دی۔

بعد میں اشعثؓ بن قیس نے عراقِ عرب اور شام کے کئی معرکوں میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ امام احمدؒ، ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت اُمِّ فروہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا، نماز کو اوّل وقت ادا کرنا۔

حضرت اُمِّ فروہؓ کا سالِ وفات اور مزید حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت قُرَیبہؓ

ان کی شادی ہجرتِ مدینہ کے بعد مشہور صحابی حضرت قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ انصاری سے ہوئی۔ حضرت قیسؓ اپنے دَور کے نہایت فیّاض، بہادر اور صاحبِ تدبیر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت قُرَیبہؓ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔



ازواج و اولاد

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ نے اپنی زندگی میں پانچ شادیاں کیں۔ ان کی بیویوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ اُمِ بکر

قبیلہ بنو کلب سے تھیں۔ چونکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے حضرت ابُوبکر رضؓ نے ہجرت سے پہلے ان کو طلاق دے دی۔

۲۔ قُتیلہ بنت عبدالعُزّیٰ

ان کے بطن سے حضرت اسماءؓ اور حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ اکثر روایتوں کے مطابق وہ مسلمان نہیں ہوئیں۔ اس لیے حضرت ابُوبکرؓ نے انہیں بھی طلاق دے دی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ فتح مکہ تک زندہ رہیں شاید اسلام قبول کر لیا ہو۔

۳۔ حضرت اُمِّ رومانؓ

خاندانِ فراس سے تھیں۔

ان کو شرف اسلام و صحابیت حاصل ہوا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ کی ماں تھیں۔

۴ حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس

بنو خثعم سے تھیں۔

پہلے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں۔ غزوۂ مُوتہ میں

اُن کی شہادت کے بعد حضرت اُبُوبکر صدّیق رض سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے محمّد بن ابی بکر رض پیدا ہوئے۔ ان کا شمار بہت بلند مرتبہ صحابیات میں ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت حبیبہ رض بنت خارجہ

خَزرج کی شاخ حارث بن خزرج سے تھیں۔ ہجرت کے بعد حضرت اُبُوبکر رض کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بطن سے حضرت اُبُوبکر رض کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اُمِّ کلثوم رح (باپ کی وفات کے بعد) پیدا ہوئیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُبُوبکر صدّیق رض کے ان تمام قریبی متعلّقین (ازواج و اولاد اور مواخاتی بھائی) کے حالات اس کتاب میں شامل کر دیئے جائیں جو شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے ——— اگلے صفحات میں یہ حالات ملاحظہ فرمائیں۔



ازواج مؤمنات

حضرت اُمِّ رُومان رضی اللہ عنہا

۹ھ ہجری میں رحمت دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک دن ایک ایسی خاتون کی وفات کی خبر ملی جو شمعِ رسالت پر پروانہ وار فدا تھیں حضورؐ یہ خبر سن کر سخت حُزن وملال کے عالم میں ان کے جنازے پر تشریف لے گئے خود قبر میں اتارا اور پھر ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اِمْرَاَۃٍ مَّعَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اُمِّ رُوْمَانَ۔

(جو شخص عورتوں میں حورِ عینؑ کو دیکھنا چاہے وہ اُمِّ رومان کو دیکھے)

یہ اُمِّ رومانؓ جن کو سیّد المرسلین فخرِ موجودات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جنّت کی حُور قرار دیا، سیّدنا صدیق اکبرؓ کی رفیقۂ حیات، حضورؐ پرنور کی خوش دامن اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدۂ ماجدہ تھیں۔

حضرت اُمِّ رومانؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا، اہلِ سِیَر میں سے کسی نے ان کا اصل نام نہیں لکھا اس لیے اپنی کنیت "اُمِّ رومان" ہی سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ رومانؓ بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

حضرت اُمِّ رومانؓ کا پہلا نکاح (زمانۂ جاہلیت میں) عبداللہ بن حارث بن سنجرہ سے ہوا[1] اور وہ انہی کے ساتھ مکّہ آکر سکونت پذیر ہوئیں۔ عبداللہ کی صُلب سے ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام طفیل رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حارث نے وفات پائی اور اُمِّ رُومانؓ بے سہارا رہ گئیں۔ چونکہ عبداللہ اپنی زندگی میں حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کے حلیف بن گئے تھے اس لیے ان کے انتقال کے چند ماہ بعد حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے اُمِّ رومانؓ سے خود نکاح کر لیا، صدّیق اکبرؓ کی صُلب سے اُمِّ رومانؓ کے ہاں حضرت عائشہ صدّیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام کی نہایت درخشندہ ہستیاں ہیں۔

بعثت کے بعد سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابُوبکر صدّیقؓ ان چار عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ایک تھے جنھوں نے سب سے پہلے لوائے توحید کو تھاما (یعنی اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت ابُوبکر صدیقؓ، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ) حضرت اُمِّ رومانؓ کو حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی بلا تأمل ان کی تقلید کی اور یوں سابقون الاوّلون کی مقدّس جماعت میں شامل ہو گئیں۔

سفرِ ہجرت میں صدّیق اکبرؓ کو رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کا عظیم الشّان شرف حاصل ہوا۔ مکّہ سے چلتے وقت انہوں نے بھی حضورؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے بھروسے پر دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچ کر کچھ اطمینان ہوا تو حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت

---

[1] بعض روایتوں میں حضرت اُمِّ رومانؓ کے پہلے خاوند کا نام طفیل بن سنجرہ بیان کیا گیا ہے اور ان کی صُلب سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام طفیل کے بجائے عبداللہ دیا گیا ہے۔

ابو رافعؓ کو اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکّے بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ان کے ہمراہ عبداللہ بن اُریقط[1] کو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اُمّ رومانؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ منورّہ لے آئیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ رومانؓ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ہمراہ مکّہ معظّمہ سے روانہ ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ سفرِ ہجرت میں جب ہم لوگ بیداء کے مقام پر پہنچے تو میرا اونٹ بدک گیا، میں اور میری والدہ اُمّ رومانؓ اس کے ہودج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ نے کود پھلانگ شروع کی تو میری ماں بہت مضطرب ہوئیں اور انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا "ہائے میری بیٹی، ہائے میری دلہن" بارے اللہ نے خیر کی، اونٹ پکڑا گیا اور ہم لوگ خیریت سے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔

مدینہ منوّرہ میں حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے اہل و عیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلّے میں قیام کیا جہاں حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

---

[1] عبداللہ بن اُریقط تاریخِ اسلام کی ایک حیرت انگیز شخصیت ہے۔ اس کا تعلق بنی الدّیل سے تھا اور وہ مختلف مقامات کو ایک دوسرے سے ملانے والے راستوں سے ماہرانہ واقفیت رکھتا تھا۔ سفرِ ہجرت میں اسی نے مکّہ سے مدینہ تک اُجرت پر راہ نمائی کی خدمت انجام دی۔ یہ شخص اگرچہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہوا لیکن اس نے اپنے آپ کو محیر العقول اعتماد کا اہل ثابت کیا۔ مشرکین قریش نے حضورؐ کی مخبری کرنے کے لیے گرانقدر انعام کا اعلان رکھا تھا لیکن اس نے اسے ٹھکرا دیا اور کسی کے کان میں سفرِ ہجرت کے پُرخطر راز کی بھنک تک نہ پڑنے دی۔

سنہ ۶ ہجری میں افک کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقینِ مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ واقعہ کی صورت کچھ ایسی تھی کہ رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طبع مبارک بھی پُرملال ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے اپنے آقا کا ملال قیامت سے کم نہ تھا۔ دکھیا بیٹیوں کی پناہ گاہ دامانِ مادر ہی ہوتی ہے۔ حضورؐ سے اجازت لے کر گرتی پڑتی اپنے والدین کے گھر پہنچیں۔ یہ ایک دو منزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اوپر کی منزل میں تھے اور حضرت اُمِّ رُومانؓ نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا، "میری بچی خیر تو ہے، کیسے آئیں؟" حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت اُمِّ رومانؓ ماں تھیں، دُکھ تو انہیں بھی بہت ہوا لیکن حضرت عائشہؓ کا دل رکھنے کو کہا:

"بیٹی گھبراؤ نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اسے شوہر کی نظروں سے گرانے کے لیے ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

حضرت عائشہؓ کے دل پر بنی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے ان کی چیخ نکل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی بچی کی چیخ سن کر بالاخانے سے نیچے اترے، واقعہ سنا، رقیق القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہؓ سے کہا، بیٹی تم اپنے گھر جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو صدیقِ اکبرؓ اُمِّ رومانؓ کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں پہنچے۔ اُمّ المومنینؓ رنج والم کی شدّت سے بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں، حضرت اُمِّ رومانؓ نے انہیں اپنی گود میں لٹا لیا۔ نمازِ عصر کے بعد سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے استفسار

فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا، آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی تھے اپنے آقاؐ کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے، کہنے لگے "ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ میں بالکل بیگناہ ہوں۔" ——— آخر غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود عائشہ صدیقہؓ کی پاکدامنی کی گواہی بڑے پُر زور الفاظ میں دی۔ ارشاد ہوا :

"جب تم نے یہ سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔"

(سورۂ نورؔ)

آیتِ برأت کے نزول سے حضرت اُمِّ رومانؓ کو کمال درجے کی مسّرت ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا۔ ماں نے بیٹی سے کہا: "بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ناز سے جواب دیا: "میں تو صرف اپنے رَبّ کی ممنون اور شکر گزار ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔"

اسی سال کے آخر میں ایک اور یادگار واقعہ پیش آیا، حضرت ابُوبکر صدیقؓ اصحابِ صُفّہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ انھیں وہاں چھوڑ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے وہاں کچھ زیادہ دیر ہو گئی، گھر واپس آئے تو حضرت اُمِّ رومانؓ نے پوچھا، "مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں تھا تم مہمانوں کو کھانا کھلا دیتیں۔"

حضرت اُمِّ رومانؓ نے عرض کیا: "میں نے انہیں کھانا بھجوایا تھا لیکن انہوں نے میزبان کی غیر حاضری میں کھانا تناول کرنا پسند نہیں کیا۔"

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ خود کھانا لے کر گئے اور تینوں بزرگوں کو کھلایا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ مہمانوں اور اہلِ خانہ کے سیر ہونے کے بعد بھی نہایت افراط سے بچ رہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمِّ رومانؓ سے پوچھا "کتنا کھانا باقی بچ گیا۔" انہوں نے کہا، "تین گنے سے بھی زیادہ۔"

صِدّیقِ اکبرؓ نے یہ سارا کھانا اٹھوا کر سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بھجوا دیا۔

حضرت اُمِّ رومانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے کسی نے ۴ سنہ ہجری لکھا ہے کسی نے ۵ سنہ ہجری اور بعض نے ۶ سنہ ہجری اور ۹ سنہ ہجری بیان کیا ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اُمِّ رُومانؓ کی وفات ۹ سنہ ہجری سے پہلے نہیں ہوئی۔ چنانچہ جمہور اہلِ سیر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے[1] سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت اُمِّ رُومانؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تدفین کے لیے حضورؐ خود قبر

---

[1] صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ مشہور تابعی حضرت مسروقؒ بن اجدع (جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منوّرہ آئے) کہتے ہیں مجھ سے حضرت اُمِّ رومانؓ نے حدیثِ افک بیان کی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمِّ رومان ۱۲ سنہ ہجری یا ۱۳ سنہ ہجری تک زندہ تھیں۔ ایک اور روایت میں حضرت اُمِّ رومانؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۵۲۴ پر)

میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دُعا کی۔

علامہ ابن سعدؒ نے حضرت اُمِّ رومانؓ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

كَانَتْ أُمُّ رُومَانَ امْرَأَةً صَالِحَةً

(اُمِّ رُومانؓ بہت نیک خاتون تھیں)



(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی وفات حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں بیان کی گئی ہے۔ اگر حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات عہدِ رسالت کے بعد تسلیم کیا جائے تو پھر ان کی تدفین میں حضورؐ کے شریک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یہ واقعہ کسی اور صحابیہ سے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہم نے وہی روایت اختیار کی ہے جسے جمہور اہلِ سیر نے معتبر قرار دیا ہے۔



حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس خثعمیہؓ

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق اپنی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اجنبی خاتون حضرت حفصہؓ سے مصروفِ گفتگو تھیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: "یہ بی بی کون ہیں؟"

حضرت حفصہؓ نے جواب دیا:

"یہ اسماءؓ بنتِ عُمیس زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہاں وہ حبش والی (حبشیہ) وہ سمندر والی (بحریہ)؟"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "ہاں وہی۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے (شاید از راہِ خوش طبعی) فرمایا: "ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس لیے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہیں۔"

یہ سُن کر حضرت اسماءؓ کو غصہ آگیا، بولیں: "جی ہاں آپ نے بجا فرمایا، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ حضورؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے، لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم حبش کی دُور ترین، مبغوض ترین سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے۔ ہم کو ایذا دی جا رہی تھی۔ ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسُولؐ کی رضاجوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم آپ نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرلوں گی، نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی۔ خدا کی قسم کسی قسم

کا جھوٹ نہ بولوں گی، کج روی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔"

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، عمرؓ یوں کہتے ہیں۔"

حضورؐ نے پوچھا: "تو تم نے انہیں کیا جواب دیا؟"

حضرت اسماءؓ بولیں: "یا رسول اللہ، میں نے انہیں یوں اور یوں کہا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں۔ عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہلِ کشتی کی دو ہجرتیں ہیں۔" (یعنی ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب)

حضورؐ کے اس ارشادِ مبارک پر حضرت اسماءؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی زبان پر بے اختیار تکبیر و تہلیل جاری ہو گئی۔ جب اس گفتگو کا چرچا پھیلا، تو مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے، ان سے اس واقعہ کی تفصیل سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں حبشہ کے مہاجروں کے لیے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی شے نہ تھی۔

یہ اسماءؓ بنتِ عُمیس جن کی فضیلت کی تصدیق ان کے ذوالہجرتین ہونے کی بنا پر خود سید الانام فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قبیلہ خثعم کی چشم و چراغ تھیں اور ان جلیل القدر خواتین میں سے تھیں، جنہوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں سخت نامساعد حالات اور مہیب خطرات سے بے پروا ہو کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ حضرت اسماءؓ کے والد عُمیس کے سلسلۂ نسب کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے عُمیس کے والد کا نام معبد بن تمیم لکھا ہے اور کسی نے معد بن حارث بن تیم اور کسی نے سعد بن تیم بن حارث۔ والدہ کا نام بالاتفاق ہند (خولہ) بنتِ عوف تھا۔ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ بنتِ حارث بھی انہی کے بطن سے تھیں۔

اس نسبت سے حضرت اسمائؓ بنت عُمیس، حضرت میمونہؓ کی اخیافی بہن تھیں۔

علامہ ابن سعدؒ اور ابن ہشامؒ کا بیان ہے جس زمانے میں حضرت اسمائؓ بنت عُمیس سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں، اس وقت صرف تیس نفوس شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی دارِ ارقم میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسمائؓ کو "السّابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں ان کو اس بنا پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگرے تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصرِ اسلام کے عظیم ستون تھیں اور رہبرِ انسانیت سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بے حد محبوب تھیں۔ حضرت اسمائؓ کا پہلا نکاح حضورؐ کے ابنِ عم حضرت جعفرؓ طیّار بن ابی طالب سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد تیسرا نکاح شیرِ خدا، فاتح خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ حضرت اسمائؓ اور ان کے پہلے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے قبولِ اسلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔

اوائل ۴ھ بعد بعثت میں جب رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے علانیہ لوگوں کو حق کی طرف بُلانا شروع کیا تو مشرکینِ مکّہ فرطِ غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے، تو ۵ھ بعد بعثت میں حضورؐ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند عیسائی تھا، چنانچہ پہلی بار ۱۱ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔ ۶ھ بعد بعثت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکّہ سے نکلا اور حبش کا رُخ کیا۔ اس قافلہ

میں حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس اور ان کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد حبش سے مکّہ آ گئے تھے، لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناساز گار پاکر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

قریشِ مکّہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا، لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ حبش پہنچ کر یہ سب لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے۔ مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں (بیماری، تنگدستی وغیرہ) لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔ قریشِ مکّہ کو اتنی دُور بیٹھے ہوئے مسلمانوں کا یہ امن چین گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہِ حبشہ) کے پاس ایک وفد تحفے تحائف دے کر اس مقصد کے لیے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔ اس وفد کی قیادت عمروؓ بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بڑے زیرک اور منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ انہوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کے درباریوں کو تحفے تحائف دے کر رام کر لیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہ وفدِ قریش کی حمایت کریں گے۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح آدمیوں نے ایک نیا مذہب گھڑا ہے جو ہمارے اور آپ کے دین کے سخت خلاف ہے، اس لیے ہماری درخواست ہے ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے جو ہمارے پاس سے بھاگ آئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ بطارقہ اور درباریوں نے وفدِ قریش کے مطالبے کی پُرزور تائید کی، لیکن نجاشی ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے کہا جب تک میں خود ان لوگوں کو بُلا کر تحقیقِ احوال نہ کر لوں، انہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، چنانچہ اس نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں بُلا بھیجا۔

دوسرے دن تمام مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان سب نے حضرت اسماءؓ کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو اپنا ترجمان بنایا۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: اے لوگو! وہ کون سا مذہب ہے جس کے لیے تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے؟

حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا:

"اے بادشاہ! ہم سخت جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، اپنی لڑکیاں زندہ دفن کر دیتے تھے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کو ستاتے تھے، انسانیت سے عاری تھے، کوئی قاعدہ قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں اللہ نے خود ہم میں سے ایک صاحب کو اپنا رسول بنایا جس کے حسب نسب، سچائی، شرافت، دیانتداری اور پاکبازی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ سچ بولنے، عہد پورا کرنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، بُت پرستی ترک کرنے، بدکاری اور فریب سے بچنے، ہمسایوں سے نیک سلوک کرنے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی۔ ہم اس کی تعلیم پر چلے، ایک خدا کی پرستش کی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی۔ ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر پھر بُت پرستی اور بدکاریوں میں مبتلا کرنا چاہا۔ ہم ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔"

نجاشی یہ تقریر سُن کر بہت متاثر ہوا۔ اُس نے حضرت جعفرؓ سے کہا "تمہارے نبیؐ پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصّہ مجھے سناؤ۔"

حضرت جعفرؓ بڑے نکتہ رس تھے، انہیں معلوم تھا نجاشی اہلِ کتاب ہے اور دینِ عیسوی کا پیرو ہے۔ انہوں نے سورۂ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ اس کو سن کر نجاشی پر رقّت طاری ہو گئی اور وہ

اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔ پھر وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

"خدا کی قسم تمہارے نبی کی کتاب اور انجیل مقدس ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔ میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا"۔ اس کے بعد اُس نے قریش کے وفد سے مخاطب ہو کر کہا: "واللہ میں ان لوگوں کو کبھی اپنے ملک سے نہ نکالوں گا اور نہ تمہارے سپرد کروں گا۔"

قریش کے وفد نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ بادشاہ کا دل مسلمانوں سے پھیر دے، چنانچہ دوسرے دن وہ پھر دربار میں گیا اور بادشاہ سے کہا:

اے بادشاہ! یہ لوگ آپ کے نبی عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے متعلق بہت بُرا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ اس عقیدہ کے لوگوں کو پناہ دیں گے؟"

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کیا اور پوچھا:

"تمہارا عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کی نسبت کیا عقیدہ ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا: "اے بادشاہ ہم عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کو خدا کا نبی اور روح اللہ مانتے ہیں۔" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا "واللہ جو کچھ تم نے عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے متعلق کہا، وہ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ غرض قریش کی سفارت بے نیلِ مرام واپس گئی۔

حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ جس مجلس میں ہم نے نجاشی کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کیا۔ اسی دوران میں نجاشی نے سوال و جواب کے بعد ہم سے پوچھا: "کیا میرے ملک میں کوئی تمہیں تکلیف تو نہیں دیتا؟"

ہم نے کہا: "ہاں یہاں کے لوگ ہمیں ستاتے ہیں۔"

اس پر بادشاہ نے منادی کرادی کہ "جو شخص ان لوگوں میں سے کسی کو ستائے گا، اس پر چار درہم جرمانہ کیا جائے گا۔"

پھر نجاشی نے ہم سے دریافت کیا: "کیا یہ جرمانہ کافی ہے؟"
ہم نے کہا، نہیں۔ اس پر اس نے جرمانہ دوگنا کر دیا۔ (ابن عساکر و طبرانی)
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفارت کے آنے سے پہلے مہاجرینِ حبشہ بالکل مامون و محفوظ نہیں تھے اور حبش کے لوگ ان کو ستاتے رہتے تھے۔

حضرت اسماءؓ بنتِ عُمَیس، ان کے شوہر جعفرؓ بن ابی طالب اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، اُحد، خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے۔ محرم ۷ ھ میں خیبر فتح ہوا، تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ منوّرہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسماءؓ اور حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے، اپنے ان بھائیوں کے آنے سے انہیں دُہری خوشی ہوئی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کو گلے سے لگایا، ان کی پیشانی چومی اور فرمایا:
"میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے"
اسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماءؓ بنتِ عُمَیس اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے ان کے گھر گئیں اور وہاں وہ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اس وقت بعض صحابہؓ کا یہ خیال تھا کہ حقیقی مہاجرینِ اوّلین وہی ہیں جنھوں نے مکّہ سے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی، لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ جن اصحاب نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر حبشہ سے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی، ان کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا اور اس اعتبار سے مہاجرینِ مدینہ کو مہاجرینِ حبشہ پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔ چونکہ یہ وضاحت حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کے استفسار

پر فرمائی تھی، اس لیے مہاجرینِ حبشہ بار بار ان کے پاس آتے تھے اور یہ حدیث سن کر مسرور ہوتے تھے۔

حضرت اسماءؓ اور ان کے شوہر نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ ۸ھ ہجری میں شام کے ایک قصبہ مؤتہ کے رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضورؐ کا نامۂ مبارک حاکمِ بصریٰ حارث بن شمر غسانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرحبیل کی یہ حرکت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزری اور آپؐ نے حارثؓ بن عمیر کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر مؤتہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حِبُّ النبیؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ کر رہے تھے اور اس میں حضرت جعفرؓ بھی شامل تھے۔ حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو رخصت کرتے وقت فرمایا:

"اگر اس لڑائی میں زیدؓ شہید ہو جائیں، تو جعفرؓ امیر ہوں گے۔ اگر جعفرؓ بھی شہادت پا جائیں، تو عبداللہؓ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے۔"

مؤتہ کے علاقے میں اتفاق سے ان دنوں ہرقل شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقا کے مقام پر مقیم تھا۔ شرحبیل نے اس سے مدد مانگ بھیجی۔ ہرقل نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ قیس، جذام، لخم وغیرہ کے جنگجو عیسائی قبائل بھی شرحبیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر ہو گئی۔ مؤتہ مدینہ منوّرہ سے بہت دُور تھا۔ اس لیے مزید کمک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعثِ ننگ۔ مسلمان اللہ کے بھروسے پر غنیم کے ٹڈی دل سے نبرد آزما ہوئے اور مؤتہ کے میدان میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ امیرِ لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ

نے عَلَم سنبھالا اور اس جرأت اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ تقریباً نوّے زخم اس مردِ حق نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی پشت پر نہ تھا ایک ہاتھ قلم ہوگیا، تو دوسرے ہاتھ سے عَلَم سنبھالا، دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں عَلَم پکڑ لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا۔ تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر رسول اکرمؐ کا یہ قوی بازو اور دینِ حق کا یہ سچا عَلَمبردار شہید ہوگیا۔ اب عَلَم حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے سنبھالا۔ وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے، تو حضرت خالدؓ بن ولید نے عَلَم سنبھالا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:

"اے غازیانِ دین جنّت الفردوس تمہارا انتظار کر رہی ہے اور پیچھے ہٹنے والوں کے لیے جہنّم کے شعلے دہک رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور رضائے الٰہی کو پالو۔"

مسلمانوں نے اب کمر سے کمر جوڑ لی اور ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ حملہ شروع کیا۔ لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بالآخر غازیانِ دین کی بے پناہ شجاعت نے اپنے سے چالیس گنا جمعیّت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ غنیم کے پسپا ہو جانے کے بعد حضرت خالدؓ لشکرِ اسلام کو نہایت وقار کے ساتھ بچا کر واپس لے آئے۔

جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضورؐ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے اور صحابۂ کرامؓ کو لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپؐ کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جعفرؓ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جامِ شہادت پیا تو حضورؐ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آپؐ نے فرمایا:

"میں جنّت میں جعفر کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں۔"

حضورؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت جعفر طیارؓ "ذوالجناحین" کے القاب سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد جب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا، تو حضورؐ نے فرمایا:

"اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم سنبھالا ہے۔"

چنانچہ اس دن سے حضرت خالدؓ "سیف اللہ" کے خطاب سے پکارے گئے۔

اس واقعہ کے بعد حضورؐ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے، وہ اس وقت آٹا گوندھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، جعفرؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت اسماءؓ نے بچوں کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا، حضورؐ نے نہایت غم و اندوہ کی حالت میں بچوں کو گلے سے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔ حضرت اسماءؓ حضورؐ کے آبدیدہ ہونے سے پریشان ہو گئیں اور دریافت کیا:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ غمگین کیوں ہیں، کیا جعفر کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔"

اس سانحہ جانگداز کی خبر سنتے ہی حضرت اسماءؓ کی چیخ نکل گئی، ان کی گریہ و زاری سن کر پاس پڑوس کی خواتین جمع ہو گئیں۔ رحمتِ دو عالمؐ واپس تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہراتؓ کو ہدایت فرمائی کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں، انہیں سینہ کوبی اور بَین سے منع کرنا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی اپنے شجاع چچا کی مفارقت کا شدید صدمہ ہوا اور وہ "واعماہ واعماہ" کہہ کر روتی ہوئی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں حضورؐ نے باچشمِ پرنم فرمایا: "بے شک جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیئے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے اپنی لختِ جگر سے فرمایا: فاطمہ، جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا

تیار کرو، کیونکہ اسماءؓ آج سخت غمزدہ ہیں۔"

تیسرے دن رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم پھر حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔

حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۸ھ ہجری (غزوۂ حُنین کے زمانے) میں حضورؐ نے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پڑھا دیا۔ دو برس بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صُلب سے مُحمّد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماءؓ حج کے لیے مکہ آئی ہوئی تھیں کہ ذوالحلیفہ میں مُحمّد بن ابی بکرؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا: "یارسُول اللہ، اب میں کیا کروں" آپؐ نے فرمایا: "غسل کر کے احرام باندھ لو۔"

۱۱ھ ہجری میں رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات پائی تو حضرت اسماءؓ پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ان سے بڑھ کر صدمہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہوا۔ حضرت اسماءؓ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ سیّدہ فاطمۃ الزّہراؓ کی دلجوئی میں صرف کرنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سیّدۃ النساءؓ کا وقت آخر بھی آپہنچا۔ علّامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے سیّدہ فاطمہؓ نے حضرت اسماءؓ بنت عُمیس کو بُلا بھیجا اور ان سے فرمایا: "میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علیؓ) کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "یابنت رسول اللہ، میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ جنازے پر درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت بنا لیتے ہیں اور اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔" پھر انھوں نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، انہیں

جوڑا اور ان پر کپڑا تان کر سیدہ بتولؓ کو دکھایا۔ انہوں نے اسے پسند کیا اور بعد وفات ان کا جنازہ اسی طریقے سے اٹھا۔

محدث ابن جوزی اور بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی میت کو حضرت علیؓ، حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور حضرت سلمیٰ اُمِ رافعؓ نے غسل دیا۔

۱۳ھ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو وفات سے پہلے وصیت کی کہ ان کی میت کو اسماءؓ غسل دیں، چنانچہ حضرت اسماءؓ نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں آئیں۔ محمدؒ بن ابی بکرؓ کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر سایہ ہی پرورش پائی۔

ایک دن عجیب لطیفہ ہوا، محمد بن جعفر طیارؓ اور محمد بن ابی بکرؓ اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون معزز ہے۔ حضرت علیؓ نے دونوں بچوں کی دلچسپ بحث سنی، تو حضرت اسماءؓ سے فرمایا: "تم اس جھگڑے کا فیصلہ کر دو"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "میں نے نوجوانانِ عرب میں جعفرؓ سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں ابوبکرؓ سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسکرا کر فرمایا: "تم نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہ چھوڑا"

حضرت اسماءؓ کے ہاں حضرت علی مرتضیٰ کی صلب سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے۔

۳۸ھ ہجری میں حضرت اسماءؓ کے جوان فرزند محمد بن ابی بکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور ان کے مخالفین نے ان کی نعش گدھے کی کھال میں جلائی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ دردناک خبر سنی تو سکتے میں آگئیں، لیکن نہایت صبر و شکر سے کام لیا اور مصلّےٰ بچھا کر عبادت میں

مشغول ہوگئیں۔

۴۰ سنہ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور ان کے جلد ہی بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے۔ عبداللہ، محمد اور عون، حضرت جعفرؓ کی صلب سے اور یحییٰ حضرت علی مرتضیٰ کی صلب سے۔ بعض اہلِ سیَر نے لکھا ہے کہ حضرت جعفرؓ کی صلب سے ان کے دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی بدولت تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:

"عبداللہ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔" پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"الٰہی عبداللہ کو جعفر کے گھر کا صحیح جانشین بنا، ان کی بیعت میں برکت عطا فرما اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آلِ جعفر کا والی ہوں۔"

حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت سلیم الفطرت اور زیرک تھیں۔ دعوتِ حق کی ابتدا میں جب کفّارِ مکہ کے قہر و غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر مسلمانوں کے خرمنِ عافیت پر گر رہی تھیں، انہوں نے لوائے حق کے تھامنے میں مطلق تامّل نہ کیا اور بلاکشانِ اسلام کی اس مقدّس صف میں شامل ہوگئیں جس کو ربِّ ذوالجلال والاکرام نے کھُلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی ہے۔ یہ ان کے اوصاف و محاسن ہی تھے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق اور مربّی چچا رئیس بنو ہاشم جناب ابو طالب نے انہیں اپنی بہو بنایا۔ وہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اہلیہ ہونے کی حیثیت سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاوج ہوتی تھیں — اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کی اخیافی بہن ہونے کی نسبت سے آپ کی سالی بھی ہوتی تھیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کو بھی حضورؐ

سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ انہوں نے محض اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر چودہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزاری۔

مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ حضرت اسماءؓ نے حضورؐ سے براہِ راست فیض حاصل کیا۔ ایک دفعہ حضورؐ نے انہیں ایک دُعا بتائی اور فرمایا کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت اس کو پڑھا کرو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کے بچوں سے بھی بڑی محبت کرتے تھے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کمسن فرزند حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضورؐ ادھر سے گزرے تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کے بچوں (حضرت جعفرؓ کی اولاد) کو دُبلا پایا تو حضرت اسماءؓ سے پوچھا یہ اس قدر کمزور کیوں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ ان کو نظر بہت لگتی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "ان پر دَم کیا کرو۔" حضرت اسماءؓ نے ایک خاص کلام پڑھ کر حضورؐ کو سنایا اور پوچھا:

"یا رسول اللہؐ یہ نظر لگنے میں مفید بتایا جاتا ہے کیا یہ پڑھ لیا کروں۔"

چونکہ اس کلام میں شرک کی آمیزش نہیں تھی، اس لیے حضورؐ نے فرمایا: "اچھا یہی سہی"

امام بخاریؒ اور علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات سے ایک دن پہلے حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت اسماءؓ نے آپؐ کا مرض ذات الجنب تشخیص کیا اور آپؐ کو دوا پلانا چاہی۔ حضورؐ دوا پینے کے عادی نہ تھے، انکار فرما دیا۔ اسی اثناء میں آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ ان دونوں نے دہانِ مبارک کھول کر دوا پلا دی۔ تھوڑی دیر بعد حضورؐ کی غشی دور ہوئی تو فرمایا:

"یہ تدبیر اسماءؓ نے بتائی ہوگی۔ وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی۔

ہیں۔ عباسؓ کے سوا سب کو یہ دوا پلائی جائے۔"

چنانچہ تمام ازواجِ مطہراتؓ اور حضرت اسماءؓ کو یہ دوا پلائی گئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ تعبیرِ رُؤیاء میں بھی درک رکھتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ ان سے اکثر خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے۔

حضرت اسماءؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عُمرِ فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور کئی بلند مرتبہ تابعین شامل ہیں۔



حضرت جبیبہ رضی اللہ عنہا بنت خارجہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مواخاتی بھائی حضرت خارجہؓ (بن زید بن ابی زہیر) انصاری کی بیٹی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ اُن سے نکاح کے بعد سُنخ میں انہی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے بطن سے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم پیدا ہوئیں۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ فوت ہو چکے تھے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت جبیبہؓ نے اساف بن عتبہ بن عمرو سے نکاح کر لیا۔ حضرت جبیبہؓ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔



اولاد

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ذات النطاقین

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ کا شمار نہایت بلند رتبہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ والدہ کا نام قُتَیلہ بنتِ عبد العزّٰی تھا۔ نانا عبد العزیٰ قریش کے نامور رئیس تھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت اسماءؓ کی سوتیلی بہن تھیں اور ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ حضرت اسماءؓ کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت اسماءؓ ہجرتِ نبوی سے ستائیس سال قبل مکّہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ والدِ ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ روزِ اوّل ہی سے نہایت اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے ظاہر ہے کہ ایسے پاک باز اور فرشتہ سیرت باپ کے زیرِ سایہ ان کی تربیت کیسی ہوئی ہوگی۔

قبولِ اسلام کے لحاظ سے بھی حضرت اسماءؓ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے، وہ اوائلِ بعثت میں اس وقت سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں جب صرف سترہ نفوسِ قدسی مخفی طور پر ایمان لائے تھے۔ اس طرح السابقون الاوّلون کی صف میں ان کا اٹھارہواں نمبر ہے۔

حضرت اسماءؓ کا نکاح حواریٔ رسول ؐ حضرت زبیرؓ بن العوّام سے ہوا۔

جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

بعثت کے چوتھے سال کے اوائل میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکینِ قریش کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے پرستارانِ حق پر ایسے دلدوز مظالم ڈھانے شروع کر دیئے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت اسماءؓ نے ایسے کئی مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اپنے آقا و مولاؐ، شفیق والدِ گرامیؓ اور دوسرے اہلِ حق پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر حضرت اسماءؓ کے دل پر جو گزرتی ہو گی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تاہم وہ نہایت صبر و استقامت کے ساتھ یہ روحانی کلفت سہتی رہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت اسماءؓ کے پدرِ گرامی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سفرِ ہجرت میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے جو کردار ادا کیا اس کا ذکر صدیقِ اکبرؓ کے حالات میں آ چکا ہے۔

ہجرت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن قُبا میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ چند ماہ بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابو رافعؓ کو مکے بھیجا کہ وہ آپؐ کے اہلِ خانہ اور متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اُریقط کو اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی والدہ (اُمِّ رومانؓ) اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ اور حضرت ابو رافعؓ، اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمِّ کلثومؓ

حضرت اُمِّ ایمنؓ (زوجۂ حضرت زیدؓ) اور اُسامہؓ بن زیدؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ حضرت اُمِّ رومانؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے چند دن بعد اپنے شوہر حضرت زبیرؓ بن العوّام اور خوشدامن حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطّلب کے ساتھ ہجرت کی اور قباء میں قیام کیا لیکن جمہور اربابِ سیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حضرت زبیرؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ حضورؐ کے سفرِ ہجرت کے دوران میں وہ شام سے پلٹ رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور وہ یہی کپڑے زیب تن فرما کر مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے۔ مکّہ پہنچ کر حضرت زبیرؓ نے بھی ہجرت کی تیاری کی اور اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قباء میں مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں حضرت اسماءؓ کو بھی (خاص مدینہ منوّرہ شہر سے) بلا لیا۔

ہجرت کے بعد اتّفاق سے عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی! اس پر یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اُن کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ ۱ھ ہجری میں حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نومولودِ اوّل تھے[1]

---

[1] بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا سالِ ولادت ۲ھ ہجری بیان کیا گیا ہے۔
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کو حضرت عبداللہؓ کی ولادت پر بے حد مسرّت ہوئی اور انہوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک ہو گیا۔

حضرت اسماءؓ بچّے (عبداللہؓ) کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے بچّے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا۔ ایک کھجور اپنے دہنِ مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہؓ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بچّے کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے انہی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت "اُمِّ عبداللہ" رکھی تھی۔

مدینہ منوّرہ (قباء) میں اقامت گزین ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ نے پہلے چند سال بڑی تنگی ترشی سے بسر کیے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ بہت مفلس اور تنگدست تھے اور ان کی ساری متاع لے دے کر ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔ حضورؐ نے انہیں نخلستانِ بنو نضیر میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ شروع شروع میں وہ اس میں کاشت کر کے اپنی معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ یہ زمین مدینہ منوّرہ سے تین فرسخ دُور تھی۔ حضرت اسماءؓ روزانہ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں، انہیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں،

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت سے چھ ماہ پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کے ہاں حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ پیدا ہوئے تھے اگرچہ روایت درست ہے تو پھر بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مہاجرین کے نومولودِ اوّل ٹھہرتے ہیں۔

گھوڑے کے لیے گھاس مہیا کرتیں، پانی بھرتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں۔ ان کاموں کے علاوہ گھر کا دوسرا سب کام بھی خود ہی انجام دیتی تھیں۔ روٹی اچھی طرح نہ پکا سکتی تھیں۔ پڑوس میں چند انصاری خواتین تھیں وہ ازراہِ محبت و اخلاص ان کی روٹیاں پکا دیتی تھیں۔ صحیح بخاری میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے:

"زبیرؓ نے مجھ سے نکاح کیا، اُس وقت نہ تو اُن کے پاس زمین تھی نہ غلام، نہ کچھ اور سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے، میں اُن کے گھوڑے کو دانہ کھلاتی تھی، پانی بھرتی تھی، ڈول سیتی تھی، آٹا گوندھتی تھی۔ انصار کی چند عورتیں جو میری ہمسایہ تھیں، روٹی پکا دیتی تھیں۔ وہ عورتیں مخلص تھیں۔ میں زبیرؓ کی زمین سے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی، سر پر گٹھلیاں رکھ کر لاتی تھی۔ یہ زمین میرے گھر سے تین فرسخ کی مسافت پر تھی۔"

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور طبرانیؒ نے حضرت اسماءؓ کی تنگدستی کے زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو خود حضرت اسماءؓ کی زبانی مذکور ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اُس زمین میں تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت زبیرؓ کو عطا فرمائی تھی۔ یہ بنو نضیر والی زمین کہلاتی تھی۔ ایک دن زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں باہر گئے۔ ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے ایک بکری ذبح کی اور بھونی۔ اس کی خوشبو جب میری ناک میں پہنچی تو مجھے ایسی سخت اشتہا پیدا ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان دنوں میری بیٹی خدیجہ پیدا ہونے والی تھی، مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں یہودی عورت کے پاس آگ لینے کے لئے گئی اس ارادہ سے کہ شاید وہ مجھ سے کھانے کی بات پوچھے ورنہ مجھے آگ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہاں پہنچ کر خوشبو سے میری اشتہا میں اور اضافہ ہو گیا لیکن یہودیہ نے کھانے کی بات ہی نہ کی۔ میں آگ لے کر اپنے گھر آگئی اور کچھ دیر بعد پھر یہودیہ کے گھر گئی پھر بھی اس نے کھانے کی بات نہ کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر اس کے گھر پھیرا ڈالا لیکن کسی نے بات نہ پوچھی۔ اب میں اپنے گھر میں بیٹھ کر رونے لگی اور اللہ سے دعا کی کہ الٰہی میری اشتہا کا سامان مہیا کر دے۔ اتنے میں اس یہودیہ کا شوہر اپنے گھر آیا اور آتے ہی پوچھا، کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ یہودیہ نے کہا، ہاں پڑوس کی عرب عورت آئی تھی۔ یہودی نے کہا، جب تک اس گوشت میں سے تو اس کے پاس کچھ نہ بھیجے گی میں ہرگز اس کو نہ کھاؤں گا (کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں کھانے کو نظر نہ لگ گئی ہو) چنانچہ اس نے میرے پاس گوشت کا ایک پیالہ بھیج دیا (اس زمانے میں) میرے لیے اُس جگہ اس سے زیادہ پسندیدہ اور عجیب کوئی کھانا نہ تھا۔''

یہ روایت حضرت اسماءؓ کی صاف گوئی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی عسرت اور ایک بشری کمزوری کا حال صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

اُسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماءؓ کھجور کی گٹھلیوں کا گٹھا سر پر لادے چلی آرہی تھیں کہ راستے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اصحاب کے ہمراہ مل گئے۔ حضورؐ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور چاہا کہ اسماءؓ اس پر سوار ہو جائیں لیکن حضرت اسماءؓ شرم کی وجہ سے اونٹ پر نہ بیٹھیں —————— اور گھر پہنچ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا ''سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہ آئی لیکن رسول اللہؐ کے اونٹ پر بیٹھنے میں، شرم و حیا مانع ہوئی۔''

کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زبیرؓ اور اسماءؓ کو ایک غلام عطا کیا جس نے گھوڑے اور اونٹ کی نگہداشت سنبھال لی اور حضرت اسماءؓ کی

مصیبت کم ہوئی۔

شروع شروع میں حضرت اسماءؓ افلاس کی وجہ سے ہر چیز ناپ تول کر خرچ کیا کرتی تھیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا: "اسماء ناپ تول کر مت خرچ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی نپی تلی روزی دے گا۔"

حضرت اسماءؓ نے حضورؐ کے ارشاد کو حرزِ جان بنا لیا اور کھلے دل سے خرچ کرنے لگیں۔ خدا کی قدرت اسی وقت سے حضرت زبیرؓ کی آمدنی بڑھنے لگی اور تھوڑی ہی مدت میں ان کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔

آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی۔ ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی سے شکم پری کرتیں اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتیں البتہ اپنی دولت کو خیر خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتی تھیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کے لیے ہوتا ہے اگر تم بخل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا، ہاں جو صدقہ کرو گے اور راہِ خدا میں خرچ کرو گے، وہ تمہارے کام آئے گا کہ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ اور درویشانہ وضع آخر دم تک برقرار رکھی۔ علامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ —— ان کی زندگی کے آخری دور میں ان کے صاحبزادے منذر بن زبیرؓ عراق کی فتح کے بعد لڑائی کے میدان سے واپس آئے تو ان کے مالِ غنیمت کے حصے میں کچھ قیمتی زنانہ کپڑے بھی تھے انہیں لے کر اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے یہ کپڑے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "بیٹا مجھے تو موٹا کپڑا پسند ہے۔" چنانچہ منذرؓ

ان کے لیے موٹے کپڑے لائے جو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیے اور فرمایا:

"بیٹیا مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا —— ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ عائشہؓ اور والدہ اسماءؓ سے زیادہ سخی اور کریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور حضرت اسماءؓ جو کچھ پاتی تھیں اسی وقت تقسیم کر دیتی تھیں۔

حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ترکے میں ایک جائداد پائی تھی۔ اس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسم بن محمدؒ اور ابن ابی عتیقؒ کو (جو ان کے قرابت دار تھے) دے دی کیونکہ وہ حاجت مند تھے۔ (یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کے بعد کا ہے)۔ باوجود کشادہ دستی اور فیاضی کے حضرت اسماءؓ اپنے شوہر کے گھر بار کی حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ کی عدم حاضری میں ایک سوداگر آیا اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے۔ بولیں:

"اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو بڑی مشکل بن جائے گی۔ تم زبیرؓ کی موجودگی میں آ کر اجازت طلب کرنا۔"

حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر درخواست کی "اُمِ عبداللہ میں مسکین آدمی ہوں۔ آپ کی دیوار کے سایے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، اجازت مرحمت فرمائیں۔"

بولیں: "میرے گھر کے سوا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟"

حضرت زبیرؓ نے فرمایا "تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع وشراء سے روکتی ہو۔"

حضرت اسماءؓ نے اسے فوراً اجازت دے دی کیونکہ ان کا دلی منشا بھی یہی تھا۔

حضرت اسماءؓ کا دستِ سخاوت بے حد کشادہ تھا لیکن حضرت زبیرؓ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یا رسول اللہ کیا میں شوہر کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر یتیموں مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں دے سکتی ہو۔"

ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابۂ کرامؓ نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کی۔ صحابیاتؓ نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیئے۔ حضرت اسماءؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، انہوں نے اسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر گود میں بیٹھ گئیں۔ جب حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت اسماءؓ سے وہ روپیہ مانگا۔ انہوں نے فرمایا، "میں نے صدقہ کر دیا ہے۔" حضرت زبیرؓ خاموش ہو گئے کیونکہ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے وہ بھی طالب تھے۔

حضرت اسماءؓ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں لیکن ان کی والدہ قُتَیلہ بنت عبدالعزّیٰ شرفِ اسلام سے بہرہ یاب نہ ہوئیں اسی لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ہجرت سے پہلے طلاق دے دی تھی (ایک روایت کے مطابق طلاق کے

بعد انہوں نے کسی دوسرے شخص سے شادی کرلی تھی) صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ قُتیلہ مدینہ منورہ آئیں اور حضرت اسماءؓ سے کچھ روپے مانگے۔ حضرت اسماءؓ ان کی مدد کرنا چاہتی تھیں لیکن اُن کے شرک کی وجہ سے روپے دینے میں متامل ہوئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ میری والدہ مشرک ہیں اور وہ مجھ سے روپے مانگتی ہیں کیا میں ان کی مدد کرسکتی ہوں اور ان کے سوال کو پورا کرسکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا، "ہاں" (یعنی اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ صلہ رحمی سے نہیں روکتا۔"

طبقات ابنِ سعد اور مسندِ احمد بن حنبلؒ میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قُتیلہ ان کے لیے کچھ تحائف لے کر آئیں، حضرت اسماءؓ کی غیرتِ دینی نے گوارا نہ کیا کہ اپنی مشرک ماں کے تحائف قبول کریں یا انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معرفت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس موقع پر میرے لیے کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے تحائف قبول کرلو اور ان کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔

حضورؐ سے اجازت ملنے پر انہوں نے والدہ کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ان کے تحفے قبول کرلیے۔

حضرت اسماءؓ کمال درجے کی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کے تقدس کا عام شہرہ ہوگیا تھا اور طرح طرح کے مریض ان کے پاس دُعائے خیر کرانے آتے تھے۔ اگر کوئی بخار کا مریض ان کے پاس آتا تو اس کے لیے دعا کرتیں اور پھر اس کے سینے پر پانی چھڑکتیں، اللہ تعالیٰ اسے شفا دے دیتا۔ فرمایا

کرتی تھیں ۔ "میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ بخار نارِ جہنم کی گرمی ہے ۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو ۔"

سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک جُبّہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تحویل میں تھا ۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ جُبّۂ مُبارک حضرت اسماءؓ کے سپرد کر دیا ۔ انہوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زندہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جُبّۂ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں ۔ اس کی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی ۔ خود حضرت اسماءؓ کو کبھی دردِ سر ہوتا تو اپنے سر کو پکڑ کر کہتیں "الٰہی اگرچہ میں بہت خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے ۔" اللہ تعالیٰ انہیں آرام دے دیتا ۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے متعدد صحابیاتؓ جن میں حضرت اسماءؓ بھی شامل تھیں ، آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی تھیں ، حضورؐ نے نماز کو کئی گھنٹے طول دیا ۔ حضرت اسماءؓ کی طبیعت کچھ کمزور تھی تھک کر چور ہو گئیں لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں ۔ جب نماز ختم ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں ۔ چہرے اور سر پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آئیں ۔

"صحیح بخاری" میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ "ایک دفعہ سورج کو گرہن لگا تو میں عائشہؓ زوج النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاں گئی ۔ وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور عائشہؓ بھی نماز میں مشغول تھیں ۔ میں نے ان سے پوچھا ، لوگوں کو کیا ہوا ؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا ، سبحان اللہ ۔ میں نے پوچھا ، کیا یہ خدائی نشان ہے ؟ انہوں نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا ۔ چنانچہ میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی (نماز اتنی طویل ہوئی کہ تھکاوٹ کے مارے)

مجھے غش آگیا اور بعد میں اپنے سر پر میں نے پانی ڈالا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا، میں نے ابھی جو کچھ دیکھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ دوزخ اور جنت بھی میرے مشاہدے میں آئے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم لوگ قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے جیسا کہ فتنۂ دجال کے موقع پر تمہاری آزمائش ہوگی۔ فرشتے تم میں سے ہر ایک کی طرف آئیں گے اور (میری صورت دکھا کر) پوچھیں گے، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ مومن جواب دے گا، یہ محمد رسول اللہؐ ہیں جو ہماری طرف واضح حق اور ہدایت کے ساتھ آئے۔ ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی متابعت کی۔ پس فرشتے اس سے کہیں گے کہ تم اب چین کی نیند سو جاؤ کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم مؤمن ہو۔ اس کے برعکس ایک منافق یا شک رکھنے والا آدمی جواب دے گا کہ مجھے معلوم نہیں لیکن میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا اور میں نے بھی (ان کے دیکھا دیکھی) اسی طرح کہہ دیا (پس وہ فرشتوں کے عتاب کی زد میں آجائے گا)۔"

حضرت اسماءؓ نے اپنی زندگی میں کئی حج کیے۔ صحیحین میں ہے کہ انہوں نے پہلا حج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اور اس کی ذرا ذرا تفصیل ان کو یاد تھی۔ حضورؐ کے وصال کے بعد ایک دفعہ حج کے لیے گئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی، چاند ڈوبنے کے بعد رمی کے لیے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام نے جو ساتھ تھا کہا، آپ نے بڑی جلدی کی ہے، فرمایا، حضورؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب کبھی حجون سے گزرتیں تو فرماتیں کہ "ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں یہاں ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا۔ ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا۔"

حضرت اسماءؓ بہت نڈر اور شجاع تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ

کے وصال کے بعد وہ اپنے شوہر اور فرزند کے ساتھ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئیں اور کئی دوسری خواتین کی طرح یرموک کی ہولناک لڑائی میں جنگی خدمات انجام دیں۔

حضرت سعیدؓ بن عاص کے دورِ امارت میں مدینہ منورہ میں بہت بدامنی پھیل گئی اور کثرت سے چوریاں ہونے لگیں۔ اس زمانے میں حضرت اسماءؓ اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا، آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو جواب دیا، اگر کوئی چور یا ڈاکو میرے گھر آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کردوں گی۔

حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا قوی حافظہ عطا کیا تھا اور وہ کبھی کبھی اپنے بچپن اور جوانی کے واقعات بڑی صحت کے ساتھ بیان کیا کرتی تھیں" واقعۂ فیل" تاریخ کا مشہور واقعہ ہے اور اس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اس واقعہ میں یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے ایک جرار لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تھی۔ اس کے لشکر میں "محمود" نامی ایک دیوپیکر ہاتھی اور کچھ دوسرے (سات آٹھ یا بروایتے بارہ) ہاتھی بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر ابابیلوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ بھیج دیئے جو "اصحاب الفیل" پر کنکریاں برسانے لگے اور آن کی آن میں اُن کو کھائے ہوئے بھوسے (عَصۡفٍ مَّاۡكُوۡل) کی مانند کرکے رکھ دیا۔ خدا کی قدرت اس لشکر میں دو فیل بان (ایک مہاوت اور ایک چرکٹا یعنی ہاتھی کے لیے چارہ لانے والا) کسی طرح بچ گئے لیکن ان کی زندگی موت سے بھی بدتر تھی کیونکہ وہ اندھے اور لُنجے ہوگئے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نشانِ عبرت بنانے کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ان دونوں لُنجے فیل بانوں کو اِساف اور نائلہ (بُتوں) کے پاس بیٹھے

دیکھا ہے کہ بھیک مانگا کرتے تھے۔

سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نُفَیل العدوی القرشی ان مستقیم الفطرت انسانوں میں تھے جو کفر و شرک کے ظلمتکدہ (جاہلی عرب) میں توحید کے علمبردار تھے۔ انہیں حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادِ لخم میں قتل کر ڈالا تھا، ایک مرتبہ ان کی سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات بھی ہوئی تھی — اور حضورؐ ان کے عقیدۂ توحید اور محاسنِ اخلاق کے مدّاح تھے۔

حضرت سعید بن مُسَیّبؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ، زیدؒ کے فرزند حضرت سعیدؓ (جو اصحابِ عشرہ مبشّرہ میں سے ہیں) کے ساتھ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ زید کے خیالات کا آپ کو علم ہے کیا ہم ان کے لیے دُعائے مغفرت کریں؟"

حضورؐ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ زیدؒ بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے ان کی وفات دینِ ابراہیمؑ پر ہوئی۔"

ایک اور روایت میں زیدؒ کے بارے میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک اُمّت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔

حضرت اسماءؓ نے لڑکپن میں زیدؒ کو دیکھا تھا اور ان کے محاسنِ اخلاق کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نُفَیل کو دیکھا کہ کعبہ کی دیوار کا سہارا لیے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے، اے گروہِ قریش! واللہ میرے سوا تم میں سے کوئی دینِ ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔ وہ موؤدہ کو جِلا لیتے تھے (یعنی زندہ رکھتے تھے) جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو مارنا چاہتا تھا تو وہ کہتے تھے اسے مت قتل کرو میں اس کا بار اٹھاؤں گا، یہ کہہ کر لے جاتے تھے جب جوان ہو جاتی تھی، اُس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو

ورنہ میرے پاس رہنے دو میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماءؓ کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا یعنی حضرت زبیرؓ بن العوام نے انہیں طلاق دے دی۔ مؤرخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں۔ لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی۔ ایک دن کسی بات پر غصہ میں آ گئے اور حضرت اسماءؓ کو زدوکوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے فرزند عبداللہؓ اتفاق سے گھر میں موجود تھے، حضرت اسماءؓ نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیرؓ نے عبداللہؓ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبداللہؓ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں، آگے بڑھے اور ان کا بازو حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہو گئی اور حضرت اسماءؓ مستقل طور پر فرزندِ اکبر حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔ وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمت گزار تھے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماءؓ بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیرؓ سے علیحدگی کے بعد بھی وہ انہیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی مدح و توصیف کیا کرتی تھیں۔

۳۶ھ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان "جنگِ جمل" کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیرؓ اس جنگ میں

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پُرجوش حامیوں میں تھے لیکن جب لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد دلایا تو وہ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر پلٹ پڑے۔ واپسی کے سفر میں وادیٔ سباع میں پہنچے اور نماز پڑھتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے تو ایک شخص عمرو بن جرموز نے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت اسماءؓ کو ان کی شہادت کی خبر سُن کر سخت صدمہ پہنچا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یہ اشعار کہے: (ترجمہ)

ابنِ جرموز نے لڑائی کے دن ایک بلند ہمت شہسوار سے دغا کی
جب کہ وہ نہتا اور بے سروسامان تھا۔
اے عمرو اگر تو اپنے ارادے سے زبیرؓ کو پہلے مطلع کر دیتا
تو تُو ان کو ایک نڈر اور بے خوف شخص پاتا۔
خدا تجھے غارت کرے تو نے ایک مسلمان کو (ناحق) قتل کیا
خدا کا عذاب تجھ پر ضرور نازل ہوگا۔

یہ اشعار "درالمنثور" میں حضرت اسماءؓ سے منسوب کیے گئے ہیں — لیکن علامہ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ اشعار حضرت زبیرؓ کی ایک دوسری بیوی حضرت عاتکہؓ بنت زید بن عمرو بن نفیل نے کہے تھے جو شعر و شاعری میں کافی درک رکھتی تھیں۔ اس کے برعکس حضرت اسماءؓ کے شعر و شاعری میں درک رکھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بہرصورت اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت زبیرؓ کی شہادت پر حضرت اسماءؓ نے سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا۔

حضرت اسماءؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تاریخِ اسلام میں بڑی

اہم شخصیت کے مالک ہیں۔ سیّدنا حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کے بعد انہوں نے یزید، مختار ثقفی، عبدالملک اور خوارج کا مقابلہ جس استقامت اور شجاعت کے ساتھ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی شہادت تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے جس حق پرستی، بےخوفی صبر و رضا اور جرأتِ ایمانی کا ثبوت دیا وہ ان کی کتابِ زندگی کا ایک تابناک ورق ہے۔ ۳۰ھ یا ۳۱ھ سے حضرت اسماءؓ شوہر سے علیحدگی کے بعد مستقل طور پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ ان کی بے حد تعظیم اور خدمت کرتے تھے اور اپنی شہادت ۷۳ھ ہجری تک انہوں نے مسلسل اپنی ضعیف العمر ماں کی اطاعت اور رضاجوئی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ حضرت اسماءؓ بھی اپنے سعادت مند فرزند کے لیے ہر وقت دعاگو رہتی تھیں یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ علم و فضل، زہد و اتقا، حق گوئی شجاعت اور بے خوفی کا ایک مثالی پیکر بنے۔ سیّدنا حضرت حسینؓ کی طرح انہوں نے بھی مرتے دم تک یزید کی بیعت نہ کی اور پھر اس کی موت کے بعد بھی اس کے جانشینوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ ۶۶ھ ہجری میں عراق اور حجاز وغیرہ کے لوگوں نے انہیں متفقہ طور پر اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ ۷۳ھ ہجری تک انہوں نے مکّہ معظمہ میں اپنا علَمِ خلافت بلند رکھا۔ ان چھ سالوں میں انہیں بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک طرف مختار بن ابی عبید ثقفی کی زبردست جماعت تھی اور دوسری طرف بنواُمیّہ کی قاہر قوّت۔ وہ بڑے عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان دونوں محاذوں پر لڑتے رہے۔ جب عبدالملک بن مروان مسندِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے تہیّہ کرلیا کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو ختم کر کے دم لے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرّر کیا۔

حجاج بن یوسف نے ایک زبردست فوج کے ساتھ یکم ذی الحجہ ۷۲ھ ہجری کو مکہ معظمہ کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے بے مثال استقامت دکھائی اور چھ ماہ تک اُموی فوج کو مکہ معظمہ پر قابض نہ ہونے دیا۔ حجاج نے محاصرے میں اتنی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت وحرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبلِ ابو قبیس پر منجنیقیں نصب کر کے ان سے کعبۃ اللہ پر لگاتار پتھر برسائے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ پتھروں کی بارش میں بھی اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کے کندھوں اور سر پر آ آکر بیٹھ جاتے تھے۔ محاصرے کی شدت اور خوراک کی قلت سے تنگ آکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے حتیٰ کہ ان کے فرزندوں نے بھی بے وفائی کی اور حجاج کے پاس جاکر امان کے طالب ہوئے لیکن اس بہتّر سال کے بڈھے شیر نے بنو امیہ کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت اسماءؓ کی مزاج پرسی کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ کچھ علیل تھیں۔ گفتگو کے دوران میں حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا "اماں جان موت میں بڑی راحت ہے"۔ بولیں "شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے (کہ ضعیف العمری کے دکھوں سے نجات پا جاؤں) لیکن بیٹے میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر تمہیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھوں سے تمہارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو"۔ اس واقعہ کے دس دن بعد جب گنتی کے صرف چند ساتھی رہ گئے تو وہ آخری بار حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ آپ کی کیا

رائے ہے۔ اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔"

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:

"اے میرے فرزند اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبۂ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلّت برداشت نہ کرو۔ اگر یہ تمہارا کھکھیڑ دنیا طلبی کے لیے تھا تو تم سے بُرا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"

ایک اور روایت میں حضرت اسماءؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"بٹیا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلّت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مرجانا اس سے بہتر ہے کہ ذلّت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا:

"امّاں جان! میں حق و صداقت کے لیے لڑا اور حق و صداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا۔ اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"بٹیا اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بے وفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔"

ابنِ زبیرؓ نے عرض کیا:

"امّاں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مُثلہ کریں گے اور صلیب پر

لٹکائیں گے جس سے آپ کو رنج ہو گا۔"

صدیقِ اکبرؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

"بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کیے جائیں، اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا کر کے اپنا کام کیے جاؤ، راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہو جانا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا۔"

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزا کلمات سُن کر ابنِ زبیرؓ پر رقت طاری ہو گئی اور فرطِ محبت و عقیدت سے انہوں نے اپنی والدہ کا سر چوم لیا۔ پھر عرض کیا:

"اماں جان میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمدللہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بہت بڑھ کر ثابت قدم اور راضی برضا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ صبر و شکر سے کام لیں گی۔ خدا کی قسم میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آج تک میں نے جو کچھ کیا وہ سب حق کو سربلند کرنے کے لیے تھا۔ میں نے کبھی برائی کو پسند نہیں کیا۔ کسی مسلمان پر ظلم نہیں کیا۔ کبھی بدعہدی نہیں کی۔ کبھی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اپنے عمّال کا کڑا محاسبہ کیا اور اپنی حدودِ خلافت میں جہاں تک بن پڑا، عدل جاری کیا۔ لوگوں سے خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرائی اور اعمالِ بد سے انہیں روکا۔ بخدا میں دین کے آگے دُنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں، اللہ کی رضا کے سوا مجھے کوئی شے مطلوب نہیں۔"

پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

"الٰہی میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں بلکہ صرف اپنی والدۂ محترمہ کی تسکین اور اطمینان کے لیے کہی ہیں۔"

حضرت اسماءؓ نے انہیں دُعا دی اور فرمایا:

"بیٹے تم اللہ کی راہ میں جان دو، میں انشاء اللہ صابر و شاکر رہوں گی اب آگے آؤ تاکہ آخری بار تمہیں پیار کر لوں۔"

عبداللہؓ آگے بڑھے، ضعیف العمر ماں نے اپنے لختِ جگر کو گلے لگایا اور ان کا منہ سر چوما۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت اسماءؓ کا ہاتھ ان کی زرہ پر پڑا تو پوچھا: "بیٹے یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟" عرض کیا: "زرہ ہے تاکہ دشمن کے حربوں سے بچاؤ ہو۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا: "بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔"

حضرت عبداللہؓ نے اسی وقت زرہ اتار پھینکی، سر پر سفید رومال باندھ لیا اور ماں سے کہا "اماں جان اب میرے جسم پر معمولی لباس ہے۔" حضرت اسماءؓ نے فرمایا، "بیٹا اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔"

حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے، کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے آخر زخموں سے چور چور ہو کر صدیقِ اکبرؓ کا یہ اولوالعزم نواسہ اور حضرت اسماءؓ کا لختِ جگر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کی خبر سن کر حجاج بن یوسف کو بڑی مسرت ہوئی اور

اُس نے حکم دیا کہ ابنِ زبیرؓ کی لاش کو مقامِ حجون میں سولی پر اُلٹا لٹکا دیا جائے حضرت اسماءؓ کو حجاج کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے اسے پیغام بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے میرے لختِ جگر کی لاش کو دار پر کیوں لٹکایا؟

حجاج نے جواب میں کہلا بھیجا "میں لوگوں کو ابنِ زبیرؓ کے انجام سے عبرت دلانا چاہتا ہوں۔"

حضرت اسماءؓ نے اسے پھر پیغام بھیجا کہ میرے بچے کی لاش میرے حوالے کر دو تاکہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر سکوں۔

سنگ دل حجاج نے صاف انکار کر دیا۔

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کے ایک دو دن بعد حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا مقامِ حجون سے گزر ہوا، ان کی لاش سولی پر لٹکتے دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور اس کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے ابو خُبَیب۔ اَلسَّلامُ عَلَیکَ۔ میں نے تم کو اس (سیاست) میں پڑنے سے منع کیا تھا۔ تم نمازیں پڑھتے تھے۔ روزے رکھتے تھے اور صلۂ رحمی کرتے تھے۔"

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ ایک کنیز کے سہارے مقامِ حجون تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں گشت کر رہا تھا حضرت اسماءؓ کو لوگوں نے حجاج کی موجودگی کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا:

"کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟"

حجاج نے کہا: "وہ ملحد تھا اور اس کی یہی سزا تھی۔"

حضرت اسماءؓ تڑپ اٹھیں، فرمایا "خدا کی قسم وہ ملحد نہ تھا بلکہ نماز گزار، روزہ دار اور مُتّقی تھا۔"

حجاج نے جھلا کر کہا: "بڑھیا یہاں سے چلی جاؤ، تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔"
حضرت اسماءؓ نے بڑی بے باکی سے جواب دیا:

"میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک ظالم (سفّاک) پیدا ہوگا، سو کذّاب (یعنی مختار بن ابو عبید ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم (سفّاک) تو ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کی لاش کے نیچے کھڑے ہو کر ان کی تعریف کی ہے تو اس نے لاش کو اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا اور حضرت اسماءؓ کو بُلا بھیجا انہوں نے اس کے پاس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حجاج نے کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل کرو ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔"
حضرت اسماءؓ نے جواب میں کہلا بھیجا "خدا کی قسم اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا۔"

حجاج اب مجبور ہو کر خود حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچا اور دلآزارانہ لہجے میں کہنے لگا: "اے ذات النّطاقین سچ کہنا خدا کے دشمن کا انجام کیسا ہوا؟"
حضرت اسماءؓ نے فرمایا —— "ہاں تو نے میرے فرزند کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کر دی ہے۔ میں نے سنا ہے تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النّطاقین کہتا تھا، تو خدا کی قسم میں ذات النّطاقین ہوں، میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا توشہ دان اپنے نطاق سے باندھا تھا لیکن میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک سفّاک ہوگا۔ کذّاب کو ہم نے دیکھ لیا۔ سفّاک کا دیکھنا باقی تھا، سو وہ تُو ہے۔"
حجاج حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر سکتے میں آگیا اور کان دبا کر دہاں

سے چل دیا۔

شبلی نعمانیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت اور حضرت اسماءؓ کی جرأتِ ایمانی اور صبر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ
سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ
جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار

حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ
فوجِ بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد
بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو اڑ اڑ کے غبار

تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود
ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا ایک گنج مزار

جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا
ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زبیرؓ آخرکار

جا کے عرض کی کہ اے اختِ حریم نبوی
نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار

آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرماں بردار

صلح کر لوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار

بولیں وہ پردہ نشینِ حرمِ سترِ عفاف
حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجب عار

یہ زمیں ہے وہی قرباں گہِ اسمٰعیلی
فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باآداب و نیاز
آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں
جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم
ایک پتھر نے کیا آ کے سر و رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پہ تو کہا از رہِ فخر
یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم
خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار

زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک
آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن | ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں | دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

حضرت اسماءؓ جب حجّاج بن یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے لختِ جگر کی لاش ان کے حوالے نہیں کرے گا تو انہوں نے کسی ذریعہ سے عبدالملک کو دمشق پیغام بھجوایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابنِ زبیرؓ کے بھائی عروہ بن زبیرؓ محاصرۂ مکّہ کے دوران میں آخر وقت تک ان کے ساتھ تھے۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے اور حجّاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوادی تو وہ مکّہ سے پوشیدہ طور پر عبدالملک کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ عروہؓ سے بڑی محبت اور تکریم سے پیش آیا اور تخت پر اپنے پاس جگہ دی۔ عروہؓ نے اسے مکّہ کے سارے حالات بتائے اور اس سے درخواست کی کہ حجّاج کو ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم بھیجے۔ عبدالملک نے اسی وقت حجّاج کو ایک غضب آلود خط لکھا جس میں اس کی حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت ابنِ زبیرؓ کی لاش فوراً حضرت اسماءؓ کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ عبدالملک کا خط پہنچنے پر حجّاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کر دی۔

ابنِ ابی ملیکہؒ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماءؓ کو ابن زبیرؓ کی لاش ان کے حوالے کیے جانے کی بشارت دی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اسے غسل دو۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا، ہم ایک ایک حصّۂ بدن کو غسل دے کر کفن میں لپیٹتے جاتے تھے۔ جب سارے اعضاء کا غسل ہو چکا تو حضرت اسماءؓ نے اپنے لختِ جگر کے لیے دُعائے مغفرت کی پھر ہم

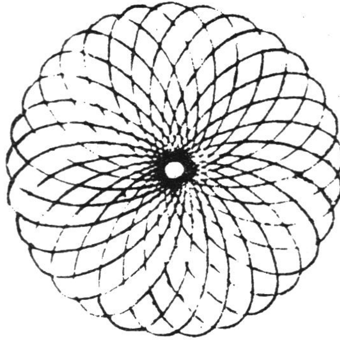
نے جنازہ پڑھ کر ابن زبیرؓ کو مقامِ حجون میں سپردِ خاک کر دیا۔ اس سے پہلے حضرت اسماءؓ فرمایا کرتی تھیں کہ الٰہی مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں اپنے فرزند کا جُثّہ کفنا دفنا کر مطمئن نہ ہو جاؤں۔ اس واقعہ کے سات دن (یا بعض روایتوں کے مطابق بیس دن یا سو دن) کے بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیکِ اجل کو لبّیک کہا۔ وفات کے وقت ان کی عمر سّو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے دانت سلامت تھے اور ہوش و حواس بالکل درست تھے۔ قد دراز اور جسم فربہ تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اخیر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لیے عبداللہؓ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت بچشمِ خود نہیں دیکھا بلکہ ٹٹول ٹٹول کر یا پوچھ پوچھ کر ہر کیفیت سے آگاہ ہوتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ سے حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا کی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہؓ، عروہؒ، منذرؒ مہاجرؒ، عاصمؒ۔ خدیجۃ الکبریٰؒ، ام الحسنؒ اور عائشہؒ۔

حضرت اسماءؓ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ ان سے چھپّن (۵۶) احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؒ، ابوبکرؒ، عباد و عامر پسرانِ عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عامرؒ، عبداللہ بن کیسانؒ، فاطمہ بنتِ منذر بن زبیرؒ، محمدؒ بن منکدر ابنِ ابی ملیکہؒ، وہب بن کیسانؒ، مُطّلب بن حنطبؒ، ابو نوفل ابن ابو عقربؒ، مسلم معریؒ، صفیہ بنتِ شیبہؒ اور عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؒ شامل ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی طویل زندگی میں زمانے کے بے شمار نشیب و فراز دیکھے وہ تاریخِ اسلام کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اور پورا دورِ رسالت اور خلفائے راشدینؓ کا عہدِ باسعادت بھی

دیکھا، اپنے عظیم المرتبت فرزند کا دَورِ عروج بھی دیکھا اور ان کی المناک شہادت کا منظر بھی دیکھا۔ ان پر بارہا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن انہوں نے ہر موقع پر بے پناہ عزم و استقلال اور جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا ——— بلاشبہ وہ تاریخِ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں اور ان کا درخشندہ و تابندہ کردار مسلمانوں کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بنا رہے گا۔



اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا

عائشہ نام۔ صدّیقہ اور حمیرا لقب۔ اُمّ عبداللہ کنیت۔ قریش کے خاندان بنو تیم سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عائشہ بنتِ ابُوبکر صدّیق رضؓ بن ابی قُحافہ رضؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ بن کعب بن لوئیؒ۔

والدہ کا نام اُمِّ رومان رضؓ بنتِ عامر تھا اور وہ بھی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ عام روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضؓ بعثتِ نبویؐ کے چار سال بعد ماہِ شوّال میں پیدا ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدّیقہ رضؓ کا زمانہ طفولیّت صدّیق اکبر رضؓ جیسے جلیل القدر باپ کے زیرِ سایہ بسر ہوا۔ وہ بچپن ہی سے بےحد ذہین اور ہوشمند تھیں اور اپنے بچپن کی تمام باتیں انھیں یاد تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی۔

بچپن میں ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم پاس سے گزرے۔ ننھی عائشہ رضؓ کی گڑیوں میں ایک پَردار گھوڑا بھی تھا۔ حضورؐ نے پوچھا، "عائشہ یہ کیا ہے؟" جواب دیا۔ "گھوڑا ہے" حضورؐ نے فرمایا۔ گھوڑوں کے تو پَر نہیں ہوتے۔ انھوں نے بے ساختہ کہا، "کیوں یارسول اللہؐ! حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پَر تھے۔" حضورؐ نے یہ جواب سن کر تبسّم فرمایا:

امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ جب آیۃ بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَ اَمَرّ (سورہ قمر) مکّہ میں نازل ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کھیل کود میں

مشغول تھیں۔

حضورؐ کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت عائشہؓ کی نسبت جبیر بن مطعم کے بیٹے (یا بروایتِ دیگر خود جبیر بن مطعم) سے ہوئی تھی مگر ان لوگوں نے یہ نسبت اس لیے فسخ کر دی کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ اور ان کے اہلِ خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت خولہؓ بنتِ حکیم کی تحریک پر حضورؐ نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ کو حضرت عائشہؓ کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ بولے بھائی تھے۔ تعجب سے پوچھا، "کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے؟" خولہؓ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا، "ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں اور ایسے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔" جناب صدیق اکبرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کون سی بات تھی کہ بیٹی رحمۃٌ للعالمینؐ کے نکاح میں آئے۔ فوراً راضی ہو گئے۔ ——— چنانچہ چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ ہجرت سے تین سال (یا بروایتِ دیگر ایک سال) قبل ماہ شوّال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ نکاح میں آگئیں۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے خود نکاح پڑھایا۔ پانچ صد درہم حق مہر مقرر ہوا۔

ایک دفعہ شوّال کے مہینے میں عرب میں طاعون کی خوفناک وبا پھیلی تھی جس نے ہزاروں گھرانوں کو ویران کر دیا تھا اس وقت سے شوّال کا مہینہ اہلِ عرب میں منحوس سمجھا جاتا تھا اور وہ اس مہینے میں خوشی کی تقریب کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح بھی شوّال میں ہوا اور رخصتی بھی چند سال بعد شوّال ہی میں ہوئی۔ اس وقت سے ماہِ شوّال کی نحوست کا وہم لوگوں کے دلوں سے دُور ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بشارت حضورؐ کو خواب میں ہو چکی تھی۔ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ریشم میں لپٹی ہوئی کوئی چیز آپؐ کو دکھا رہا ہے اور کہتا ہے،

"یہ آپؐ کی ہے۔" آپؐ نے کھولا تو حضرت عائشہؓ تھیں۔

حضرت عائشہؓ کا نکاح انتہائی سادگی سے ہوا —————— ۵ و

فرماتی تھیں: —

"جب رسول اللہؐ نے مجھ سے نکاح فرمایا تو میں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ مجھے اس نکاح کا حال تک معلوم نہ ہوا تا آنکہ میری والدہ نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔"

حضرت عائشہؓ پیدائشی مسلمان تھیں، ان سے روایت ہے کہ "جب میں نے اپنے والدین کو پہچانا انھیں مسلمان پایا۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر روزِ ازل سے کفر و شرک کا سایہ تک نہ پڑا۔

سنہ ۱۳ بعد بعثت میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ پہنچ کر سرورِ کائناتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ، ابو رافعؓ اور عبداللہ بن اُریقط کو اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکے بھیجا۔ واپسی پر حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ، حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ، اُمِ ایمنؓ اور اسامہؓ بن زید تھے اور عبداللہ بن اُریقط کے ہمراہ عبداللہ بن ابوبکرؓ، اُمِ رومانؓ، عائشہ صدیقہؓ اور اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ محلہ بنو حارث بن خزرج میں اپنے والدِ محترم کے گھر اتریں۔ مدینہ کی آب و ہوا شروع شروع میں مہاجرین کو موافق نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سخت بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نہایت تندہی سے ان کی تیمارداری کی۔ جب وہ صحت یاب ہوئے تو خود بیمار ہو گئیں۔ مرض کا حملہ اتنا شدید

تھا کہ سر کے بال گر گئے تاہم جان بچ گئی۔ جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ عائشہؓ کو آپ رخصت کیوں نہیں کرا لیتے"۔ فرمایا "فی الحال میرے پاس مہر نہیں ہے"۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے پاس سے پانچ سو درہم حضورؐ کی خدمت میں بطور قرض حسنہ پیش کیے، جو آپؐ نے قبول فرما لیے اور دہی حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج کر انھیں شوّال سنہ ۱ ہجری (یا بروایت دیگر سنہ ۲ھ) میں رخصت کرا لیا۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر نو سال کی تھی۔ بعض جدید سیرت نگار اس طرف گئے ہیں کہ رخصتانے کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سترہ (یا ۲۷) برس کے لگ بھگ تھی۔

سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ جب ایک اتّفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور حضورؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو مدینہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطّلب، سیّدۃ النّساء حضرت فاطمۃ الزّہراءؓ اور دوسری خواتین اسلام دیوانہ وار میدانِ جنگ کی طرف لپکیں۔ وہاں پہنچ کر حضورؐ کو سلامت دیکھا تو سجدۂ شکر بجا لائیں۔ ان سب نے مل کر حضورؐ کے زخموں کو دھویا اور پھر مشکیزے سنبھال کر زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔ جب دوسرے صحابۂ کرامؓ جو اِدھر اُدھر منتشر تھے حضورؐ کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے تو مدینہ واپس تشریف لائیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بعض دوسری خواتین کے ہمراہ مدینہ منوّرہ ہی سے لشکرِ اسلام کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئی تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا تو وہ اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ غزوۂ خندق میں بھی

قلعہ سے باہر نکل کر لقشہ سبنگ دیکھا کرتی تھیں۔ حضورؐ سے دوسری لڑائیوں میں بھی شریک ہونے کی اجازت چاہی تھی لیکن نہ ملی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ فطری طور پر نہایت دلیر اور نڈر تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیاتِ مبارکہ کے چار واقعات بے حد اہم ہیں۔ اِفک، ایلا، تحریم اور تخییر۔

۱۔ واقعۂ اِفک

اِفک کا واقعہ یوں پیش آیا کہ غزوۂ بنو مُصطلق کے سفر میں حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رات کو قافلے نے قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دُور نکل گئیں، وہاں ان کے گلے کا ہار جو وہ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے مانگ کر لائی تھیں، بے خبری کے عالم میں گر گیا، واپسی پر پتہ چلا تو بہت مضطرب ہوئیں، پھر اسی سمت واپس لوٹیں۔ خیال کیا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی۔ جب ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ بہت گھبرائیں، ناتجربہ کاری کی عمر تھی۔ چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوانؓ بن معطل ایک صحابی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلہ میں قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان لیا کیونکہ بچپن میں (یا حکمِ حجاب سے پہلے) انھیں دیکھا ہوا تھا، ان سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا، جب واقعہ معلوم ہوا تو ہمدردی کا اظہار کیا، پھر اُمّ المؤمنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبَی کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے حضرت صدیقہؓ کے متعلق مشہور کر دیا کہ وہ اب باعصمت نہیں رہیں۔

چند سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ جناب رسالت مآبؐ کو بھی قدرتاً تشویش پیدا ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ناحق کی بدنامی کے صدمے سے بیمار ہو گئیں۔ اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور آیۂ برادت نازل ہوئی:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ (سورۂ نور، آیہ ۱۲)

"جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔"

آیۂ برادت کے نزول سے دشمنوں کے منہ سیاہ ہو گئے اور سادہ لوح مسلمان جو غلط فہمی کا شکار تھے سخت شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے معافی مانگی۔ حضرت عائشہؓ اور اُن کے والدین کو قدرتاً بے حد مسرت ہوئی، عائشہ صدیقہؓ کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا "میں صرف اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں۔"

۲۔ واقعۂ تحریم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ازواجِ مطہراتؓ کے پاس تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے، ایک دفعہ حضرت زینبؓ بنت جحش کے پاس زیادہ دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔ انھوں نے تجسس کیا تو معلوم ہوا کہ حضورؐ نے زینبؓ کے ہاں شہد کھایا ہے جو انھیں کسی نے تحفہ کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ جب حضورؐ ہمارے اور تمہارے گھر تشریف لائیں تو کہنا چاہیے کہ یا رسول اللہؐ کیا آپ نے مغافیر کا شہد کھایا ہے۔ (مغافیر ایک پھول ہوتا ہے

جیسے شہد کی مکھی چوستی ہے۔ اس میں قدرے بُو ہوتی ہے اور آقائے دو جہاںؐ کو ہر قسم کی بُو ناپسند تھی) جب حضورؐ فرمائیں گے کہ زینبؓ نے شہد پلایا ہے تو تم کہنا شاید یہ شہد عرفط کی مکھی کا ہے۔ جب حضورؐ حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لائے تو یہی سوال وجواب ہوئے اور پھر جب حضرت صفیہؓ اور عائشہؓ نے بھی یہی گفتگو دہرائی، تو حضورؐ کی طبیعت مبارک میں تکدّر پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آپؐ پھر حضرت زینبؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور انھوں نے حسب معمول شہد پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا۔"

اس پر آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ

"اے نبی تم اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔" (سورۂ تحریم)

۳۔ واقعۂ ایلا

ازواج مطہراتؓ کے لیے غلہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی وہ ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھی اور وہ تنگدستی سے گزر اوقات کرتی تھیں، ادھر اموالِ غنیمت اور سالانہ محاصل میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ازواجِ مطہّراتؓ نے اپنے مقررہ گزارہ میں اضافہ کی خواہش کی۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سمجھا کر اس مطالبہ سے باز رکھا لیکن دوسری ازواجؓ اس مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتّفاق سے اسی زمانہ میں حضورؐ گھوڑے سے گر پڑے اور پہلوئے مبارک میں چوٹ لگی۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متّصل ایک بالاخانے پر قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہّراتؓ سے نہ ملیں گے۔ منافقین

ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے، انھوں نے مشہور کردیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ تمام صحابہ کرامؓ یہ خبر سُن کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے تھے اور جسمِ اطہر پر بان کے نشان بن گئے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ حضورؐ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا: "یارسول اللہؐ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟" فرمایا۔ "نہیں" جناب عمر فاروقؓ نے یہ خوشخبری تمام لوگوں کو سنا دی۔ اس پر تمام مسلمانوں اور ازواجِ مُطہّراتؓ میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، "میں ایک ایک دن گنتی تھی، انتیسویں دن حضورؐ بالا خانے سے اتر کر سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ آپؐ نے ایک مہینہ کا عہد فرمایا تھا اور آج انتیس دن ہوئے ہیں۔" فرمایا، "مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔"

۴۔ واقعۂ تخییر

واقعۂ ایلاء کے بعد ایک دن حضورؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، "عائشہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کرکے دو تو بہتر ہوگا۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہؐ وہ کیا بات ہے۔" حضورؐ نے سورۂ احزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۝

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

"اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم کو دُنیوی زندگی اور اس کی رونق درکار ہے تو آؤ تم کو کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر پسند ہے تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے اُن کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ اس میں والدین کے مشورہ کی کیا ضرورت! میں تو اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہوں۔" حضورؐ نے یہ جواب پسند فرمایا۔ یہی بات جب دوسری ازواجؓ سے پوچھی تو انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

سیّد الانامؐ کو حضرت عائشہؓ بے حد محبوب تھیں۔ مسندِ ابو داؤد میں روایت ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے:

"اے باری تعالیٰ یوں تو میں سب بیویوں سے برابر کا سلوک کرتا ہوں مگر دل میرے بس میں نہیں کہ وہ عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے، یا اللہ اسے معاف فرمانا۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت میں بہت اہتمام فرماتے تھے اور اپنی مسواک بار بار دُھلوایا کرتے تھے۔ اس خدمت کی انجام دہی حضرت عائشہؓ ہی کے سپرد تھی۔ حضرت عائشہؓ حضورؐ پر جان چھڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ آپؐ رات کے وقت اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے، جب حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھُلی اور حضورؐ کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں، دیوانہ وار اٹھیں اور ادھر ادھر اندھیرے میں ٹٹولنے

لگیں۔ آخر ایک جگہ حضورؐ کا قدم مبارک ملا، دیکھا تو آپؐ سربسجود یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ اس وقت انہیں اطمینان ہوا۔

ایک دفعہ حضورؐ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کی: "یارسول اللہؐ اس پر دھبے نظر آتے ہیں۔" آپؐ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہ نے کٹوڑے میں پانی منگایا۔ خود اپنے ہاتھ سے داغ دھوئے۔ اس کے بعد کمبل خشک کر کے آپؐ کی خدمت میں واپس بھیجا۔

جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے یا احرام کھولتے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ جسمِ مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کی تلاش میں چند صحابہؓ کو بھیجا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت آ گیا۔ دُور دُور تک پانی نہیں تھا اس لیے لوگوں نے بغیر وضو نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضورؐ سے ماجرا بیان کیا۔ اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی۔ حضرت اُسیدؓ بن حُضیر نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بہت بڑی فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

اُمّ المؤمنین خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے آپ کو نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ازدواجی زندگی کے نو۹ برس گزر گئے تو آقائے دوجہاںؐ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضورؐ تیرہ۱۳ دن علیل رہے۔ ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواجؓ کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔ شدتِ مرض میں کمزوری کی وجہ سے حضورؐ اپنی مسواک حضرت عائشہؓ کو دیتے

وہ اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرتیں اور پھر حضورؐ استعمال فرماتے۔

۹ یا ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت حضورؐ کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سینہ پر رکھا ہوا تھا اور پھر انہیں کے حجرۂ مبارک کو حضورؐ کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

رحلتِ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۴۸ برس انہوں نے عالمِ بیوگی میں بسر کیے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالمِ اسلام کے لیے رُشد و ہدایت، علم و فضل اور خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔ ان سے (۲۲۱۰) دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔ یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ معلوم تھا۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ میں نے قرآن و حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الانساب میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

احنفؓ بن قیس اور موسیٰؒ بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر ہم نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ بلیغ، زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔

کتبِ سیر میں متعدد روایتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ

کو دینی علوم کے علاوہ طِب، تاریخ اور شعر و ادب میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کا پایۂ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہلِ سیر کے نزدیک علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات و ارشادات کی نشر و اشاعت کے اعتبار سے صدیقۂ کبریٰؓ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں "محسنۂ اُمّت" کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تلامذہ اور مستفیدین کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے جن میں متعدد اکابر صحابہؓ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، فقیہ الامۃ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت بریرہؓ، عروہؒ بن زبیرؓ، قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ، ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؓ، مسروقؒ بن اجدع، معاذہؒ بنت عبداللہ العدویہ، صفیہؒ بنت شیبہ، عمرہؒ بنت عبدالرحمٰنؓ، عائشہؒ بنت طلحہؓ، امام نخعیؒ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو روایت کرتیں اکثر اس کا پس منظر اور اسباب و علل بھی بیان کر دیتیں۔ جو توجیہہ آپؓ کرتیں اسے باور کرنے کے لیے دور از کار تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ کورانہ تقلید پسند نہ کرتیں، ہمیشہ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال و افعال کی حقیقی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتیں۔ محدثین نے متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دوسرے صحابہؓ سے اختلاف کیا ہے۔

ان میں سے کچھ روایات یہ ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے کسی نے بیان کیا کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ تین چیزیں نجس ہیں، عورت، گھر اور گھوڑا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ابوہریرہؓ نے آدھی بات سنی۔ جب ابوہریرہؓ آئے تو نبی کریمؐ پہلا فقرہ فرما چکے تھے وہ یہ کہ "یہودی کہتے ہیں، نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت، گھر اور گھوڑا۔"

حضرت عمر فاروقؓ سے ایک روایت سماعِ موتیٰ[1] (فوت شدگان کا سننا) کے متعلق ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے پر فرمایا:

"وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔"

جب حضرت عائشہؓ نے اس روایت کو سُنا تو فرمایا، عمرؓ سے سننے میں غلطی ہوئی۔ رسول اللہ کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ قرآن میں اس کے خلاف نصِ صریح موجود ہے کہ

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (سورۂ روم)

"آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔"

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (سورۂ فاطر)

"اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں۔"[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے تھے کہ "مُردے پر اہلِ خانہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔" جب حضرت عائشہؓ نے یہ روایت سُنی تو اس کے ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا حقیقتِ حال یہ ہے کہ

---

[1] بعض علماء کرام سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں کیونکہ ان کی رائے میں ان آیات سے سماعِ موتیٰ کی عمومی نفی نہیں ہوتی۔ بہر صورت یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک یہودیہ کے جنازے پر گزرے۔ اس کے عزیز واقارب رو رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ لوگ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے (یعنی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت رہی ہے) اس کے بعد فرمایا کہ کلامِ مجید میں واضح ارشاد ہے:

"کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

حضرت ابو سعید خُدریؓ ایک جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ جب ان کا وقتِ وفات قریب آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ:

"حضور نبیِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرے گا اسی میں اٹھایا جائے گا۔"

حضرت عائشہؓ نے سن کر فرمایا: خدا ابو سعیدؓ پر رحم کرے۔ لباس سے حضورؐ کی مراد اعمال تھے۔"

حضرت عمرِ فاروقؓ سے روایت ہے کہ "حضورؐ کا ارشاد ہے نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سُنّت بھی جائز نہیں۔" بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ روایت سُنی تو فرمایا: "عمرؓ کو وہم ہوا، حضورؐ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کو تاک کر نماز نہ پڑھے (یعنی آفتاب پرستی کا شُبہ نہ ہو۔)

فضائلِ اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رتبہ بہت بلند تھا وہ بے حد فیاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے اسی وقت سب رقم غریبوں مسکینوں میں تقسیم کر دی۔ اس دن روزے سے تھیں۔ شام ہوئی تو خادمہ نے کہا: "اُمّ المؤمنین کیا اچھا ہوتا آپ نے اس رقم سے کچھ گوشت ہی افطار کے لیے خرید لیا ہوتا۔" فرمایا

"تم نے یاد دلایا ہوتا۔"

حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ستّر ہزار کی رقم آئی۔ انہوں نے ان (عروہ) کے سامنے کھڑے کھڑے ساری رقم راہِ خدا میں دے دی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی۔ انہوں نے لونڈی کو حکم دیا کہ یہ روٹی سائلہ کو دے دو۔ لونڈی نے کہا، شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا، یہ تو اس کو دے دو۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت ہدیتًہ بھیج دیا۔ لونڈی نے فرمایا، دیکھو اللہ نے روٹی سے بہتر چیز بھیج دی ہے۔

اُمّ المؤمنینؓ کی فیّاضی کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے بھانجے اور منہ بولے بیٹے تھے، اکثر ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ خالہ کی فیّاضیوں کو دیکھتے دیکھتے ایک دفعہ وہ بھی گھبرا گئے اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئیں اور قسم کھالی کہ اب ابنِ زبیرؓ سے کبھی نہ بولیں گی۔ ان کے ترکِ کلام نے طول پکڑا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بہت گھبرائے اور بڑی مشکل سے حضرت مِسوَرؓ بن مخرمہ اور عبدالرحمٰنؓ بن اسود کو بیچ میں ڈال کر اپنا قصور معاف کرایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی قسم توڑنے کے کفّارہ میں چالیس غلام آزاد کیے۔ انہیں جب یہ واقعہ یاد آتا تو روتے روتے آنچل تر ہو جاتا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے رہنے کا مکان امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، انہیں جو قیمت ملی وہ سب راہِ خدا میں دے ڈالی۔

اُمّ المؤمنینؓ دن رات کا زیادہ حصہ عبادت میں یا لوگوں کو مسائل بتانے میں صرف کرتی تھیں۔ ان کا دل مہر و محبت اور عفو و شفقت کا خزینہ تھا۔ دشمنوں اور مخالفوں تک کو معاف کر دیتیں۔ مشہور شاعر صحابی حضرت حسّانؓ بن ثابت نے واقعۂ افک میں غلط فہمی کی بنا پر حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی تھی حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کا بہت رنج تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے حضرت حسّانؓ بن ثابت کو معاف کر دیا تھا اور ان کی بہت عزت کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعض رشتہ دار حضرت حسّانؓ کو واقعۂ افک میں شرکت کی وجہ سے بُرا کہنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ ان کو بُرا مت کہو، یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شعرائے قریش کو جواب دیتے تھے۔

معاویہ بن خدیج نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کر دیا تھا اس لیے وہ ان سے کبیدہ خاطر تھیں لیکن جب انھوں نے سُنا کہ میدانِ جہاد میں معاویہ کا سلوک اپنے ماتحتوں کے ساتھ بہت اچھا ہوتا ہے۔ کسی کا جانور مر جائے تو اسے اپنا جانور دے دیتے ہیں، کسی کا غلام بھاگ جائے تو اسے اپنا غلام دے دیتے ہیں اور سب لوگ ان سے راضی ہیں تو فرمایا:

"استغفر اللہ جس شخص میں یہ اوصاف ہوں میں اس سے اس بناء پر ناراض نہیں رہ سکتی کہ وہ میرے بھائی کا قاتل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ دعا مانگتے سنا ہے کہ "خداوندا جو شخص میری اُمّت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، جو اس کے ساتھ سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر"۔

اُمّ المؤمنینؓ کو غیبت اور بدگوئی سے سخت اجتناب تھا۔ ان سے مروی کسی حدیث میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ وسعتِ قلب کا

یہ عالم تھا کہ اپنی سوکنوں کی خوبیاں اور مناقب خوش دلی سے بیان کرتی تھیں۔

دل میں حد درجہ کا خوف خدا تھا۔ بعض اوقات عبرت پذیری کی کوئی بات یاد آجاتی تو بے اختیار رونے لگتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا نہ آتا ہو، ان کے ایک شاگرد نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا، مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہؐ نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم انہوںؐ نے کبھی دن میں دو بار بھی سیر ہو کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ فرض نمازوں کے علاوہ سُنتیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں۔ تہجّد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی بڑی کثرت سے رکھتی تھیں بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں۔ حج کی شدّت سے پابند تھیں۔ کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں۔ ایّامِ حج میں ان کا خیمہ کوہِ حرا اور ثبیر کے درمیان نصب ہوتا، وہاں وہ حلقۂ درس قائم کرتیں اور تشنگانِ علم جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل پوچھتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابُوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ان کی بیعتِ خلافت کے بعد ازواجِ مطہراتؓ نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر حضرت ابُوبکرؓ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں۔ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا کہ میرا کوئی وارث نہ ہوگا اور میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے۔ یہ سن کر سب خاموش ہوگئیں۔ چنانچہ حضورؐ ازواجِ مطہراتؓ کے مصارف جس جائداد سے ادا فرمایا کرتے تھے، صدیقِ اکبرؓ بھی اپنے عہدِ خلافت میں یہ مصارف

اسی جائداد سے ادا کرتے رہے۔

۱۳ھ ہجری میں حضرت عائشہؓ سایۂ پدری سے بھی محروم ہوگئیں اور عہدِ فاروقی کا آغاز ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تمام ازواجِ مطہراتؓ کا دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا البتہ امام حاکمؒ کے قول کے مطابق حضرت عائشہؓ کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیئے جاتے تھے۔ اس کی وجہ حضرت عمرؓ یہ بیان فرماتے تھے کہ وہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت محبوب تھیں۔

جب عراق فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ایک موتیوں کی ڈبیہ بھی فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ انہوں نے لوگوں سے اجازت لے کر اسے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اُم المؤمنینؓ نے فرمایا:

"اے خدا عمرؓ نے حضورؐ کے بعد مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں آئندہ مجھے ان کے عطیات کے لیے زندہ نہ رکھنا"

جب حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو اُم المؤمنینؓ کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "یہ جگہ میں نے اپنی تدفین کے لیے رکھی تھی لیکن عمرؓ کی خاطر آج میں اس سے دست بردار ہوتی ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ عدیم المثال ایثار ہی تھا کہ آج فاروقِ اعظمؓ سرورِ کونینؐ کے پہلوئے اقدس میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ خلیفہ ہوئے۔ ان کے عہدِ خلافت میں اُمتِ مسلمہ میں خوفناک فتنوں اور سازشوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا۔ تین دن کے بھوکے پیاسے ضعیف العمر

امیرالمومنینؓ کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ظالموں نے جس شقاوت سے شہید کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دل اس سے خون ہو گیا۔ چنانچہ خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں بعض صحابۂ کرامؓ اور دوسرے مسلمانوں کا ایک گروہ قصاصِ عثمانؓ کے لیے اٹھا۔ اس جماعت میں حضرت زبیرؓ بن العوام (حواریِ رسولؐ) اور حضرت طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بے حد قلق تھا اس لیے وہ نیک نیتی کے ساتھ اس جماعت کے ساتھ ہو گئیں۔ اس جماعت کا خیال تھا کہ قاتلانِ عثمانؓ میں سے بعض لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پناہ میں ہیں۔ اُدھر حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ جب تک کامل تحقیق کے بعد قاتلوں کا پتہ نہ چل جائے ان پر حد جاری کرنا ممکن نہیں۔ اس اختلاف کی بنا پر جنگِ جمل کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ اصلاحِ احوال کے لیے اپنی جماعت کے ہمراہ بصرہ گئیں۔ بدقسمتی سے وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آ گئی۔ اس جنگ میں طرفین کا شدید جانی نقصان ہوا تاہم حضرت علیؓ جنگ میں غالب آئے۔ انھوں نے اُمّ المومنینؓ کو نہایت احترام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب بھی یہ جنگ یاد آتی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں اور فرمایا کرتیں:

"کاش میں آج سے بیس برس پہلے معدوم ہو چکی ہوتی۔"

سنہ ۴۰ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ میں شہادت پائی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کوفہ سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور انہوں نے اہلِ عراق کی حضرت علیؓ پر الزام تراشی اور ان کے واقعۂ شہادت کی تفصیل بیان کی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحمت بھیجے، ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی

کہتے صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ ۔ اہلِ عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے ہیں اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں ۔ (مُسندِ احمدؒ)

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں صدیقۂ کبریٰؓ کا بے انتہا اعزاز و اکرام کیا تاہم اُمّ المومنینؓ کو کسی معاملہ میں ان سے اختلاف ہوتا تو وہ برملا اس کا اظہار کرتیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً اٹھارہ سال امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں بسر کیے ۔ یہ پورا زمانہ اُمّ المومنینؓ نے جزئی اوقات کے سوا خاموشی میں گزارا۔ اوائل رمضان ۵۸ھ میں محسنۂ اُمّت بیمار ہوئیں اور چند روز کی علالت کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ (۱۳ جون ۶۷۸ء) کو نمازِ وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے رات کے وقت کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی اور وصیت کے مطابق جنّت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ ان کے انتقال کی خبر پھیلی تو تمام عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، انہوں نے اپنی کنیت "اُمّ عبداللہ" سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنے بھانجے "عبداللہ بن زبیرؓ" کے نام پر رکھی تھی۔

کتبِ سِیَر میں بے شمار ایسی روایات ہیں جن میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل و مناقب تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان میں چند مخصوص فضائل ایسے ہیں جن کی بنا پر وہ تمام صحابہؓ اور صحابیاتؓ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ بروایت قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں فخر نہیں کرتی بطورِ واقعہ کے کہتی ہوں کہ اللہ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں۔

۱۔ صرف میں ہی کنوار پن میں حضورؐ کے نکاح میں آئی۔
۲۔ جبریلؑ امین میری شکل میں حضورؐ سے ملے اور کہا کہ عائشہؓ سے شادی کر لیجیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آیت براءت نازل فرمائی۔
۴ میرے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں۔
۵۔ میں حضورؐ کے سامنے ہوتی اور حضورؐ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔
۶۔ میں اور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔
۷۔ نزولِ وحی کے وقت ازواج میں سے صرف میں آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔
۸۔ جس دن میری باری تھی اسی دن رسولؐ اللہ نے رحلت فرمائی۔
۹۔ جب سرورِ کائناتؐ کی روحِ پاک نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی تو حضورؐ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔
۱۰۔ میرے ہی حجرہ کو رحمۃ" للعالمینؐ کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔
۱۱۔ میں نے جبریلؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ ان تینوں کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کے اعتبار سے جو درجۂ فضیلت حاصل ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "عائشہؓ کو عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح شوربے میں ملی ہوئی روٹی (ثرید) کو کھانوں کے دوسرے اقسام پر"۔

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکر صدیقؓ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی معیت میں ہجرت کے مبارک سفر کا آغاز فرمایا تو پہلے تین شب و روز آپؐ غارِ ثور میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران میں ہر روز جب شب کا اندھیرا گہرا ہو جاتا تو کسرتی بدن کے ایک خوبرو نوجوان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قریشِ مکہ کی دن بھر کی تمام کارروائیوں سے آپؐ کو مطلع کرتے اور پھر وہیں غار میں پڑ رہتے۔ آخرِ شب میں چپکے سے اٹھتے اور مکہ جا کر قریش میں گھُل مِل جاتے۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ اگر مشرکینِ مکہ کو اس نوجوان پر مخبری کا ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا تو شاید وہ اُن کو زندہ نہ چھوڑتے۔ یہ سعادت مند نوجوان جنھوں نے ہجرت کے موقع پر اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و خدمت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لختِ جگر حضرت عبداللہؓ تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکر صدیقؓ (بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب، بن سعد بن تیم بن کعب بن لوئی بن غالب) ذات النطاقین حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ کے برادرِ حقیقی تھے۔ ماں کا نام قُتَیلہ (مصغر) بنت عبدالعزیٰ تھا جو قبیلہ بنی عامر بن لوئی سے تھیں۔ وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ اہلِ سیر نے حضرت عبداللہؓ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ

ہجرتِ نبوی کے وقت وہ نوجوان تھے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دوسرے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ تو صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے ــــــ لیکن حضرت عبداللہؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اوائلِ بعثت ہی میں بادۂ توحید سے مخمور ہو گئے اور یوں سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شمار ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار اور ذی فہم نوجوان تھے۔ ہجرت کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں تاکید فرمائی کہ وہ قریش کے ارادوں اور مشوروں سے انہیں برابر آگاہ کرتے رہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ خدمت بخوشی اپنے ذمہ لی اور اس کو بطریق احسن بڑی رازداری کے ساتھ نباہا۔ وہ دن بھر مشرکین قریش کے منصوبوں کا کھوج لگایا کرتے اور رات کو غارِ ثور میں پہنچ کر تمام خبروں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آگاہ کر دیتے اور پھر وہیں سو جاتے۔ طلوعِ فجر سے پہلے اٹھ کھڑے ہوتے اور خاموشی سے مکہ واپس آجاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ روزانہ رات کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدِ ماجد کے لیے کھانا بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ علامہ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ ہر رات حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تازہ کھانا بھی پہنچاتی رہیں۔ اس روایت سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ہاتھ کھانا بھیجتی تھیں۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابورافعؓ کو مکے بھیجا تاکہ وہ آپؐ کے اہل و عیال اور متعلقین کو وہاں سے مدینہ منورہ لے آئیں۔ ان دونوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اُریقط کو اپنے فرزند عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی (سوتیلی) والدہ اُمِّ رومانؓ

اور بہنوں (حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ) کو لے آئیں چنانچہ حضرت زیدؓ بن حارثہ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، حضورؐ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کو اور اپنی اہلیہ حضرت اُمّ ایمنؓ اور فرزند اسامہؓ کو لے آئے، اور حضرت عبداللہؓ، حضرت اُمّ رومانؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ صحیح بخاری اور مسندِ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ کے اہل وعیال مسجدِ نبوی سے ملحقہ نو تعمیر حجروں میں فروکش ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے مکان میں قیام کیا۔

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ کی شادی جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن زیدؓ کی ہمشیرہ عاتکہؓ بنتِ زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی تھی۔ وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں اور نہایت حسین وجمیل اور عاقلہ وفاضلہ خاتون تھیں۔

ابن اثیر جزریؒ نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ترکِ جہاد سے سخت آزردہ تھے۔ چونکہ حضرت عاتکہؓ نے حضرت عبداللہؓ کو جہاد پر جانے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ عاتکہؓ کو طلاق دے دیں۔ پہلے تو وہ کچھ عرصہ ٹالتے رہے لیکن جب والدِ ماجد کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو انہوں نے اطاعتِ والدین کے حکمِ الٰہی کے مطابق طلاق دے دی اور یہ اشعار کہے:

اعاتک لا انساک ماذر شارق وماناح قمری الحمام المطوق

(اے عاتکہ جب تک سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا)

اعاتک قلبی کل یوم و لیلۃ الیک بما تخفی النفوس معلق

(اے عاتکہ میرا دل شب و روز بصد ہزار تمنّا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے)

و لم ار مثلی طلق الیوم مثلھا و لا مثلھا فی غیر جرم تطلق

(مجھ جیسے آدمی نے اس جیسی خاتون کو کبھی طلاق نہ دی ہوگی اور نہ اس جیسی خاتون کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی)

حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے رقیق القلب تھے وہ ان اشعار سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکّہ (رمضان ۸ ہجری) سے کچھ مدّت پہلے کا ہے کیونکہ کئی ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فتح مکّہ اور حنین و طائف کے غزوات میں شرکت کی۔ طائف کے محاصرے کے دوران میں ایک دن وہ دشمن کی طرف سے آنے والے ایک تیر سے سخت زخمی ہوگئے (کہا جاتا ہے کہ یہ تیر ابو محجن ثقفی نے چلایا تھا) اگرچہ یہ زخم بظاہر مندمل ہوگیا لیکن تیر کا زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد شوّال ۱۱ھ میں زخم عود کر آیا اور اسی کے صدمہ سے حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک چادر حضورؐ کے کفن مبارک سے بچ گئی تھی حضرت عبداللہؓ نے اس کو سات دینار دے کر بخیالِ تبرّک اپنے کفن کے لیے خرید لیا تھا لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اب اس چادر میں مجھ کو نہ کفنانا کیونکہ اس چادر میں کچھ بہتری ہوتی تو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم ضرور اس میں مکفون ہوتے۔ حضرت عبداللہؓ کی نمازِ جنازہ صدیق اکبرؓ نے پڑھائی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ قبر میں اترے اور ظہر کی نماز کے بعد خلیفۃ الرسولؐ

کے لختِ جگر کو سپردِ خاک کر دیا۔ چونکہ حضرت عبداللہؓ طائف کے غزوے میں لگنے والے زخم کی وجہ سے فوت ہوئے تھے اس لیے بعض اہل سیر نے انہیں شہدائے طائف میں شمار کیا ہے۔ حضرت عاتکہؓ کو اپنے محبوب خاوند کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

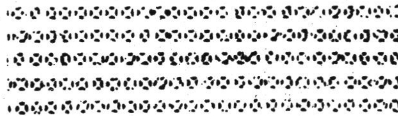
فالیت لا ینفک عینی حزینۃ	علیک ولا ینفک جلدی اغبرا
للہ عینا من رای مثلہ فتی	اکر واحمٰی فی الھیاج واصبرا
اذا شرعت فیہ الاسنۃ خاضھا	الی الموت حتّٰی یترک الموت احمرا

(قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا)
(زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا جنگجو اور ثابت قدم جوان دیکھا)
(اس پر تیر برستے تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہوا وہ اس وقت تک موت کی طرف چلتا رہتا جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا لیتا)

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ کے حالاتِ زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ عہدِ رسالت کے بیشتر غزوات میں شریک نہ ہو سکے تاہم ان کی زندگی کے بعض پہلو بڑی فضیلت کے حامل ہیں۔ انہیں نہ صرف سبقت فی الاسلام اور ہجرت کا شرف حاصل ہوا بلکہ ہجرتِ نبویؐ کے موقع پر انہوں نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جس طرح اپنی جان کو خطرے میں ڈالا، اس سعادت میں بہت کم صحابہؓ ان کے شریک و سہیم ہیں۔ فتح مکّہ کے موقع پر وہ ان دس ہزار مجاہدوں میں سے ایک تھے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور جنھیں سینکڑوں سال پہلے کتابِ استثنا کی پیشینگوئی میں قدسی کہہ کر پکارا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حُنین اور طائف کے غزووں میں جانبازانہ شرکت کر کے

مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا شرف بھی حاصل کر لیا۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ اپنے عظیم المرتبت والدِ گرامی کے بے حد اطاعت گزار تھے یہاں تک کہ ان کے حکم پر اپنی "دل و جان سے عزیز" بیوی کو طلاق دے دی۔ جس مردِ حق کی نمازِ جنازہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کی افضل ترین ہستی نے پڑھائی ہو اور جس کو فاروقِ اعظمؓ اور طلحۃ الخیرؓ ــــ صاحبِ اُحُد جیسی ہستیوں نے اَبدی آرام گاہ میں لٹایا ہو اس کی جلالتِ قدر میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟



حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر صدیقؓ

پہلی صدی ہجری کے چھٹے عشرے کے ایک موسمِ حج کا ذکر ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حج بیت اللہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکّہ معظمہ آئیں۔ اپنے قیامِ مکّہ کے دوران میں وہ ایک دن قبرستان تشریف لے گئیں، جونہی ایک قبر کے قریب پہنچیں، جوشِ گریہ سے بے تاب ہوگئیں اور زار زار رونے لگیں اس وقت ان کی زبان پر بے اختیار یہ شعر جاری ہو گئے۔

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيْمَةَ حِقْبَةً ۔۔۔ مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

(ہم دونوں جذیمہ (بادشاہ) کے مصاحبوں کی طرح مُدّت تک ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے یہ اب ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے)

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَمَالِكًا ۔۔۔ لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

(پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا میں نے اور مالک نے عرصۂ رفاقت کی درازی کے باوجود ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری) [۱]

---

[۱] یہ عرب کے مشہور شاعر مُتَمّم بن نُوَیرہ کے ایک مرثیہ کے شعر ہیں جو انھوں نے اپنے محبوب بھائی مالک بن نُوَیرہ کے قتل پر کہے تھے۔ مالک حضرت ابُوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد سے متاثر ہو گیا تھا اگرچہ کچھ مُدّت بعد وہ پھر اسلام کا دم بھرنے لگا لیکن حضرت خالدؓ بن ولید نے اسے ارتداد کے شبہ میں گرفتار کر لیا، حضرت خالدؓ کے دستے میں حضرت ضرارؓ بن ازور بھی شامل تھے، وہ مالک کی نگرانی پر مامور ہوئے۔ رات کو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۵۹۶ پر)

پھر وہ رقّت انگیز لہجے میں فرمانے لگیں: "اے صاحبِ قبر! جب تم اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہے تھے اگر اس وقت میں تمہارے پاس موجود ہوتی تو واللہ اس قدر نہ روتی اور تمہیں اسی جگہ سپردِ خاک کرتی، جہاں تم نے وفات پائی تھی۔"

یہ صاحبِ قبر جن کی یاد نے اُمّت کی جلیل القدر ماں صدّیقہ حمیرا ابنت الصدیق کو بے قرار کر دیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن اُبوبکر صدیقؓ تھے، اُمّ المومنینؓ کے حقیقی برادرِ بزرگ اور حق کے ایک سرفروش سپاہی۔

سیّدنا ابو عبداللہ عبدالرحمٰنؓ کے حسب و نسب کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ وہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق کے فرزندِ ارجمند تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

انہوں نے غلط فہمی کی بنا پر مالک کو قتل کر دیا۔ اس معاملے نے بڑا طول کھینچا اور حضرت خالدؓ کے خلاف دربارِ خلافت تک شکایت پہنچی حضرت خالدؓ نے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچ کر سارا واقعہ عرض کیا تو انہوں نے حضرت خالدؓ کا عذر قبول کر لیا۔ مالک کے بھائی مُتَمّم کو اس سے بڑی محبت تھی انہوں نے اس واقعہ پر ایسے دلدوز مرثیے کہے کہ جو سنتا رو دیتا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے مرثیہ سننے کی خواہش کی جب مُتَمّم نے یہ شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "کاش میں بھی مرثیہ کہہ سکتا تو اپنے بھائی زید بن خطاب کا مرثیہ کہتا"۔ مُتَمّم نے عرض کیا: "امیر المومنین اگر میرا بھائی زیدؓ کی طرح لڑ کر شہید ہو جاتا تو میں ہرگز اس پر مرثیہ خواں نہ ہوتا۔" حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مُتَمّم نے جس طرح میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔

عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر صدیقؓ بن ابوقحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ بن کعب بن لوّی القرشی۔

والدہ کا نام امّ رومانؓ تھا۔ جو جلیل القدر صحابیہ تھیں حضرت عبدالرحمٰن اور امّ المومنین حضرت عائشہؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کا اصل نام عبدالکعبہ تھا جسے ان کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن کر دیا۔

کاشانۂ صدیقِ اکبرؓ وہ برجِ سعادت تھا جسے آفتابِ اسلام کی ضیاء باری نے سب سے پہلے منوّر کیا لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت عبدالرحمٰن سبقت فی الاسلام سے سعادت اندوز نہ ہو سکے اور صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ معلوم نہیں وہ کیا اسباب تھے کہ ان کے دل میں قریش کے آبائی مذہب کی محبّت اس بُری طرح جاگزین ہو گئی تھی کہ انہیں اپنے جلیل القدر والدین کا تقدّم فی الاسلام اور اخلاصِ عمل بھی متاثر نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر (۲ھ) میں وہ لشکرِ باطل میں شامل ہو کر حق سے لڑنے گئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے انہیں لشکرِ قریش کی طرف سے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دیتے دیکھا تو فرطِ غضب سے بے تاب ہو گئے اور پکار کر کہا —— "او پلید میرے حقوق کیا ہوئے؟" —— وہ جواب کیا دیتے آئیں بائیں شائیں کر کے رہ گئے۔ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ صدیقِ اکبرؓ نے خود ان کے مقابلے پر جانا چاہا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو بیٹے سے نبرد آزما ہونے کی اجازت نہ دی۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے والدِ گرامیؓ سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد پر آ گئے تھے لیکن میں نے حقِ پدری کا لحاظ کر کے چھوڑ دیا۔ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا "بیٹے اگر اس دن تو میری تلوار کی زد میں آ جاتا تو خدا کی قسم میں تجھے کبھی

نہ چھوڑتا۔"

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ غزوۂ اُحد میں بھی مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔ غرض سالہا سال تک ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار رہے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) کے موقع پر ان کے نہاں خانۂ دل سے کفر و شرک کا زنگ یکسر کافور ہو گیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو کر حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔

اپنے دوسرے فرزند کے قبولِ اسلام سے صدیق اکبرؓ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے پاس مدینہ منورہ بلا لیا اور اپنا ذاتی کاروبار اور گھر کا سارا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔ وہ یہ تمام امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، اور والدِ گرامی کی مرضی و منشار کو ہر معاملے میں پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے، صدیق اکبرؓ کو کبھی کبھی غصہ آ جاتا تھا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بڑے تحمل اور بُردباری کے ساتھ والدِ گرامیؓ کی جھڑکیاں سہتے تھے اور کبھی اُف تک نہ کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ رات کو چند اصحابؓ صُفّہ صدیق اکبرؓ کے ہاں مہمان تھے۔ کھانے سے کچھ دیر پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بارگاہِ رسالتؐ میں کوئی ضروری کام پیش آ گیا۔ گھر سے چلنے لگے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت فرمائی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا رہا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے مہمانانِ عزیز کو کھانا کھلا دینا مبادا میری واپسی میں دیر ہو جائے اور انہیں تکلیف ہو۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے والدِ گرامی کے حکم کے مطابق مہمانوں کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے اس بنا پر اس کے کھانے میں عذر کیا کہ صاحبِ خانہ موجود

نہیں ہیں۔ صدیق اکبرؓ بڑی دیر کے بعد واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ مہمان ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ عبدالرحمنؓ سے مہمانوں کو کھانا کھلانے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ غضبناک ہو کر انہیں بُرا بھلا کہنے لگے اور قسم کھائی کہ اب یہ بھی کھانے میں شریک نہ ہوگا اور اسے بھوکا رہنا ہوگا۔ حضرت عبدالرحمنؓ والدِ گرامیؓ کے غصّہ سے بہت ڈرتے تھے اس لیے ان کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ انہیں یونہی قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے تو سامنے آکر نہایت ادب سے عرض کی ——— "ابا جان میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا تھا لیکن میرے بے حد زور دینے کے باوجود انہوں نے آپ کی عدم موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔"

مہمانوں نے حضرت عبدالرحمنؓ کی تصدیق کی اور کہا: "خدا کی قسم ان کا مطلق کوئی قصور نہیں اس لیے جب تک یہ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ کا غُصّہ دور ہوا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔

حضرت عبدالرحمنؓ کا اپنا بیان ہے کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن پھر بھی کافی کھانا بچ رہا چنانچہ میں اس میں سے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جسے آپؐ نے اور وہاں پر موجود بہت سے صحابہؓ نے بھی تناول فرمایا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عظیم المرتبت والدؓ کی سرپرستی اور فیضِ صحبت نے حضرت عبدالرحمنؓ کو ایک مثالی مسلمان بنا دیا اور وہ راست بازی، زہد و اتقا اور خلوص و ایثار جیسے اوصاف و محاسن کا پیکرِ جمیل بن گئے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اگرچہ عمر میں ان سے چھوٹی تھیں لیکن دینی لحاظ سے ان کا مرتبہ کہیں بلند تھا۔ چنانچہ دینی امور میں وہ ہمیشہ حضرت عبدالرحمنؓ کی رہنمائی کرتی

رہتی تھیں۔ مسندِ احمد حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اُمّ المومنینؓ کے سامنے جلدی جلدی وضو کیا، اُمّ المومنینؓ کو شک گزرا کہ ان کے سارے اعضا نہیں بھیگے، فوراً ٹوکا۔ "عبدالرحمٰن اچھی طرح وضو کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو تر نہ ہوگا اس پر جہنم کی پھٹکار ہوگی۔" چنانچہ اس کے بعد وہ وضو کرتے وقت ہمیشہ حضورؐ کا یہ ارشاد پیشِ نظر رکھتے تھے۔

شجاعت و بسالت حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے جلیل القدر والد صدیق اکبرؓ سے ورثے میں ملی تھی، وہی صدیق اکبرؓ جنہیں اسداللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی بے جگری اور دلاوری کی بنا پر "اشجع الناس" کا لقب دیا تھا۔ وہ تیراندازی اور شمشیر زنی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے اور میدانِ رزم میں بھپرے ہوئے شیر کی طرح لڑتے تھے۔ حدیبیہ کے بعد وہ تمام غزواتِ نبوی (فتح مکہ، حنین طائف اور تبوک) میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور استقامت کے جوہر دکھائے۔ سنہ ۱۱ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور صدیق اکبرؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سب سے خونریز جنگ مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ میں لڑی گئی، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس لڑائی میں حیرت انگیز شجاعت اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ دشمن کے سات زبردست جنگجو یکے بعد دیگرے ان کے تیروں سے جہنم واصل ہوگئے۔ اثنائے جنگ میں یمامہ کے قلعے کی دیوار میں ایک جگہ شگاف پڑ گیا تھا اور مسلمانوں کے لیے قلعہ میں گھسنے کا راستہ بن گیا تھا لیکن دشمن کا ایک سرکردہ جانباز محکم بن طفیل اپنے پیر جما کر اس شگاف میں کھڑا ہوگیا تھا اور کسی کو آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تاک کر اس کے

سینے میں ایسا تیر مارا کہ وہ آناً فاناً ہلاک ہو گیا اور مسلمان ہلہ مار کر قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰنؓ جیسے جانبازوں کی بدولت مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔

شام کی رومی سلطنت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی سال تک شام کی لڑائیوں میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے رہے۔ انہوں نے ہر معرکے میں اپنی جرأت، بے جگری، بے خوفی اور بہادری کی دھاک بٹھا دی اور شجاعانِ عرب میں شمار کیے گئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ عرب کے ان چیدہ جنگجوؤں میں سے ایک تھے جنہیں ایک ہزار بہادروں کے برابر تسلیم کیا جاتا تھا۔

عہدِ فاروقی میں قِنّسرین کی خونیں جنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں ایک موقع پر ایک خطرناک مہم کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید نے دس آزمودہ کار شہسوار منتخب کیے تو ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰنؓ تھے، اس مہم کی انجام دہی کے دوران میں ان شہسواروں کا دشمن کی ایک کثیر تعداد سے مقابلہ ہوا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس معرکے میں دشمن کے پانچ آدمی قتل کیے یہاں تک کہ غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن ایہم خود ان کے مقابلے کے لیے نکلا جبلہ ایک نامی جنگجو تھا اور بالکل تازہ دم تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ پانچ آدمیوں سے لڑ کر تھک چکے تھے لیکن اس کے باوجود جبلہ کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ بڑی دیر تک دونوں میں نیزے اور تلوار کی لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ دونوں شدید زخمی ہو گئے اور اپنے ہمراہیوں سے جا ملے۔

یرموک کی ہولناک جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے محیّر العقول کارنامے انجام دیئے۔ ایک موقع پر ساٹھ ہزار غسانی عربوں کے مقابلے کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید نے صرف

ساٹھ(۶۰) شہسوار منتخب کیے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی ان ساٹھ شہسواروں میں شامل تھے، ان ساٹھ مجاہدوں نے گروہ بنا کر چھاپہ مار انداز سے لڑائی شروع کی اور ساٹھ ہزار کے ٹڈی دل کو ایسا زچ کیا کہ وہ شام تک ان ساٹھ سرفروشوں سے پناہ مانگ اٹھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ، زبیرؓ بن العوام اور فضلؓ بن عباسؓ تو دشمن کے ایک دستے کو مارتے رگیدتے اتنی دور نکل گئے کہ مسلمانوں کو ان کی شہادت کا خدشہ پیدا ہو گیا تاہم رات گئے وہ بخیریت اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

اسی جنگ میں ایک دوسرے موقع پر ایک مجاہد قیسؓ بن ہبیرہ کا مقابلہ ایک شہزور رومی جنگجو سے ہو گیا، دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے معاً قیسؓ نے اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار اپنے مدِ مقابل پر کیا جو اس کے خود پر پڑا اور ان کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی اب ان کے پاس ایک چھوٹے سے خنجر کے سوا کچھ نہ تھا اور ان کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ اس نازک لمحے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بجلی کی طرح اپنی صفوں سے نکلے اور قیسؓ کے پاس پہنچ کر انہیں ایک نئی تلوار تھما دی۔ رومی کی مدد کے لیے بھی اس کا ایک ساتھی پہنچ گیا، عبدالرحمٰنؓ اور قیسؓ نے آناً فاناً اپنے حریفوں کو جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ میدانِ جنگ میں کھڑے ہو کر رومیوں کو للکارنے لگے کہ کسی کو مجھ سے مبارزت کی ہمت ہے تو سامنے آئے۔ جب کوئی ان کے سامنے نہ آیا تو وہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے رومیوں کے دائیں بازو پر جا پڑے اور کئی رومیوں کو قتل کر کے اپنے لشکر میں واپس آئے۔

اسی طرح کئی اور موقعوں پر انہوں نے بدیع المثال سرفروشی دکھائی اور اپنے آپ کو جنگِ یرموک کے ابطالِ خاص میں شمار ہونے کا مستحق ثابت کر دیا۔ اس کے بعد وہ بیت المقدس پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں شامل ہوئے اور جب حضرت عمرِ فاروقؓ کی تشریف آوری کے بعد سرزمینِ بیت المقدس نے اپنی آغوش

مجاہدینِ اسلام کے لیے وا کر دی تو وہ تسخیرِ حلب کے لیے جانے والی مہم میں شریک ہو گئے۔ حلب کی فتح کے لیے مسلمانوں کو بڑی جدّوجہد کرنی پڑی کیونکہ اہلِ حلب قلعہ کے اندر محصور ہو کر عرصہ تک مسلمانوں کی مزاحمت کرتے رہے۔ اس دوران میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کئی بار اپنے لشکر کی نگہبانی اور گشت کی خدمت انجام دی۔ حلب فتح ہونے کے بعد وہ شام کے کئی اور معرکوں میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے مصر کی جنگوں میں بھی شرکت کی لیکن تاریخوں میں ان کے جہادِ مصر کی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی خلافت کے آغاز میں جمل کی افسوسناک جنگ پیش آئی تو وہ اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد نامزد کیا تو انہوں نے مروان بن الحکم والیٔ مدینہ کو خط لکھا کہ اہلِ کوفہ و شام یزید کی ولی عہدی پر رضامند ہیں۔ تم اہلِ مدینہ کو بھی اس کام پر آمادہ کرو، مروان نے یہ خط پہنچنے پر اہلِ مدینہ کے ایک اجتماعِ عام میں لوگوں کو یزید کی ولی عہدی تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ اہلِ مدینہ نے مروان کی باتیں پسند نہ کیں، سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ اٹھے اور کڑک کر کہا ــــ "تمہارا اور معاویہؓ کا یہ ارادہ ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں رسمِ قیصری جاری کی جائے کہ ایک قیصر مر جائے تو اس کا بیٹا دوسرا قیصر بنے۔ خدا کی قسم اس طرح تو تم عامۃ المسلمین کو خلیفہ کے حقِ انتخاب سے محروم کر رہے ہو۔ ــــ" اس واقعہ سے پہلے امیر معاویہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے باہمی تعلّقات نہایت خوشگوار تھے اس لیے مروان اُن کی بات سن کر سخت برہم ہوا اور ان کو گرفتار کرنا چاہا، وہ اپنی ہمشیرہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ مروان کو

اندر گھسنے کی جراُت نہ ہوئی، دروازے کے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: "یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی)"

اُمّ المؤمنینؓ، مروان کی بات سن کر غضب ناک ہو گئیں اور پردے کے پیچھے سے فرمایا، "ہم لوگوں کے بارے اللہ نے کوئی آیت نازل نہیں فرمائی بجز اس کے کہ میری براُت فرمائی۔" (صحیح بخاری تفسیر سورۂ احقاف)

علاّمہ ابنِ اثیر نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر اُمّ المؤمنینؓ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:۔۔۔۔

"خدا کی قسم۔ نہیں۔ یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر چاہو تو میں اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں جس کی نسبت اس آیت میں اشارہ ہے۔"

مروان سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور وہ چپ چاپ چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ساتھ حضرت حسینؓ بن علیؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ اور کئی دوسرے بزرگوں نے بھی دیا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ خود مدینہ آئے اور مجمعِ عام میں بھی اور فرداً فرداً بھی ان اصحاب کو یزید کی بیعت کی دعوت دی لیکن وہ کسی صورت میں اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاِستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انہیں ایک لاکھ درہم بھیجے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں چھونا تک گوارا نہ کیا اور فرمایا:

"میں دین کو دنیا کے عوض نہیں بیچ سکتا۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ مدینہ منوّرہ کی سکونت ترک کر کے

مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلے پر "حبشی یا حُبَیشی" نام ایک پہاڑی مقام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ وہیں ایک دن اچھے بھلے سوئے لیکن عالم خواب میں ہی پیغام اجل آ گیا۔ لوگوں نے مکہ معظمہ لا کر سپرد خاک کیا۔ صحیح بخاری کے مطابق یہ واقعہ ۵۸ھ میں پیش آیا لیکن بعض دوسری روایتوں میں ۵۳ھ یا بعض اور سنین بھی دیئے گئے ہیں۔ اگر مروان والا واقعہ درست تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات ۵۶ھ کے بعد ہی تسلیم کرنی پڑے گی کیونکہ امیر معاویہؓ نے یزید کو ۵۶ھ میں ولی عہد نامزد کیا تھا۔ یہاں اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات رمضان ۵۸ہجری میں ہوئی۔ اگر انہوں نے موسم حج میں مکہ معظمہ جا کر بھائی کی قبر کی زیارت کی تو یہ حج یقیناً رمضان ۵۸ھ سے پہلے کا ہے اس لیے قیاس غالب یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ۵۶ھ اور ۵۸ھ کے درمیانی عرصے میں وفات پائی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھائی کی ناگہانی وفات کی خبر ملی تو وہ سخت غم زدہ ہوئیں، انہیں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے بے حد محبت تھی، شبہ گزرا کہ کسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک دن ایک خاتون حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے نماز پڑھ رہی تھیں کہ سجدہ میں یکایک جاں بحق ہو گئیں، یہ دیکھ کر انہیں یقین آ گیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی موت بھی طبعی تھی اور اس میں زہر خورانی کو دخل نہیں تھا تاہم ان کے دل کا غبار اس وقت ہلکا ہوا جب حج کے موقع پر بھائی کی قبر پر جا کر خوب رولیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اولاد میں دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کے نام ملتے ہیں۔ لڑکوں کے نام ابو عتیق محمدؒ اور عبداللہ رحؒ تھے اور لڑکیوں کے حفصہ رحؒ اور اسماءؒ۔ یہ سب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے۔

اُمُّ المؤمنینؓ ان سے بے حد محبت کرتی تھیں اور دینی امور میں قدم قدم پر ان کی رہنمائی فرماتی تھیں۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حفصہؒ بنت عبدالرحمٰنؓ نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُمُّ المؤمنینؓ ان کا دوپٹہ دیکھ کر سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا: "حفصہ تمہیں علم نہیں، سورۂ نور میں اللہ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں؟" پھر انہوں نے وہ دوپٹہ پھاڑ ڈالا اور ایک گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر انہیں اوڑھایا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے ابو عتیق محمدؓ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ گویا حضرت عبدالرحمٰنؓ کے گھر میں چار نسلیں صحابی تھیں یعنی ان کے دادا ابو قحافہؓ، والد حضرت ابوبکر صدیقؓ، وہ خود اور ان کے فرزند ابو عتیق محمدؓ۔

ابو عتیق محمدؓ کے بیٹے عتیقؒ اور پوتے عبداللہؒ بن عتیقؒ نے بھی اُمُّ المؤمنینؓ کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ اُمُّ المؤمنینؓ کی وفات کے بعد ان کے جن اعزّہ نے انہیں قبر میں اتارا ان میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے عبداللہؒ اور پڑپوتے عبداللہؒ بن عتیقؒ بن محمدؓ بھی شامل تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ کے صحیفۂ اخلاق میں شجاعت و بسالت، شوقِ جہاد اور حق گوئی و بے باکی سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ حضرت سعیدؒ بن مسیّب سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

صحاح میں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کئی احادیث مروی ہیں لیکن یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ محدثین کرامؒ نے قلت یا کثرتِ روایت کی بناء پر صحابۂ کرامؓ کے جو چار طبقے مقرر کیے ہیں ان میں سے کسی طبقے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام شامل نہیں کیا۔ —— مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں صحیح بخاری کی دو روایات

کا خلاصہ (تبرکاً) بیان کردیں جو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ سے مروی ہیں۔

ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پیچھے سوار ہوکر مقامِ تنعیم سے ان کو عمرہ کرادوں۔

——اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معیّت میں عمرہ کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔

دوسری روایت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے مشاہدے میں آیا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم کل ایک سو تیس ۱۳۰ آدمی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ آپؐ نے فرمایا، تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانا ہے۔ اتفاق سے اس وقت صرف ایک شخص کے پاس تقریباً تین سیر گندم کا آٹا تھا، حضورؐ نے اس کو گوندھنے کا حکم دیا، جب آٹا گوندھ لیا گیا تو ایک بڑے ڈیل ڈول والا مشرک اپنی بکریاں ہانکتا وہاں آنکلا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا:

"فروخت کرنے کا ارادہ ہے یا ہدیہ دینے کا؟"

اس نے کہا "فروخت کرنے کا۔"

آپؐ نے ایک بکری خرید کر (ذبح کروائی اور) پکوائی اور کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک سو تیس آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ رہا جس کو حضورؐ نے کلیجی کا کوئی ٹکڑا نہ دیا ہو۔ جو کوئی وہاں موجود تھا اس کو تو (اسی وقت) دے دیا جو موجود نہ تھا اس کا حصّہ باقی رکھ چھوڑا۔ پھر آپؐ نے بکری کا سالن دو بڑے برتنوں میں ڈالا اور تمام لوگوں نے اس سالن کو سیر ہوکر کھایا پھر بھی دو پیالے بچ رہے جن کو ہم نے اونٹ

پر رکھ دیا۔

سیّدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بلا شبہ خاصی تاخیر سے اسلام قبول کیا تھا لیکن سعادت اندوزِ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنے اخلاصِ عمل سے گزشتہ دورِ حیات کی تلافی کر دی یہاں تک کہ بارگاہِ رسالتؐ میں تقرب حاصل کر لیا۔ یہی سبب تھا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ ان سے بے پناہ محبّت کرتی تھیں اور ان کو صرف برادرِ بزرگ کی حیثیّت نہیں دیتی تھیں بلکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک مخلص جاں نثار اور اسلام کا ایک سرفروش مجاہد سمجھ کر بھی ان کی بے حد تکریم کرتی تھیں۔



محمدؓ بن ابی بکرؓ

یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولادِ ذکور میں سب سے چھوٹے تھے ذیقعدہ ۱۰ھ ہجری میں ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت اسماءؓ بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے نکاح کیا تو محمدؓ بن ابی بکرؓ بھی (تقریباً تین سال کی عمر میں) اپنی والدہ کے ساتھ حضرت علیؓ کے سایۂ عاطفت میں آگئے اور آغوشِ مرتضوی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش کا آغاز ہوا تو محمدؓ بن ابی بکرؓ بھی ان کے مخالفوں میں شامل ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب باغی حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے ارادے سے کاشانۂ خلافت کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے تو محمدؓ بن ابی بکرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں دیکھا تو فرمایا:

"محمدؓ! اگر تیرا باپ تجھے اس حالت میں دیکھتا تو اسے ہرگز پسند نہ کرتا۔"

یہ سن کر محمدؓ کو ندامت ہوئی اور وہ کاشانۂ خلافت سے باہر نکل گئے۔ اس طرح اُن کا دامن حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق سے محفوظ رہا۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے اپنے عہدِ خلافت (۳۷ھ ہجری) میں انہیں مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ مصر میں ان کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مخالفین میں حضرت مسلمہؓ بن مخلد اور معاویہؓ بن خدیج جیسے نامور لوگ شامل

تھے۔ ۳۸ھ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو چھ ہزار فوج دے کر مصر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے محمدؐ بن ابی بکرؓ کو خط لکھا کہ ”اہلِ مصر تمہارے مخالف ہیں اس لیے تم میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میرا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ تم خود بخود ہی مصر چھوڑ دو میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔“

محمدؐ بن ابی بکرؓ نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص مصر پہنچے تو محمدؐ بن ابی بکرؓ نے اُن کا پُرزور مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ معاویہؓ بن خدیج نے ان کو قتل کرا ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو محمدؐ بن ابی بکرؓ کے قتل کی خبر ہوئی تو انہوں نے سخت دُکھ کا اظہار کیا اور محمدؐ کے بیٹے قاسم کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا۔ یہ ان ہی کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ قاسمؒ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ بن گئے۔ اُن کا شمار فُقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔



حضرت اُمِّ کُلثُوم رح

سیدنا حضرت اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ والدہ کا نام حبیبہؓ بنت خارجہؓ انصاری تھا۔

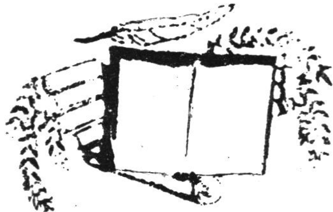
جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری میں خلیفۃ الرسول حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے وفات پائی تو حضرت اُمِ کلثومؓ بطن مادر میں تھیں۔ والدِ گرامی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد پیدا ہوئیں۔ سنِ بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی مشہور صحابی حضرت طلحہؓ (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) سے ہوئی۔ ان سے تین بچے ہوئے زکریا، یوسف (جو کمسنی ہی میں فوت ہوگئے) اور عائشہ۔

حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی بہن اُمِ کلثومؓ کو مکہ لے گئیں جہاں انہوں نے زمانۂ عدت ہی میں حج کیا۔

اس کے بعد حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ سے ہوا۔ ان سے ابراہیم احول، موسیٰ، ام حمید اور ام عثمان چار بچے پیدا ہوئے۔

حضرت اُمِّ کلثومؓ کا شمار مشہور تابعیات میں ہوتا ہے۔ ان سے مغیرہ بن حکیمؓ، طلحہ بن یحییٰ اور جابر بن حبیبؒ وغیرہم نے روایت کی ہے۔

(الاصابہ لابنِ حجر عسقلانیؒ۔ طبقات ابن سعد)



صدیقِ اکبرؓ کے "مواخاتی" بھائی

حضرت خارجہؓ بن زید انصاری

خزرج کے خاندان حارث بن خزرج (یا اغر) سے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

خارجہؓ بن زید بن ابی زُہیر بن مالک بن امرُالقیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

اپنے خاندان اغر کے رئیس تھے اور نہایت سلیم الفطرت تھے۔

ہجرتِ نبویؐ سے قبل شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ۱۳ بعدِ بعثت میں مکّہ جا کر لیلۃ العقبہ میں رحمتِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیعت سے سعادت اندوز ہوئے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت ابُوبکر صدیقؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت خارجہؓ ہی کے ہاں قیام کیا۔ (ایک دوسری روایت میں ان کے میزبان کا نام خبیبؓ بن اساف بتایا گیا ہے) چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت خارجہؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اسلامی بھائی بنایا۔ انہوں نے اپنی بیٹی حبیبہؓ کا نکاح حضرت ابُوبکر صدیقؓ سے کر دیا۔ حضرت حبیبہؓ کے بطن سے صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی اُمِّ کلثوم پیدا ہوئیں۔

۲ ہجری میں حضرت خارجہؓ کو "اصحابِ بدر" میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس غزوہ میں انہوں نے مشہور مشرک امیّہ بن خلف کو کچھ

دوسرے صحابہ کے ساتھ مل کر قتل کیا۔ ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحُد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اس بہادری سے لڑے کہ شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ زخم پہ زخم کھاتے تھے لیکن قدم پیچھے ہٹانا گوارا نہ تھا۔ جب سارا جسم نیزوں سے چھلنی ہو گیا تو زمین پر گر گئے۔ اُمیّہ بن خلف مقتولِ بدر کے بیٹے صفوان نے انہیں پہچان لیا اور اپنے باپ کے قتل کا بدلہ اتارنے کے لیے ہونٹ کان ناک اور دوسرے اعضاء کاٹ لیے۔ حضرت خارجہؓ کے بھتیجے حضرت سعدؓ بن ربیع بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ حضورؐ نے چچا بھتیجے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرایا۔

حضرت خارجہؓ نے اپنے پیچھے ایک بیٹی حبیبہؓ (زوجۂ صدیقِ اکبرؓ) اور ایک فرزند زیدؓ نامی چھوڑے۔ زیدؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ان کے ایک اور فرزند سعدؓ کا نام بھی آیا ہے۔ وہ غزوۂ اُحُد میں باپ کے پہلو بہ پہلو لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت خارجہؓ بن ابی زُہیر کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔

(اُسدُ الغابہ لابنِ اثیرؒ۔ الاِصابہ، ابنِ حجرؒ۔ الاِستیعاب لابنِ عبدالبرؒ۔ المشاہد رحمان علی خان)



کتابیات

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں : —

١۔ صحیح بخاری۔
٢۔ صحیح مسلم۔
٣۔ مُسندِ ابی داؤد۔
٤۔ جامع ترمذی۔
٥۔ مُسندِ احمد بن حنبلؒ
٦۔ الطبقات الکبیر — ابن سعدؒ
٧۔ تاریخ الرُسُل والمُلُوک — طبریؒ
٨۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ — حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
٩۔ الاِستیعاب فی معرفۃ الاصحاب — حافظ ابنِ عبدالبرؒ
١٠۔ السیرۃ النبویہ — ابنِ ہشامؒ
١١۔ البدایہ والنہایہ — حافظ ابنِ کثیرؒ
١٢۔ تاریخ الکامل — ابنِ اثیرؒ
١٣۔ اُسدُ الغابہ — ابنِ اثیرؒ
١٤۔ فتوحُ البُلدان — بلاذُریؒ
١٥۔ تاریخ الخُلفاء — جلال الدین سیوطیؒ

١٦۔ خلفائے راشدینؓ ـــــ مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ

١٧۔ العتیق ـــــ عبدالحفیظ عتیقی

١٨۔ سیرۃ الصدیقؓ ـــــ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی (نواب صدر یار جنگ)

١٩۔ صدیق اکبرؓ ـــــ خواجہ عباد اللہ اختر

٢٠۔ عبقریۃ الصدیقؓ ـــــ عباس محمود العقاد (مصر)

٢١۔ الصدیق ابوبکرؓ ـــــ محمد حسین ہیکل (مصر)

٢٢۔ خالد سیف اللہؓ ـــــ ابو زید شلبی

٢٣۔ حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط ـــــ خورشید احمد فارق

٢٤۔ صدیق اکبرؓ ـــــ مولانا سعید احمد اکبرآبادی (مرحوم)۔

٢٥۔ ثانی اثنین ـــــ عبدالحلیم شرر (مرحوم)

٢٦۔ اسوۂ صحابہؓ ـــــ مولانا عبدالسلام ندوی (مرحوم)

٢٧۔ اشعار ابی بکر الصدیقؓ ـــــ ڈاکٹر امین اللہ وثیر

٢٨۔ ازالۃ الخفا ـــــ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

٢٩۔ تاریخ اسلام ـــــ شاہ معین الدین احمد ندویؒ

٣٠۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ـ (دانش گاہ پنجاب لاہور۔ ص۔ ٥٠٧ تا ٥٩١)
(وجلد دہم)

٣١۔ سیرۃ صدیق اکبرؓ ـــــ علامہ محمد رضا مصری
(اردو ترجمہ مولانا محمد عادل قدوسی)

٣٢۔ جہاد صدیقؓ ـــــ ریٹائرڈ جنرل محمد اکبر خان

٣٣۔ سیرۃ عائشہؓ ـــــ مولانا سید سلیمان ندویؒ

٣٤۔ عرب کا ارتداد اور اس کا بزور تیغ انسداد ـــــ خواجہ حسن نظامی دہلویؒ

٣٥۔ النظم الاسلامیہ ـــــ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن و پروفیسر علی ابراہیم حسن (مصر)
اردو ترجمہ "مسلمانوں کا نظم مملکت" از مولوی علیم اللہ صدیقی۔

۳۶ - خلفاء راشدینؓ کی یگانگت ـــــــ منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب

۳۷ - سیر الصحابہؓ جلد اوّل ـــــ مولانا سعید انصاری مرحوم

۳۸ - ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور ـــــ صدیق اکبرؓ نمبر

۳۹ - ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور ـــــ صدیق اکبرؓ نمبر

۴۰ - ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی ـــــ صدیق اکبرؓ نمبر

۴۱ - مخزنِ اخلاق ـــــــ رحمت اللہ سبحانی

۴۲ - تاریخ اسلام جلد اوّل ـــــ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم

۴۳ - رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی ـــــ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

